تاریخ کے دریچے سے ایک شہرۂ آفاق سنسنی خیز
خوفناک اور ذہن پر لرزہ طاری کرتی کہانی

بنت فرعون

حمید ی
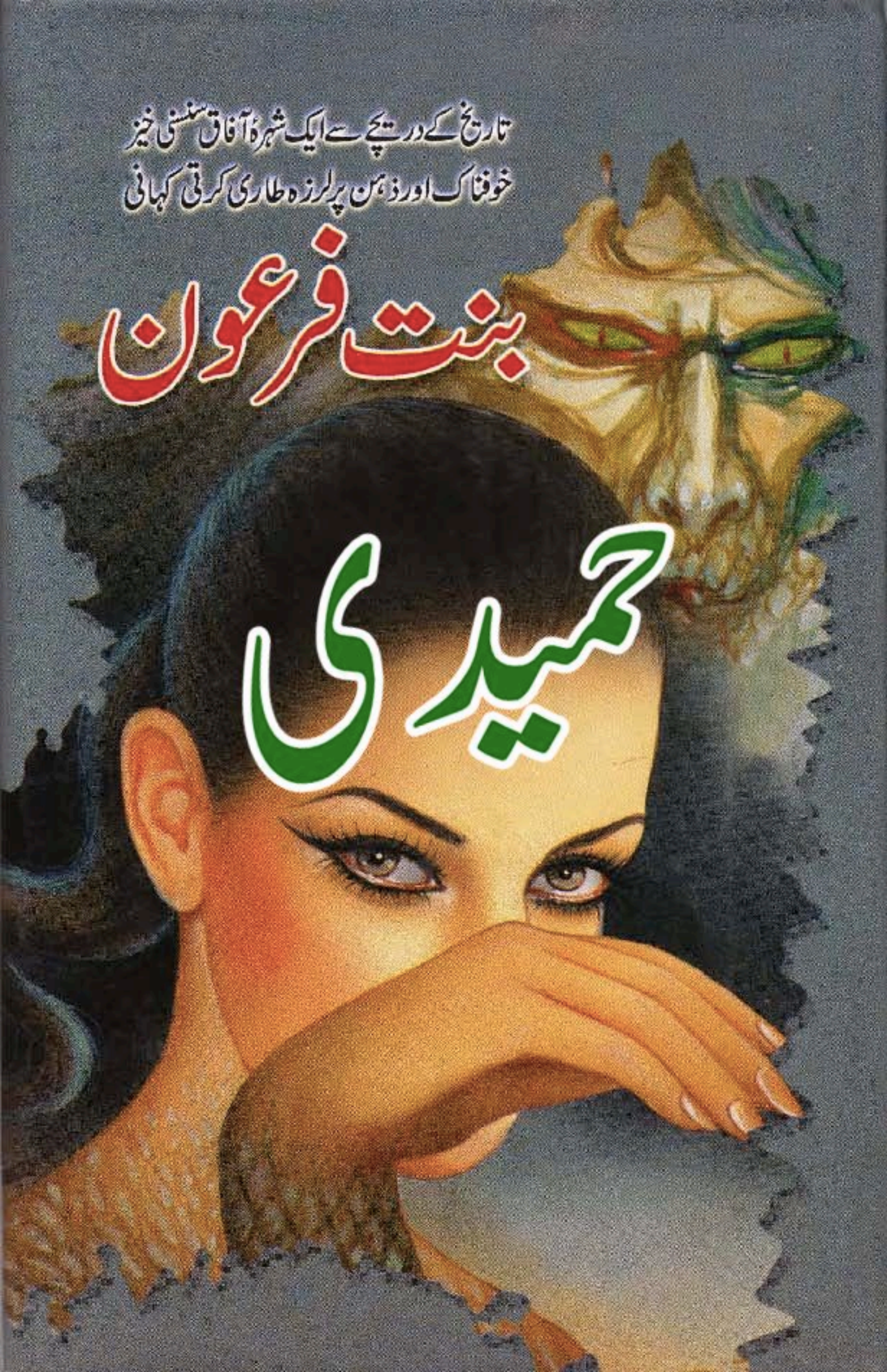
ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈ من "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈ من کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی و غیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈ من سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈ من سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

نام کتاب — بنت فرعون
مصنف — محمد یعقوب خان
سن اشاعت — مارچ 2008ء

سرھنری قیطون بن حام ممبر پارلیمنٹ نے جن کی آنکھوں سے متانت وسنجیدگی برس رہی تھی ایک لمبا سا لفافہ الٹا کر کے اس چھوٹی سی صاف اور چمکدار میز پر رکھ دیا جو ہوٹل کے سامنے خوب صورت پائیں باغ میں بچھی ہوئی تھی اس وقت ان کا چہرہ خود بخود اتر گیا تھا، دل بیٹھ گیا تھا اور وہ افسردہ خاطری سے، لیکن کسی خاص فکر میں مبتلا، دریائے نیل کے وسیع کناروں پر نظر دوڑاتے ہوئے ان ریت کے تودوں اور بے آب وگیاہ ریتلی پہاڑیوں کی طرف دیکھتے رہے جو دور تک پھیلی ہوئی چلی گئی تھیں اور جن کے درمیان فراعنہ مصر کے قدیم مشہور شہر طیبہ یا دارالشمس کے کھنڈر تاحد نظر دکھائی دیتے تھے جو ملک مصر کا وہی شہر ہے جس کو کسی زمانہ میں اس قدر وسعت حاصل تھی کہ اس کا دوسرا نام عروس البلاد کے علاوہ بلدۂ صد ابواب بھی تھا۔

سرہنری کی بیوی جو ایک سنہرے بالوں والی اڈھیر عورت تھی آرام کرسی پر براجمان تھی۔ ایک ہاکا اور خوب صورت وضع قطع کا سفید گون زیب تن تھا اور وہ حیران وششدر گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔ ان دونوں میاں بیوی کی زندگی ہمیشہ عیش وآرام اور شادمانی ومسرت میں بسر ہوئی تھی۔ سرہنری ہمیشہ ہشاش وبشاش رہتے تھے لیکن جو متفکرانہ اور مایوسانہ جھلک ان کے چہرہ پر اس وقت دکھائی دیتی تھی ایسی پہلے کبھی نظر نہ آئی تھی۔

اس وقت بیوی نے فراست سے معلوم کیا کہ گھر سے کوئی ناخوشگوار خبر آئی ہے کیونکہ اس نے لفافہ جو اس کے شوہر کی میز پر رکھا تھا ٹکٹ دیکھ کر پہچان لیا تھا کہ وہ انگلستان سے آیا ہے۔

جہاں یہ دونوں میاں بیوی بیٹھے ہوئے تھے اس مقام کے چاروں طرف یعنی ہوٹل کے چبوترہ پر چاروں طرف مختلف اقسام کے خوب صورت پھولوں سے حاشیہ بندی کی گئی تھی۔اس وقت بہت سی پارٹیاں بیٹھی ہوئی شام کی چائے پی رہی تھیں۔اور آپس کے گپ شپ میں مشغول تھیں اور بعض اوقات قہقہہ سے صاف مطلع میں بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کا لطف آ جاتا تھا۔شوقین مزاج مردوزن میں کچھ مہ جبین اس قدر عریانی نواز باریک اور چست لباس پہنے ہوئے تھیں کہ ان کا جسم مرمریں شرمندہ نظر نہیں آتا تھا۔وہ شوقین مزاج جوڑے تھے جن کو لندن، نیویارک، یا پیرس میں اہل سوسائٹی یا رنگین مزاج طبقہ کہا جاتا تھا۔اب چونکہ جاڑوں کا موسم ہے اور ان کے ملکوں میں بارش اور کہر کی کثرت اس قدر شدید ہوتی ہے کہ ہفتوں آفتاب عالم مہتاب کی منور صورت نظر نہیں آتی۔تو یہ، آفتاب مشرق کی نور پاش شعاعوں سے لطف اندوز ہونے مصر آئے ہیں جہاں ہمیشہ مطلع صاف رہتا ہے اور بارش بھی ہوتی ہے تو حد سے زیادہ نہیں ہوتی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض نہایت مہلک بیماریوں کو شفا بخشنے کے لئے پروردگار نے مصر کی آب وہوا میں خاص تاثیر رکھی ہے اور اس خصوصیت میں دنیا کے بہت کم مقامات اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

دنیا بھی ایک عجیب وغریب جگہ ہے۔اس کی نیرنگیاں فہم بشری سے باہر ہیں۔ابھی کچھ تھا اور ابھی کچھ یعنی کسی کے گھر میں صف ماتم بچھتی ہے تو کسی کے گھر میں شادیانے بجتے ہیں ایک ہی وقت میں اور ایک ہی مقام پر مختلف حالتیں نظر آتی ہیں۔یہی دیکھئے کہ ہنری کا دل ملول و غمگین ہے تو پاس بیٹھی ہوئی دوسری پارٹیاں قہقہے لگا کر داد عیش وشادمانی دے رہی ہیں اس وقت واقعی سر ہنری کو ان لوگوں کی ہلڑ بازی ناپسند معلوم ہوئی۔طبیعت پر شاق اور کانوں کو گراں گزرا۔انہوں نے سر سے ٹوپی اتار کر میز پر رکھ دی اور اپنا دبلا پتلا ہاتھ سر پر پھیرنے لگے۔

بیوی۔"للہ یہ بتاؤ آخر بات کیا ہوئی۔اس خط میں کیا لکھا ہے؟"

شوہر (محبت بھری نگاہوں سے دیکھ کر) "کچھ نہیں۔بس اتنی سی بات ہے کہ میں تباہ ہو گیا اور کچھ بات نہیں۔"

یہ سنتے ہی بیوی کا رنگ اڑ گیا۔چہرہ اتر گیا اور وہ شوہر سے بھی زیادہ متفکر نظر آنے لگی۔

قاعدہ کلیہ ہے کہ عورت کا دل نازک ہوتا ہے اور جس طرح تیز دھوپ یا خفیف صدمہ سے خوب صورت اور نازک پھول پژمردہ ہو جاتا ہے اسی طرح ذرا سا رنج و فکر بھی عورت ذات کو افسردہ بنا دینے کے لئے کافی ہے۔بیوی نے آنکھیں اٹھائیں اور حیرت کے ساتھ شوہر کے چہرہ پر جما دیں۔

بیوی۔"کیا "الائنس" کو کوئی صدمہ پہنچا۔یا اور کوئی بات ہوئی؟"

شوہر۔"ہوا کیا تمام عمر کی کمائی برباد ہو گئی اور آئندہ کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم لندن میں رہنا چھوڑ دیں۔ورنہ مجبور ہو کر ہم کو آبائی محل بھی فروخت کر دینا پڑے گا اور میرے خیال میں آپ کو اس کا بہت ہی سخت صدمہ ہوگا۔"

بیوی۔"واقعی یہ بات تو نہایت صدمہ کی ہے لیکن بزرگوں کا قول ہے کہ "دنیا امید پر قائم ہے" اس لئے ہم کو بھی تقدیر کا روشن پہلو دیکھ کر دل میں ناامیدی کو جگہ نہ دینا چاہئے میں جانتی ہوں کہ "الائنس" کے فیل ہو جانے سے ہم کو نہایت ہی سخت صدمہ پہنچا ہے لیکن خدا کا شکر ہے ابھی ہم دیوالیہ نہیں ہوئے، آپ ہر گز نہ گھبرائیں۔خدا نے چاہا تو ہم ہر طرح بری بھلی زندگی گزار لیں گے۔زیادہ گزر گئی تھوڑی سی رہ گئی ہے یہ بھی گزر جائے گی۔"

شوہر۔"ہاں میری جان کوئی فکر کی بات نہیں۔میں جانتا ہوں تم نے بڑی بڑی افتاد کے وقت رفاقت کی ہے اور جہاں، میں اور نعمتوں کے لئے اپنے پروردگار کا شکر گزار ہوں، وہاں سب سے بڑا احسان مند اس کا، اس امر میں ہوں کہ اس نے مجھ جیسے ناچیز بندہ کو تم جیسی شریف دل اور خدمت گزار رفیق زندگی عطا فرمائی۔"

بیوی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔اس کی توجہ دریائے نیل کے اس پار ہو گئی جہاں بے آب وگیاہ ریتلی پہاڑیوں کا سلسلہ تا حد نظر صحرائے لیبیا کی بے پایاں وسعت میں پھیلا چلا گیا تھا۔ڈوبتے ہوئے آفتاب کی سنہری کرنیں ان پہاڑیوں کی سیاہ چوٹیوں پر اپنا رنگ بکھیر رہی تھیں۔سر ہنری اپنی پیاری بیوی کی طرف ایسی پیار و محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ اگرچہ دونوں طرف کامل سکوت طاری تھا۔لیکن قلبی ٹیلیفون کے ذریعہ "بہ خاموش گویا" نظریں نہ معلوم واردات قلب کا کس قدر عظیم دفتر کہہ گئیں کہ اس کا بیان کرنا اس مختصر فسانہ کی وسعت

سے باہر ہے۔

اس عظیم الشان ہوٹل کے جس میں یہ دونوں میاں بیوی مقیم تھے چبوترے کے سامنے جو بائیں باغ تھا اس کے رنگا رنگ پھولوں نے ایک ''ہنگامہ، رنگ وبو'' برپا کر رکھا تھا۔ انسان کے ہاتھ کی ترتیب دی ہوئی کیاریاں صدہا قسم کے پھولوں سے بھری ہوئی تھیں اور اگرچہ فصل بہار تھی۔ جنوری کا مہینہ تھا لیکن مصری آب وہوا اس مہینہ میں بھی گل دریا میں اور نباتات کے لئے بمنزلہ قندونبات تھی۔ شمیم گل دوش صبا پر سوار ہو کر جس طرف سے نکل جاتی تھی مشام جان معطر ہو جاتا تھا۔

بائیں طرف دریائے نیل کے وسیع گھاٹ پر جہاں دریا میں چلنے والے چھوٹے جہاز اور کشتیاں آ کر لنگر انداز ہوا کرتی تھیں، افریقیوں کا ایک مجمع کثیر جمع تھا اور ان میں ترجمان اور گائیڈ بھی تھے جو سیاحوں کو آثار قدیمہ اور مشہور تاریخی مقامات کی سیر کرایا کرتے تھے۔ ان کے سروں پر سرخ رنگ مصری پگڑی، گلے میں سیاہ رنگ کے لمبے لمبے مفلر نما رومال جن کو ''غلابیہ'' کہتے ہیں اور پاؤں میں سرخ نری کی نعلین تھیں یہاں وہ دغاباز پھیری والے بساطی بھی تھے جو تازہ بنی ہوئی جعلی چیزیں آثار الصنادید کے نام سے فروخت کرتے تھے۔ بہت سے آدمی ایسے بھی تھے جن کے ہاتھوں میں لمبی لمبی تسبیحوں کے دانے کھٹا کھٹ چل رہے تھے اور وہ زاہدانہ وبیرانہ صورت بنائے ہوئے مختلف قسم اور اثرات کے تعویذ گنڈے لئے کھڑے ہوئے تھے یہاں ملک نوبہ کے رہنے والے حبشی بچے بھی تھے جو سواری کے لئے سدھائے ہوئے گدھوں کی لگام پکڑے ہوئے سواریوں کے منتظر تھے۔ دو چار سپاہی مصری پولیس کے بھی نظر آ رہے تھے۔ لوگوں کا ایک اژدہام جمع ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تھوڑی دیر بعد قاہرہ سے ایک خوب صورت سفید رنگ کا بہت بڑا جہاز آ رہا تھا جو اب لوگوں کی نظروں تک پہنچ گیا تھا۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ جاڑوں کے زمانہ میں شوقین مزاج عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے متمول لوگ اپنی زر پاشیوں اور عیش کاریوں کے لئے بحیرہ روم کے شمالی ساحلوں کے ملکوں کی سیر وسیاحت کیا کرتے تھے، لیکن اب یہ مقامات صرف ان لوگوں کی تفریح گاہیں رہ گئی ہیں جو متوسط درجہ کے لوگوں کے لیے ہیں۔ اور اب اعلیٰ سوسائٹی کے لوگ جن کے نزدیک

روپیہ پیسہ ہاتھ کا میل، اشرفی ٹھیکری اور وقت ایک بے قدر شے ہے سیدھے مصر کو جاتے ہیں افسوس ان شوقین جوڑوں میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جن کے لئے مصر کے قدرتی مناظر فردوس نظر ہوں یا جو قدیم مصر کے آثار الصنادید اور رعمس، امین حاطب یا توت انخ ہامان و دیگر فراعنہ مصر کے عجیب وغریب مقبروں کی سیر کر کے اپنے علم کو وسعت دیں۔ ان عیش پسندوں کے لئے تین مقامات بمنزلہ طبقات بہشت نظیر ہیں اور وہیں یہ لوگ رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ یہ مقامات مصر علوی (جنوبی) کے تین عظیم الشان اور دنیا میں نہایت خوب صورت ہوٹل میں پہلا ہوٹل ہیں جس کا نام ''کیٹریکٹ'' (آبشار) ہے مقام اصوان میں۔ دوسرا ہوٹل بیلوائے۔ جزیرہ قوم ادھبو میں ہے جس کو انگریزی میں ''الیفنٹائن'' کہتے ہیں۔ تیسرا ہوٹل ونٹر پالیس ہے جو مقام الاقصر میں ہے اور انہی تینوں ہوٹلوں میں سے کسی ایک میں یہ لوگ رنگ رلیاں منا لیتے ہیں ان مقامات پر وہ حسن فروش طبقہ بھی بکثرت ہے۔ جو ہر وقت نئے شکار کی فکر میں رہتا ہے اور جب کوئی بھولا بھولا آدمی ان کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے تو اس کے تن پر پتلون تک نہیں باقی رہتی۔ الغرض ان ہوٹلوں میں دن عید اور رات شب برات رہتی ہے بالفاظ دیگر یہاں کی راتیں شب ہائے عروسی اور یہاں کے دن روز ہائے وصال رہتے ہیں۔ تبسم حسن اور خندۂ گل سے ایک محشر بپا رہتا ہے۔

ان مقامات میں الاقصر خاص طور پر قابل توجہ ہے اگرچہ حسن پرستوں کے لئے یہاں نازنین کی کمی نہیں اور ان ''دل پھینک'' لوگوں کے نزدیک مقصد حیات صرف اسی قدر ہے کہ: اب تو آرام سے گزرتی ہے، عاقبت کی خبر خدا جانے۔

لیکن عدیم المثال عجائبات قرنا اور فقید النظیر اور محیر العقول خرابہ ہائے طیبہ کا قرب ہونے سے علم درست اور ''سائنس پرست'' حضرات کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا موقعہ نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ جگہ ہے جو ان کے لئے بغرض مطالعہ، آثار الصنادید لاانتہا نوادرات پیش کر سکتی ہے۔ فوٹو لینے اور مصری ''خطوط صوری'' (تصویروں کے ذریعہ سے تحریر) پڑھنے کا بے نظیر موقعہ پیش کر سکتی ہے۔ الاقصر میں نہ بارش ہوتی ہے نہ شبنم پڑتی ہے۔ یہاں کی آب وہوا خشک اور فرحت انگیز ہے۔ جب ریت کے وسیع دامن کو مس کرتی ہوئی خوشگوار ہوائیں چلتی ہیں تو

طبیعت میں ایک خاص قسم کی شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ خصوصاً صبح و شام کے مناظر دیکھ کر جن میں شام، اودھ اور صبح بنارس کا لطف نظر آتا ہے۔

جس طرح بنارس گنگا اور لکھنو گومتی کے کنارے بسے ہوئے ہیں اسی طرح یہ شہر دریائے نیل کے کنارے دور تک پھیلا چلا گیا ہے۔ ڈوبتے ہوئے آفتاب کی سنہری شعاعیں جب صحرا کے تاحد نظر پر پڑتی ہیں تو مختلف رنگ آنکھوں کے سامنے جھلملاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا قدرت نے فرش زمین پر کوئی بیش بہا رومی قالین بچھا دیا ہے اور جب رات کے وقت چشمہ نور میں نہا کر چاند نکلتا ہے اس کی ٹھنڈی کرنیں ریگستان کے ذرہ ذرہ پر پڑتی ہیں تو ایسا نظر آتا ہے گویا ایک بے پایاں دریائے نور موجیں مار رہا ہے۔ جس وقت دریا کے کنارے یا کشتیوں میں بیٹھے ہوئے ملاحوں کی ٹولیاں میٹھے سروں میں شعر، گیت یا غزل گاتے ہیں، تو عاشق مزاج لوگ سنتے ہی کلیجہ پکڑ کر رہ جاتے ہیں۔

الاقصر نمونہ جنت ہے۔ ادھر ہر وقت چہل پہل رہتی ہے۔ اگر ایک طرف لمبی لمبی عبائیں، سرخ ٹوپیاں اور عمامے اور سرخ نعلین پہنے ہوئے مرد ادھر سے ادھر تیز روی کے ساتھ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف برقعہ پوش عورتیں جن میں مصری، عربی، حبشی سب قوم کی ہوتی ہیں۔ چہروں پر لمبے لمبے نقاب ڈالے ہوئے جن میں کھلی ہوئی بڑی بڑی سرمہ آلود غزالیں آنکھیں چاروں طرف بجلیاں گراتی چلتی ہیں۔ اس خاموشی سے گزر جاتی ہیں گویا یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ قیامت کب آئی اور کب گزر گئی۔ ہاں جب کسی کے پاؤں کے کڑے آپس میں ٹکرا جاتے ہیں تو اس وقت مردے قبروں میں ضرور کروٹیں لینے لگتے ہیں۔

دریا کے کنارے کی یہ سرزمین اس قدر سرسبز و شاداب اور زرخیز ہے اور اسی قدر نظر جذب کرتی ہے کہ جو شخص یہاں پہنچ جاتا ہے بس وہ یہیں کا ہو رہتا ہے۔ پھر کوئی تعجب کی جگہ نہیں کہ مصر کے ان عظیم الشان بادشاہوں نے جن کے سامنے شوکت جمشید اور حشمت دارا بے حقیقت چیزیں تھیں اس عروس البلاد شہر کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ رعمس، منفتاح، آمین حاطب وغیرہ فراعنہ مصر کے پر جلال خاندان مسلسل تین ہزار سال تک شہر طیبہ میں اپنی محیر العقول یادگاریں قائم کرتے رہے۔ مقام فرنا میں "ہیکل ہامان" نہ معلوم کتنے بادشاہوں نے کتنے برسوں میں تعمیر کیا

ہوگا۔ دنیا میں اس سے بڑا کوئی مندر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں آمین حاطب سوم کا بنایا ہوا "ہیکل ممنون" بھی ایک عجیب و غریب چیز ہے جو آج تک ہزارہا سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح موجود ہے۔ اس محل میں عظیم الشان مجسمے ہیں جو سخت پتھر کو تراش کر نصب کئے گئے ہیں۔

سر ہنری قیطون انگلستان کے یہودی النسل امراء میں سے تھے۔ پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے اور "مصریات" کا ان کو خاص طور پر شوق تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ معہ اپنی بیوی کے مصر کی سیر کیا کرتے تھے۔ قاہرہ سے وہ سیدھے الاقصر آتے اور یہیں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کرتے اور جب کبھی مصر علوی کی سیر و سیاحت کو دل چاہتا تو دریائے نیل میں چلنے والے کسی جہاز میں سوار ہو کر اصوان جاتے۔ وہاں سے ابو سمبل اور وادی حلفاء میں ایک ہفتہ گزارتے۔ وادی حلفاء سرحد سوڈان پر مصر کا آخری شہر ہے۔ اس طرف کے لوگ ان سے خوب واقف ہو گئے تھے اور وہ بھی ان مقامات سے اس قدر واقف ہو گئے تھے کہ سیر و سیاحت کے لئے نہ ان کو کسی ترجمان کی ضرورت ہوتی تھی نہ رہنما کی۔ سر ہنری کی عمر تقریباً 50 سال ہوگی۔ تن و توش کے لحاظ سے وہ کمزور و لاغر تھے۔ قد لمبا تھا اور قبل از وقت بال سفید ہو چلے تھے۔ ان کا آبائی محل مچل کومبی واقع جنوبی ڈیون میں تھا لیکن لندن میں بھی انہوں نے ایک مکان لے رکھا تھا۔

کچھ دنوں سے سر ہنری بہت پریشان تھے۔ افتاد پر افتاد پڑ رہی تھی۔ ان کا اکلوتا جوان بیٹا ہنری جو بحری فوج میں لیفٹیننٹ تھا۔ ملک چین کے سمندروں میں ڈوب گیا تھا اور چند کمپنیوں کا جن میں انہوں نے روپیہ لگایا۔ دیوالیہ نکل گیا تھا اور آج شام کو جو خط ولایتی ڈاک سے موصول ہوا اس میں لکھا تھا کہ "الائنس" نامی کمپنی بھی جس میں سر ہنری سب سے بڑے حصہ دار تھے، فیل ہو گئی۔

اس وقت بیوی کے دل میں خیال آیا کہ اگر فی الحال میاں کو ان کے مرغوب مشاغل یعنی آثار قدیمہ کے مطالعہ میں مصروف رکھا جائے تو ممکن ہے کہ تازہ نقصانات سے جو صدمہ ان کے دل کو پہنچا ہے اس کا اثر کم ہو جائے۔ چنانچہ یہ سوچ کر اس نیک عورت نے کہا۔

"میرے خیال میں آپ تو ابھی لندن نہ واپس جائیں گے کیونکہ ابھی آپ ان کتبوں کے نقل کرنے کا کام ختم نہیں کر سکے۔ جو حال ہی میں مقبرہ نفرار یکارع پر برآمد ہوئے ہیں۔"

شوہر۔ ''نہیں ابھی تو نہیں جاؤں گا۔ کیوں کہ یہ کتبے نہایت اہم ہیں آپ کو معلوم ہے کہ صاحب مقبرہ نفرار یکارع مصر کی شہنشاہ بیگم تھی۔ ان کتبوں میں سے ایک میں لکھا ہے کہ یہ ملکہ نہایت صاحب جاہ و جلال تھی۔ اس کے تاج کی چوٹی پر چیل یا گدھ کی طلائی اور مرصع بجواہرات تصویر ہوتی تھی۔ اس کا تقدس اس قدر عظیم تھا کہ لوگ اس کو خدا کی طرح حاضر و ناظر جانتے تھے اور بعد مرنے کے اس کو قوم نے قابل پرستش دیوی قرار دیا۔ چنانچہ ایک دوسرے کتبہ میں تحریر ہے۔ ''میں کل'' (گزری ہوئی) ہوں اور کل (آئندہ) کو جانتی ہوں۔ (اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ دیوتاؤں کو ماضی و مستقبل سب کا حال معلوم ہوتا ہے۔

بیوی۔ ''ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ آپ ابھی چند روز اور یہاں رہیں۔ اور یہ کام پورا کرلیں۔

اس وقت رنگ شفق خون عاشق کی طرح گہرا ہو رہا تھا۔ دریائے نیل کے پانی کی وسیع ہموار سطح چمکدار سرخ بانات معلوم دیتی تھی۔ ہلکی ہلکی لہروں سے جو تموج سطح آب میں پیدا ہوتا تھا اس پر روشن شعاعیں پڑ کر کچھ عجیب لطف دکھاتی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ فرش بانات پر سنہری روپہلی کشیدہ کاری کی گئی ہے۔ ریگ زار صحرا کا رنگ لحہ بہ لحہ بدلتا جاتا تھا اور چھوٹی چھوٹی پارٹیاں جو ادھر ادھر بیٹھی ہوئی چائے نوشی کر رہی تھیں زمین و آسمان کی ان نیرنگیوں اور عجوبہ کاریوں کو دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھیں۔ الغرض ان ''چھیلا'' مردوں اور چنچل عورتوں کا جو غم غلط کرنے دور دراز سے آتے تھے روز مرہ یہی مشغلہ رہتا تھا۔

اب چوں کہ دن چھپنے والا تھا لہٰذا وہ پارٹیاں جو گدھوں یا اونٹوں پر سوار ہو کر ریگستان کی سیر کرنے گئی تھیں واپس آنی شروع ہوگئیں اور باغیچہ میں چائے کی میزوں کا اضافہ ہونا شروع ہوگیا ان زندہ دل لوگوں کے قہقہہ نے فضا میں تموج پیدا کر دیا اور چست و چالاک ہوٹل کے خادم جلدی جلدی ان نو وارد مہمانوں کے چائے پانی کا انتظام کرنے دوڑ رہے تھے۔

اتنے میں مسز قیطون نے محض اپنے خاوند کا دل بہلانے اور غم و رنج کے خیالات دور کرنے کی نیت سے شوہر کے کان میں آہستہ سے کہا۔

''دیکھئے آپ کے بائیں جانب، کھجوروں کے درخت کے نیچے ایک خوب صورت

نوجوان لڑکی تن تنہا بیٹھی ہے یہ آج ہی جہاز میں قاہرہ سے آئی تھی اور میں آج اس کو کئی بار دیکھ چکی ہوں یہ لڑکی تن تنہا معلوم ہوتی ہے کیونکہ لنچ کے وقت بھی اس کے ساتھ کوئی نہ تھا اور یہ تنہا بیٹھی ہوئی لنچ کھا رہی تھی۔ نہ معلوم یہ کون لڑکی ہے مگر ہے بھولی بھالی اور حسین۔''

سر قیطون بن حام نے ادھر توجہ کی جس طرف ان کی بیوی نے اشارہ کیا تھا۔ کیا دیکھتے ہیں کھجوروں کے نیچے بید کی بنی ہوئی ایک آرام دہ کرسی پر ناز و انداز کے ساتھ ایک حسین و مہ جبین نازک نوجوان لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کی ناگن زلفیں، آنکھیں غزالی، چہرہ کتابی، خدو خال نازک و خوب صورت، ناک نقشہ درست، غنچہ سا دہن، ٹھڈی کسی قدر آگے کو ابھری ہوئی۔ سرخ و سفید رنگ ہے۔ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی سنہری کرنیں پڑ کر اس کے حسن عالم افروز کو اور بھی چار چاند لگا رہی ہیں اس کی بڑی اور چمکدار آنکھوں میں کچھ عجیب کیفیت تھی۔ کچھ رنج و غم اور کچھ پریشانی ٹپکتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں گھوڑے کے لمبے اور ملائم بالوں کی ایک چنوری تھی (مورچھل جیسی) جو وہ بار بار ہلاتی تھی۔ مصر علوی میں اس چیز کی بہت ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہاں مکھیاں بہت ستاتی ہیں خصوصاً درختوں کے سایہ میں۔

سر ہنری قیطون بن حام کی نظریں اس آفتاب حسن و جمال پر پڑیں تو سر فلک قمر کی طرح گردش میں آنے لگا۔ حسینہ کیا تھی حسن و جمال کی دیوی تھی۔ سر ہنری نے سر سے پاؤں تک نگاہ ڈالی اور سمجھے کہ غالباً لڑکی ہسپانوی یا اطالوی النسل ہے۔

''اگر واقعی یہ لڑکی تن تنہا ہے تو اس کا دل بہت گھبراتا ہوگا۔ الاقصر ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی حسین لڑکی تنہا سیر کرتی نظر آئے۔ نہ معلوم یہ معصوم یہاں کس لئے آئی ہے؟'' سر ہنری نے کہا۔

بیوی۔ ''واقعی حیرت کی بات ہے کہ ایسی حسین و جمیل لڑکی اتنے فاصلہ پر دریائے نیل کا سفر کر کے تن تنہا بے یار و مددگار یہاں پہنچے اس لڑکی کو دیکھ کر میرے دل میں محبت جاگی ہے۔ دیکھئے آج میں ہوٹل کے دفتر میں جا کر رجسٹر دیکھوں گی اور معلوم کروں گی کہ یہ کون ہے۔''

''عورتوں کے اندر دخل در معقولات کی عادت بہت بری ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے اکثر پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے آپ زیادہ چھان بین نہ کریں۔'' سر ہنری نے کہا۔

بیوی۔ "نہیں اس معاملے میں کوئی پیچیدگی پیدا نہ ہوگی۔" اس کے بعد دونوں میاں بیوی اٹھ کر ہوٹل کے اندر چلے گئے۔

☆......☆......☆

اگلے روز صبح کے وقت اپنے کمرے سے نکل کر مسز قیطون اس خوب صورت کیبن میں تشریف لائیں جوان کی نشست کے لئے مخصوص تھا اور جہاں وہ روزانہ صبح کا ناشتہ کیا کرتی تھیں۔ وہاں چھوٹی میز پر ایک لفافہ ملا۔

لفافہ چاک کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کسی عورت کا رقعہ ہے جس میں اس نے اپنا نام نارجوری کولیر تحریر کیا تھا۔ پہلے تو تکلیف دہی کی معافی مانگی گئی تھی۔ پھر یہ درخواست کی گئی تھی کہ اگر مناسب سمجھا جائے تو دوپہر کے وقت پرائیویٹ طور پر گفتگو کرنے کی اجازت دی جائے۔

خط کے آخری الفاظ حسب ذیل تھے۔

"میں جانتی ہوں کہ میں آپ کے نزدیک قطعی اجنبی ہوں۔ لیکن اگر آپ از راہ نوازش مجھ کو پرائیویٹ طور پر گفتگو کرنے کی اجازت عطا فرمائیں تو ہوٹل کے بیرے کی معرفت کمرہ نمبر 202 میں اطلاع بھیج دی جائے۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ میں آپ سے عرض کرنا چاہتی ہوں وہ آپ کے لیے اور آپ کے شوہر کے لئے باعث دلچسپی ہوگا۔"

یہ رقعہ پڑھتے ہی بیوی نے رقعہ میاں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے بھی ایک نظر ڈالی اور فرمایا۔

"عجیب بات ہے معلوم نہیں کہ لکھنے والی کون ہے؟"

"ارے وہی بے یار و مددگار لڑکی ہے۔ جو میں نے کل شام کے وقت آپ کو دکھائی تھی۔ میں نے کل رات ہوٹل کے دفتر میں جا کر رجسٹروں سے تحقیق کیا تھا تو معلوم ہوا کہ اس کا نام [illegible] کولیر ہے۔

شوہر۔ "بس میں سمجھ گیا۔ یہ کوئی افلاس زدہ نادار لڑکی ہے آپ سے کچھ قرض مانگے گی۔ کہے گی کہ میں آج کل سخت پریشان ہوں کہ [illegible] آنے والا ہے مگر ابھی تک نہیں آیا اور پریشانی میں مبتلا ہوں۔ اس قسم کی باتیں بنا کر آخر میں [illegible] کہ کچھ قرض دے دیجئے۔

بہت سے آدمیوں نے اس قسم کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے بظاہر بڑے شریف، صحبت یافتہ سلیقہ شعار، صاحب شعور، سفید پوش نظر آتے ہیں لیکن در حقیقت گداگر پیشہ ہوتے ہیں۔ ہوٹل ان لوگوں کی شکار گاہ ہوتا ہے آپ کو یاد نہیں سوئٹزر لینڈ میں پچھلے سال بھی اسی قسم کی ایک لڑکی سے ہم کو واسطہ پڑا تھا۔ اف وہ! اس کی زبان میں جادو تھا۔ دو باتوں میں انسان کو موم کر لیتی تھی۔ مگر دیکھئے آخر میں کیا معلوم ہوا۔ وہ لڑکی شاطر چوروں کے اس گروہ میں شامل نکلی جو عموماً ہوٹلوں میں چوری کرتے ہیں لہٰذا آپ اس مرتبہ ذرا احتیاط سے کام لینا۔

بیوی۔ "تو کیا اس لڑکی سے ملاقات کر لوں۔"

شوہر۔ "کیا مضائقہ ہے اس لڑکی کی ذات کسی قدر پر اسرار معلوم ہوتی ہے آپ ملاقات کر لیں معاملہ خود بخود کھل جائے گا۔ نہ معلوم وہ چاہتی کیا ہے؟"

"میرے خیال میں تو وہ ان لوگوں میں نہیں ہے جو ادھر ادھر دست طلب دراز کرتے پھرتے ہیں دیکھئے ہوٹل میں اس نے بہترین کمرے لے رکھے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک خادمہ بھی ہے اور آج مجھ کو اپنی خادمہ فلٹیا سے معلوم ہوا کہ وہ نہایت شریف اور اعلیٰ طبقہ کی عورت ہے کل رات اس خادمہ نے خانساماں کے کمرہ میں فلٹیا سے کہا تھا کہ میری مالکہ نہایت متمول ہے لیکن اس کو تنہا سیر و سفر کرنے کی عجیب عادت پڑ گئی ہے۔" بیوی نے تفصیل بتائی۔

شوہر۔ "تو خیر آپ اس سے مل کر ضرور بات کر لیں۔ دیکھیں وہ کیا چاہتی ہے؟ یہ معاملہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔"

الغرض ہوٹل کے بیرے کو طلب کیا گیا اور مسز قیطون نے اس لڑکی کے نام لکھا۔ "میں آج دوپہر کے وقت آپ سے مل کر خوش ہوں گی۔"

دوپہر کے وقت مسز قیطون اس گیلری میں بیٹھی ہوئی تھیں جس کا رخ دریائے نیل کی طرف تھا۔ اتنے میں سرخ ٹوپی اور سفید لباس پہنے ایک بیرا حاضر ہوا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اطلاع دی کہ "ایک لیڈی صاحبہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

مسز قیطون فوراً اٹھیں اور نشست کے کمرہ میں جا بیٹھیں اور ایک منٹ بعد ان کے سامنے وہی حسینہ کھڑی نظر آئی جس نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔

حسینہ۔ ''میرے حال پر آپ کی عین نوازش ہوئی جو مجھ کو اس وقت نیاز حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی میں اس تکلیف دہی کی معافی چاہتی ہوں لیکن جب میں نے کل صبح آپ کو باغیچہ میں دیکھا تھا تو میرا دل خود بخود گواہی دیتا تھا کہ آپ مجھے بات کرنے کی ضرور اجازت فرمائیں گی۔ کیا میں آپ سے ایک سوال کر سکتی ہوں؟''

سوال کا نام سنتے ہی مسز قیطون کے خیالات حسینہ کی طرف سے خراب ہونے لگے۔ اور وہ سمجھی کہ جو بات ان کے شوہر نے کہی تھی وہ غالباً صحیح نکلے گی۔ لیکن اس پر بھی مسز موصوفہ نے حسینہ کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حسینہ کو دیکھنے اور اس کی گفتگو سننے سے مسز قیطون کے دل میں چار خیال پیدا ہوئے تھے ایک تو یہ کہ لڑکی انگریزی نسل سے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کو لباس پہننے کا زبردست سلیقہ حاصل ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ نہایت حسین ہے۔ چوتھے یہ کہ اوصاف و اطوار سے وہ معمولی عورت نہیں بلکہ کوئی اعلیٰ طبقہ کی خاتون ہے لیکن چونکہ اس سے پہلے سوئٹزرلینڈ میں اس کو تلخ تجربہ ہو چکا تھا یعنی ایک خوب صورت لڑکی نے اس سے نہایت لجاجت کے ساتھ بھیک مانگی تھی اور بعد میں وہ لڑکی جب گرفتار ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ اس دن بین الاقوامی چوروں کے گروہ میں تھی جو ہوٹلوں میں چوری کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ اس وقت بہت چوکنا تھیں اور حسینہ کو سر سے پاؤں تک گہری نظر ڈال کر دیکھ رہی تھیں۔

مسز قیطون۔ ''سوال؟ اچھا وہ کیا سوال ہے۔''

حسینہ۔ ''واقعہ یہ ہے کہ اس وقت میں ایک عجیب و غریب حالت میں گرفتار ہوں (مسز قیطون کے کان کھڑے ہوئے اور لڑکی اس کے اضطراب کو دیکھ کر سمجھ گئی) میں جانتی ہوں کہ اس وقت آپ کے دل میں کیا خیالات آ رہے ہیں آپ اطمینان رکھیں۔ میں خدانخواستہ آپ سے کچھ قرض لینا یا بھیک مانگنا نہیں چاہتی مجھے آپ کے روپے کی ضرورت نہیں۔ صرف آپ جیسی تجربہ کار خاتون کی صلاح و مشورہ کی ضرورت ہے میں مالی مدد نہیں چاہتی بلکہ اخلاقی و ...سمانی مدد کی محتاج ہوں۔''

حسینہ کے یہ الفاظ سن کر مسز قیطون دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوئیں لیکن اس کے بعد ہی فوراً تو... لڑکی کی طرف مخاطب ہو گئیں۔ اس وقت لڑکی کے چہرہ پر بوجہ شرم و حیا کے کسی

قدر سرخی نمودار ہو گئی تھی۔ وہ سیاجامی کی سادہ لیکن نہایت اعلیٰ درجہ کی وضع قطع کی پوشاک پہنے ہوئے تھی جس کے گلے میں نیلے ریشم کا جھالردار کالر اور کمر میں اسی قسم کا چوڑا اپڑکا یا پیٹی ٹکی ہوئی تھی۔ گردن میں ایک ہلکی سی طلائی زنجیر پڑی ہوئی تھی جس میں گہرے نیلے رنگ کی ایک بیضوی لوح بطور آویزہ لٹکی ہوئی تھی۔ یہ لوح ساڑھے تین ہزار سال ماضی کی بنی ہوئی عجیب و غریب چیز تھی جس پر مصری خط سوری میں حسب ذیل تحریر پر نمایاں تھی۔

من۔ مآت۔ رع۔

یہ درحقیقت مقتاح اول فرعون مصر کی شاہی مہر تھی۔ یہ فرعون حضرت عیسیٰؑ سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے گزرا تھا۔ اس کا دوسرا نام سیتی اول بھی ہے۔ یہ نہایت بہادر اور فاتح بادشاہ تھا اور اس کی فتوحات کا سلسلہ براعظم ایشیا تک وسیع ہو گیا تھا۔ بحیرہ احمر اور دریائے نیل کے درمیان پہلی نہر اسی نے بنائی تھی۔ اس کی بہت سی شاندار یادگاریں قرناق غیرنہ وغیرہ ..... میں اب تک موجود ہیں۔ اس کا مقبرہ طیبہ کے متصل ''وادی الملوک'' میں ہے۔ ملک نوبہ بھی اسی بادشاہ نے فتح کیا تھا۔

چینیوں کی طرح قدیم اہل مصر بھی اپنے خیالات علامتوں اور تصویروں کے ذریعہ ظاہر کیا کرتے تھے فراعنہ مصر کے مقبروں اور دیگر آثار قدیمہ پر جو تصویری کتبے نظر آتے تھے۔ وہ 1814ء تک کسی کی سمجھ میں نہ آئے تھے۔ مقام روسنا سے ایک لوح برآمد ہوئی ہے جسے ڈاکٹر ینگ ایک انگریز نے بغور و خوض مطالعہ کرنا شروع کیا اور چونکہ وہ قدیم قبطی زبان سے بھی کسی قدر آشنا تھا۔ اس لئے اس کو وہ لوح جو بخط صوری تحریر تھی پڑھنے میں کسی قدر آسانی ہوئی۔ جس طرح انگریزی میں تحریروں اور کتابی دو قسم کے حروف ہوتے ہیں اسی طرح مصری خط صوری میں بھی دو قسم کے رسم الخط تھے۔ ایک فرانسیسی ماہر مصریات مومیلو شامپونین نے ان تحریروں کے پڑھنے میں پوری طرح کامیابی حاصل کر لی اور اب تو سینکڑوں آدمی اس فن سے واقف نظر آئیں گے۔

حسینہ۔ ''جو کچھ میں آپ سے عرض کرنے والی ہوں وہ غالباً ایک عجیب سی بات معلوم ہو گی۔ واقعہ یہ ہے کہ میں دنیا میں تن تنہا ہوں اور اس وقت مجھ کو ایک رفیق کی سخت ضرورت ہے

بیگم صاحبہ آپ تو خود جانتی ہوں گی کہ دنیا میں کسی لڑکی کے لئے تنہا رہنا کس قدر کربناک بات ہے علاوہ ازیں میں یہ بھی آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ سال بھر بعد مجھ کو شادی کرنا پڑے گی اور پھر......''

مسز قیطون۔ ''پھر کیا؟''

حسینہ۔ (مسکرا کر) ''بس پھر کی بات خدا جانے۔ میں کیا بتا سکتی ہوں۔ لیکن میں یہاں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں۔ اس کی معافی چاہتی ہوں۔ یہ کسی قدر خلاف تہذیب ہے۔ لیکن صاف گوئی اچھی بات ہوتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ میں آئندہ موسم میں لندن جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ ذرا وہاں کی سیر بھی کروں گی اور اپنی شادی کے لئے سامان بھی خریدوں گی۔ اب میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ میری ''نگران کار'' بننا پسند فرمائیں گی۔''

یہ بات سن کر مسز قیطون کو بہت حیرت ہوئی۔

حسینہ۔ ''لیکن آپ فکر نہ فرمائیں۔ میں اس عنایت کا آپ کو معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں اور واقعی جب آپ اپنا وقت صرف کریں گی اور اپنی خاص توجہ میری طرف رکھیں گی تو کوئی وجہ نہیں کہ معقول معاوضہ نہ دیا جائے۔ اب میں صرف آپ کی مرضی دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کے تمام اخراجات خود برداشت کروں گی اور اس کے علاوہ آپ کو دو ہزار پونڈ اسی وقت اور تین ہزار پونڈ ایک سال بعد ادا کر دوں گی۔''

پانچ ہزار پونڈ کا نام سنتے ہی مسز قیطون کی آنکھیں کھل گئیں۔ جس قدر مالی حالت ان کی آج کل خراب ہوگئی تھی اس کو دیکھتے ہوئے یہ رقم خزانہ غیب کا ایک عطیہ تھا۔ الغرض خاتون کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ دل میں خیالی پلاؤ پکانے لگی کہ اس قدر معقول رقم کے ساتھ وہ لندن والا مکان ابھی دو سال اور قائم رکھ سکے گی اور اس کے گھر پر سوسائٹی کی جو چہل پہل اس وقت رہتی ہے۔ وہ بدستور قائم رہے گی۔

مسز قیطون جو دفعتاً عالم خیال میں لندن کی سیر میں مشغول ہوگئی اور کچھ دیر سکوت رہا تو حسینہ نے یہ سمجھا کہ شاید وہ رقم جو اس نے پیش کرنا تجویز کی ہے۔ مسز موصوفہ کو کم نظر آتی ہے اس لئے اس نے مہر خاموشی توڑ دی۔

حسینہ۔ ''اگر یہ رقم ناکافی ہے تو اچھا میں چھ ہزار کئے دیتی ہوں۔ ممکن ہے آپ کو سر قیطون سے بھی مشورہ لینے کی ضرورت ہو۔ اس لئے میں پھر شام کو حاضر ہوں گی۔ اس وقت جو بھی آپ رائے قائم کریں اس سے اطلاع دید یجئے گا۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ میں اپنی خادمہ کے اپنی موٹر کار کے تمام اخراجات خود برداشت کرونگی اور اگر آپ چاہیں تو لوگوں سے میری نسبت یہ کہہ سکتی ہیں کہ یہ میری بھانجی یا بھتیجی و خالہ زاد بہن یا کوئی عزیز ہے۔ آپ کو بعد میں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں ایک شریف زادی ہوں۔ میں نے فرانس، اطالیہ جرمنی، انگلستان، قسطنطنیہ اور مصر وغیرہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اس لئے میں یقین کرسکتی ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو کسی طرح بھی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''

مسز قیطون۔ ''اور آپ کے دوست کون کون لوگ ہیں؟''

حسینہ۔ ''افسوس دنیا میں میرا کوئی دوست نہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے شاید کوئی غم خوار بھی نہیں، قانونی لحاظ سے پچھلے سال میں سن بلوغت کو پہنچ گئی ہوں اور لندن کے مشہور و معروف سالسٹر میسرز فنلے اینڈ برٹن میرے جملہ امور کا انتظام کرتے ہیں۔ اس قدر بتلا دینے کے بعد میں امید کرتی ہوں کہ آپ مجھ سے اتفاق فرمائیں گی۔''

مسز قیطون ایک شریف اور غیور خاتون تھیں۔ اس قسم کی بات ایک اجنبی لڑکی سے سن کر وہ فوراً مسترد کر دیتیں۔ لیکن اس وقت ان کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ ان کے شوہر نے لندن کا مکان چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا ہے اور ان کی مالی حالت ختم ہوگئی ہے۔ یہی باتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ اس اجنبی حسینہ کو فرشتۂ رحمت اور اس کے پیش کردہ چھ ہزار پونڈ کو عطیہ غیب خیال کرتی تھیں۔

مسز قیطون۔ ''واقعی آپ کی درخواست ایک عجیب درخواست ہے۔ لیکن اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو دیکھئے میں اپنے شوہر سے اس بارے میں مشورہ لیتی ہوں اور جو کچھ ان کی رائے ہوگی اس سے آج شام کو میں آپ کو مطلع کر دوں گی۔ لندن جانے سے پہلے ابھی تو غالباً آپ دو چار ہفتہ اور یہاں قیام فرمائیں گی۔''

حسینہ۔ ''یقیناً میں مصر اور خاص طور پر الاقصر کی دلدادہ ہوں۔ میں پہلے بھی یہاں آچکی ہوں۔''

تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد یہ صحبت ختم ہوئی اور کوئی نصف گھنٹہ بعد جب سر ہنری قیطون کمرہ میں داخل ہوئے تو بیوی نے تمام باتیں اپنے شوہر سے کہہ سنائیں۔

شوہر۔ ''میری جان بحالت موجودہ یہ چھ ہزار پونڈ کی رقم ہمارے لئے ایک خاص عطیہ خداوندی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا کرنا ہمارے لئے کسی قدر خلاف شان ہے لیکن بحالت موجودہ مجبوری قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ کیونکہ اس معاملہ کا تعلق تمام تر آپ کی ذات سے ہے۔''

بیوی۔ ''میری رائے تو یہ ہے کہ مان لیا جائے ہم کو اس وقت رقم کی سخت ضرورت ہے لڑکی بھی کوئی شریف زادی معلوم ہوتی ہے۔ اگر چہ اس کی ہستی ہمارے لئے قطعی پر اسرار ہے لیکن ہمیں اس کے سالسٹر صاحبان سے اس کی نسبت بہت کچھ معلوم ہو جائے گا اور میں امید کرتی ہوں کہ اس کی وجہ سے ہماری عزت پر کوئی حرف نہ آئے گا۔''

شوہر۔ ''اچھا اگر آپ کی یہی رائے ہے تو منظور کر لیجئے اور پھر شام کو آپ اس لڑکی سے مجھے بھی ملا دیں۔''

اسی روز شام کے وقت مسز قیطون نے حسینہ کو مدعو کیا۔ سر ہنری بھی آ گئے اور تینوں نے کمرہ میں بیٹھ کر اس معاملہ پر بحث کی۔ حسینہ کی پیش کردہ تجویز کے مطابق معاہدہ ہو گیا تھا۔ صرف اس قدر شرط رکھی گئی کہ میسرز فنلے اینڈ برٹن سے خط و کتابت کر لی جائے اور اسی روز تقریباً ایک گھنٹہ بعد حسینہ نے تین ہزار پونڈ کا ایک چیک لکھ کر مسز قیطون کے حوالے کیا۔

اس وقت سے مسز قیطون اور وہ حسینہ دونوں ساتھ رہنے لگیں اور گھنٹہ دو گھنٹہ کی صحبت میں مسز قیطون حسینہ کی گرویدہ ہو گئیں۔ حسینہ فصیح فرانسیسی، اطالوی، جرمنی اور ترکی زبانوں میں نہایت روانی کے ساتھ گفتگو کر سکتی تھی اور ایک مرتبہ مسز قیطون نے یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ ہوٹل کے عملہ سے عربی میں باتیں کر رہی تھی۔

شام کو حسینہ نے سر ہنری قیطون اور ان کی بیگم کے ساتھ کھانا کھایا اس وقت نشاط محفل جمی ہوئی تھی اور لوگ مصری دھن سے لطف اندوز ہو رہے تھے لیکن وہ حسینہ وہاں نہ بیٹھی بلکہ ایک ہلکی سی شال شانوں پر ڈال کر باہر نکل گئی اور ہوٹل کے عقب میں جو خوب صورت باغیچہ تھا اس میں

جا کر چاندنی رات کا لطف اٹھانے لگی۔

اس وقت رات کا سناٹا تھا۔ گرد و نواح کا پر اسرار ریگستان عجیب سماں پیش کر رہا تھا۔ یا دریائے نیل کی کشتیوں سے ملاحوں کے گانے بجانے کی آواز دور سے سنائی دیتی تھی۔ چاندنی رات کا جو لطف صحرائے عرب یا مصر میں حاصل ہوتا ہے وہ دنیا کے کسی اور مقام پر نصیب نہیں ہو سکتا اور نہ ایسی خوشگوار خاموش اور دلفریب راتیں کہیں ہوتی ہیں۔

سر بفلک کھجور کے درختوں میں حسینہ مصروف خرام تھی۔ گلاب، یاسمین اور لیطائے شب یا عروس اللیل کی بھینی بھینی خوشبو دوش صبا پر سوار آ رہی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے حسینہ ایک دور افتادہ مقام تک پہنچ گئی۔ وہاں سے پھری اور پھر اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ جہاں وہ اس روز صبح کے وقت بیٹھی تھی۔

بیٹھتے ہی حسینہ کے دل میں تلاطم جذبات شروع ہو گیا اور جو راز اس کے خزانۂ دل میں سر بمہر رکھے ہوئے تھے ان کا جائزہ ہونے لگا۔ اس حالت میں بیٹھے ہوئے ابھی اس مہ جبیں کو صرف دس پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ اپنے قریب کسی کے پاؤں کی آہٹ سن کر چونکی، گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا کیا دیکھتی ہے کہ ایک کشیدہ قامت، پھیکے رنگ کا مصری اس کے پاس کھڑا ہے۔ سر پر سرخ ٹوپی اور جسم پر اعلیٰ درجہ کی وضع قطع کا سیاہ یورپین لباس ہے۔ اس کا سینہ کشادہ جسم ورزشی اور گول چہرہ ہے۔ خط صاف ہے۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، شب ماہ میں چمک رہی ہیں، بڑی بڑی سیاہ مونچھیں ہیں مردانہ خد و خال اور طرز و وضع میں بارعب ہے۔ مگر صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں مکر و فریب کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔

اجنبی۔ ''محترمہ! بندہ آداب بجا لاتا ہے۔''

یہ الفاظ اس شخص نے نہایت فصیح عربی زبان میں ادا کئے حسینہ چونکی اور گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''بطرس غالی بے، اچھا تو آپ یہاں تک میرے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔''

بطرس۔ ہاں! میری زندگی کے آفتاب تیرے پیچھے نہ پھروں تو کس کے پیچھے پھروں میں نے سنا تھا کہ آپ مصر تشریف لائی ہیں بس سنتے ہی میں فیوم سے نکلا اور شب و روز آپ کی تلاش کرتا ہوا یہاں تک پہنچا الحمدللہ کہ میری آنکھیں جلوۂ دیدار سے روشن ہو گئیں۔''

یہ کہتے ہی بطرس نے جوش محبت سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حسینہ کے برہنہ شانے پر رکھ دیا اس حرکت پر حسینہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے تیز نظروں سے بطرس کی طرف دیکھا۔ ہاتھ جھٹکا اور پیچھے ہٹ گئی۔ اور عربی زبان میں ڈانٹ پلائی۔

حسینہ۔ ''خبردار جو مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی۔''

بطرس۔ ''اے میری غزال رعنا کب تک تم پر غصہ رہے گا۔ اس عاشق ناشاد کی جان پر کب تک ستم رہے گا۔ ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ کہ بات کرنے کی بھی روادار نہیں ہو۔ ہر بات کی کوئی حد ہوتی ہے۔ اچھا گھبراؤ نہیں۔ تم کو بہت جلد عقل آ جائے گی۔''

حسینہ۔ ''میں تنہا رہنا چاہتی ہوں، اپنی مرضی کی خود مالک ہوں۔''

بطرس۔ ''لیکن یہ تو بتاؤ کہ میں تمہاری نظروں میں اس قدر حقیر کیوں ہوں، تم مجھ سے کبھی سیدھے منہ بات نہیں کرتیں۔ (بگڑ کر) کیا تم پر سوائے میرے کسی اور کا دعویٰ ہو سکتا ہے؟ کیا تمہاری آئندہ زندگی میری زندگی سے وابستہ نہیں رہ سکتی؟''

حسینہ۔ ''نہیں، ہرگز نہیں، آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں یہاں آپ کی صورت ایک منٹ کے لئے دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ تم ایک زہریلے سانپ ہو۔ تم کاٹنے سے پہلے مسحور کر لیتے ہو۔ واللہ میں بھی کس قدر بیوقوف ہوں۔ میں نے بھی جو کچھ کیا وہ اندھا بن کر کیا۔ لیکن اب خدا کا شکر ہے۔ میری آنکھیں کھل گئی ہیں خدا نے اپنے حبیب کے صدقہ سے مجھ کو عقل دیدی ہے۔ جاؤ فوراً یہاں سے نکل جاؤ اور اپنی منحوس صورت آئندہ مجھے نہ دکھلانا۔ اب آپ یہاں بھی چونچلے دکھانے آئے ہیں۔ جاؤ اور خدارا، لوگوں کی نظروں میں مجھ کو ذلیل نہ کرو۔''

بطرس۔ ''کیوں جاؤں؟''

ریحانہ۔ ''جاؤ، جاؤ، فوراً جاؤ۔''

بطرس۔ ''آخر یہ نظریں کب تک بیگانہ رہیں گی۔ اور ہاں مجھے تمہارا نام بھی یاد ہے، تمہارا نام ریحانہ ہے۔''

حسینہ۔ ''ہمیشہ......''

بطرس۔ ''نتیجہ بھی جانتی ہو کیا ہوگا۔ دیکھو مجھے نہ ستاؤ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ ورنہ......''

ریحانہ۔ ''بس بس میں سب کچھ جانتی ہوں جو کچھ تم سے ہو سکے کر گزرو خدا اور اس کا رسولؐ میری حفاظت کریں گے۔ ان اللہ مع الصابرین ط''

اس وقت جو کچھ بھی گفتگو حسینہ نے کی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور غالباً عربی نژاد ہے کیونکہ جو فصیح عربی وہ اس وقت بول رہی تھی وہ عربوں کے سوا اور کوئی نہیں بول سکتا تھا۔ لیکن اس کی تمام طرز معاشرت یورپین تھی اور وہ وضع قطع اور لباس وغیرہ سے بالکل انگریز معلوم ہوتی تھی۔

بطرس۔ ''یاد رہے بہت پچھتاؤ گی اور چند روز نہ گزرنے پائیں گے کہ میرے آگے ہاتھ جوڑتی نظر آؤ گی۔''

ریحانہ۔ ''دیکھا جائے گا بطرس کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ آخری الفاظ جو میرے والد ماجد نے بستر مرگ پر فرمائے تھے وہ میں ظاہر کروں لیکن قسم ہے حبیب خدا کی، میں زبان نہ کھولوں گی۔ (ہاتھ ڈال کر سینہ کے اندر سے چھوٹا پستول نکالا) میں اپنا راز دل میں رکھوں گی۔ وہ ایسا راز ہے جو میں تم کو بھی نہ بتاؤں گی جاؤ تم پر شیطان کا اور مجھ پر رحمٰن کا سایہ رہے۔

عین اس وقت گلاب کے گنجان تختہ میں جو قریب ہی تھا۔ سرسراہٹ معلوم ہوئی لیکن چونکہ اس وقت ریحانہ کو غصہ آ رہا تھا اس لئے اس کی نظر نہ پڑی۔

دنیا میں بہت سی بالکل خفیف باتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر انسان توجہ نہیں کرتا لیکن انہیں باتوں کے وقوع پذیر ہونے سے انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔ اگر اس وقت گلاب کے تختے کی نقل وحرکت ریحانہ کو نظر پڑ گئی ہوتی تو وہ واقعات ہی بدل جاتے۔ لیکن جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

جب مس مارجوری کولیرا اپنے کمرہ میں آئینہ کے سامنے شال اتار کر کھڑی ہوئی تو اپنی حالت دیکھتے ہی اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ ریشمی چکن کا جو گون وہ پہنے ہوئے تھی اس کی دھجیاں اڑ گئی تھیں۔ داہنی آستین غائب تھی۔ گلے اور گریبان کی دھجیاں لٹک رہی تھیں۔ اس کے سر کے بال پریشان تھے اور اس کی کلائیوں پر کسی کے سخت گرفت کے نیلگوں نشان پڑے ہوئے تھے

اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس کو پکڑا اور جبراً اٹھا لے جانا چاہا تھا جس سے بہت کچھ ہاتھا پائی ہونے کے بعد وہ چھوٹ نہ سکی اس کا چہرہ اترا ہوا اور زرد تھا اور وہ اس وقت وہ ریحانہ یا مارجوری کولیر نظر نہیں آتی تھی۔ جو اس سے کچھ دیر قبل تھی۔

ریحانہ۔ (خود بخود) ''مردود! حیوان! اف کیا حالت ہوگئی ہے۔ میں اپنی صورت آپ نہیں پہچان سکتی پھر دوسرا کیونکر پہچانے گا۔ اف یہ حالت برداشت نہیں ہوسکتی۔ کاش میں مصر واپس نہ آتی یہاں آنا جان دینا ہے۔ اگر لوگوں نے مجھے دیکھ کر شبہ کیا۔ اگر..........''

لفظ اس کے حلق میں اٹک گئے اور وہ خاموش ہوگئی۔ سینہ کے اندر سے اس نے چھوٹا پستول نکالا اور میز کی دراز میں رکھ دیا۔ کمرے کے دروازے دریائے نیل کی طرف کھلے ہوئے تھے۔ چودہویں رات کا چاند نور پاشی کررہا تھا۔ دریا کی خاموش سطح آئینہ کی طرح چمک رہی تھی اور چاروں طرف کا میدان چاندنی کی وجہ سے ایک لہراتا ہوا دریا نظر آرہا تھا۔ ہوٹل کے بڑے ہال میں محفل رقص وسرور جمی ہوئی تھی اور ہوٹل کے سازندوں نے جو دلفریب نغمہ چھیڑ رکھا تھا اس کی سریلی آواز مارجوری کے کان میں آرہی تھی۔ دفعتاً اس کا خیال بدلا اور اس نے جلدی سے اپنا پھٹا ہوا لباس اتار پھینکا۔ ٹھنڈے پانی سے منہ دھویا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے بال سنوارے۔ اسی اثناء میں دروازہ پر ایک دھیمی سی کھٹ کی آواز سنائی دی۔ اور ایک خوب صورت جوان خادمہ کمرے میں داخل ہوئی۔

''مارجوری۔''

''اوہو ماریہ۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم کہیں باہر گئی ہو۔ اچھا تو فوراً نکالو۔ میں وہ نیا گلابی جوڑا پہنوں گی۔ میرا ارادہ محفل رقص وسرور میں جانے کا ہے۔''

ماریہ۔ ''بہت اچھا۔''

یہ کہتے ہی خادمہ نے وہ چکن کا پھٹا ہوا لباس فرش سے اٹھایا اور اس کی دھجیاں اڑی ہوئی دیکھ کر گھبرائی۔

ماریہ۔ ''ہائیں۔ یہ کیا ہوا؟ اس نئے جوڑے کا یہ حال۔''

مارجوری۔ ''ہاں میں جانتی ہوں۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ جھٹ پٹ دوسرا لباس نکالو۔''

اب پہلی مرتبہ ماریہ نے ریحانہ یا مارجوری کی طرف کسی قدر غور سے دیکھا اور دیکھتے ہی حیران رہ گئی۔

ماریہ۔ ''بیگم صاحبہ کیا بات ہے؟ کیا نصیب دشمنان کچھ طبیعت ناساز ہے۔ ہائیں آپ بالکل زرد ہوگئی ہیں اور دیکھئے سارا جسم کانپ رہا ہے۔''

مارجوری۔ ''کیا واقعی؟ مجھے نہیں معلوم میں تو ذرا باغ میں کھیلتی کودتی پھر رہی تھی۔ گلاب کے پودوں میں الجھ کر یہ جوڑا پھٹ گئی۔''

ماریہ۔ ''میں آج سہ پہر کو مسز قیطون کی خادمہ کے ساتھ چہل قدمی کے لئے نکل گئی تھی۔ کہنے لگی۔ ''اس کی مالکہ کا ایک خوب صورت محل ڈیون شائر میں ہے اور ایشیرٹن سے بھی کچھ دور نہیں ہے۔''

مارجوری۔ ''کیا یہ لوگ اشیرٹن کے قریب رہتے ہیں۔ اور وہ میجر اور مسز فرمیفل کو بھی جانتے ہیں۔''

یہ خبر سنتے ہی مارجوری ششدر رہ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل پر کچھ صدمہ گزرا ہے لیکن اس نے اپنے دلی جذبات ظاہر نہ ہونے دیئے۔

ماریہ۔ ''میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ہم انگلستان جا کر مسز قیطون کے ساتھ رہیں گے آپ کو تو یاد ہوگا کہ پچھلے سال بھی آپ نے گرمی کے ایام ڈارٹمور میں گزارے تھے۔''

مارجوری۔ ''ہاں ماریہ! اچھا اب تم اس خادمہ کے ساتھ خوب گھوما کرو اور ان لوگوں کے متعلق جو کچھ ہوسکے۔ وہ معلوم کرو۔ اس قسم کی معلومات میرے لئے بہت مفید ثابت ہوں گی۔ کیونکہ ہم بھی ایک دوسرے سے قطعی ناواقف ہیں۔''

ماریہ۔ ''بہت اچھا۔''

دوسرا لباس پہننے کے بعد مارجوری نے رقص کے لئے ہلکے ریشمی سلیپر پہنے۔ اور ماریہ سے بولی۔

''اچھا اب تم میرے انتظار میں نہ بیٹھی رہنا۔ کیونکہ ممکن ہے مجھے دیر ہوجائے۔''

یہ کہتے ہی وہ کمرے سے باہر نکلی اور جلدی جلدی قدم بڑھاتی ہوئی کمرۂ رقص میں داخل

ہوگئی۔اس کے پہنچتے ہی مسز قیطون بھی آملیں جو پہلے سے وہاں موجود تھیں۔

مسز قیطون۔(شفقت سے)''آپ کہاں تھیں۔شام سے صورت ہی نہیں دکھائی دی۔
کیا کہیں چھپی بیٹھی تھیں۔''

مارجوری۔''جی ہاں کچھ تھکن سی محسوس ہوتی تھی۔اس لئے میں اپنے کمرہ ہی میں آرام کرتی رہی۔اب محفلِ رقص کا خیال آیا تو دل بہلانے چلی آئی۔

مالکہ کے جانے کے بعد ماریہ نے پھٹے ہوئے لباس کا معائنہ شروع کیا اس کا حال برا تھا۔ایک آستین غائب تھی۔گریبان پرزے پرزے تھا اور دامن کی دھجیاں اڑ رہی تھیں۔

ماریہ (خود بخود) یہ جوڑا کھیل کود میں نہیں پھٹا۔ہرگز نہیں پھٹا۔یہ تو کسی سے ہاتھا پائی ہوئی ہے۔نہ معلوم کون ہوگا۔لگتا ہے ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔گلاب کے کانٹوں میں الجھ کر کپڑے کہیں اس طرح پھٹتے ہیں ابھی دس روز ہوئے۔پیرس سے یہ جوڑا آیا تھا اور ہائیں یہ کیا؟

اس وقت ماریہ کو آستین کے قریب خون کا دھبہ نظر آیا جسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔خون کا وہ دھبہ بائیں سینہ کے قریب تھا۔ماریہ نے اور زیادہ الٹ پلٹ کر دیکھا اور عین اس جگہ جہاں خون تھا اس کو ایک سوراخ نظر آیا۔جو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسی تیز نوکدار چیز سے کٹا ہوا ہو۔یعنی چھری یا خنجر سے،خون کے داغ اور موجود سوراخ کو دیکھ کر ماریہ سخت پریشان ہوئی۔

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

ماریہ۔''بے شک ضرور کچھ گڑبڑ ہوئی ہے۔مستانی ہوگئی ہیں۔ادھر ادھر ناچتی پھرتی ہیں۔اپنی جان تک کا خیال نہیں کسی نے ضرور خنجر سے حملہ کیا ہے۔نہ معلوم یہ کیا کر کے رہیں گی۔ان کی تمام باتیں عجیب پراسرار ہیں ابھی ابھی یورپ کا سفر کر کے مصر آئی تھیں اور اب پھر انگلستان چلی ہیں ضرور کوئی بات ہے ایک مرتبہ تو ڈیون شائر میں جان پر بن چکی تھی۔اب پھر کچھ ہونے والا ہے۔''

محفل رقص وسرور گرم تھی۔خوب چہل پہل ہو رہی تھی اور تقریباً تمام نوجوان کی للچائی ہوئی نظریں مارجوری پر پڑ رہی تھیں۔اگرچہ محفل میں اور بھی خوبصورت حسینائیں تھیں۔

کوئی مہ جبیں اس محفل میں ایسی نہ تھی جو زیور اور جواہرات میں لدی ہوئی نہ ہو۔یاقوت،

الماس،مروارید،نیلم،پکھراج،زمرد،جگمگا رہے تھے۔لیکن مارجوری کی سادگی پر ہزار جان قربان ہو رہے تھے۔اس کے گلے میں صرف وہی ایک ہلکی سی طلائی زنجیر تھی جس میں فرعون کی مہر کا آویزہ لٹکا ہوا تھا یہ وہی فرعون تھا جس کی حنوط شدہ لاش قاہرہ کے عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ہے۔

ہوٹل کے آنے جانے والے اس حسینہ کی نسبت صرف اس قدر جانتے تھے کہ وہ ایک خوب صورت لڑکی ہے جس کا نام مارجوری کولیر ہے اور وہ اپنی خادمہ کے ساتھ تمام یورپ کی سیر کرتی پھرتی ہے۔اور مسز قیطون سے اس کی شناسائی یا دوستی ہے۔لوگ اس کے لباس کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔لیکن یہ خبر کسی کو نہ تھی کہ اس گلابی جوڑے کے نیچے بائیں سینہ کے قریب ایک زخم بھی موجود ہے۔کسی مردود نے اس حسینہ کی جان لینے کے لئے خنجر سے حملہ کیا تھا۔

محفل برخاست ہونے کے بعد جب مارجوری اپنے کمرہ میں واپس آئی تو اس نے اپنا لباس اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔زخم جو کافی گہرا تھا۔اس سے خون رس رہا تھا۔جس پر اس نے روئی کا پھایا رکھ کر پٹی باندھ دی تھی لیکن زخم میں خلش تھی۔جو اس کو رہ رہ کر تکلیف دیتی تھی کبھی کبھی وہ درد روکنے کے لئے زخم کو ہتھیلی سے دبا لیتی تھی کبھی لیٹتی اور کبھی اٹھ بیٹھتی لیکن منہ سے ایک لفظ نہیں نکلتا تھا اس کا راز اس کے سینہ میں تھا۔اسی طرح اس کے سینہ میں ایک دوسرا راز بھی مقفل تھا۔اور یہ وہ راز ہیں جن کو خدا اور مارجوری کے سوا کوئی دوسرا نہ جانتا ہے نہ جان سکتا ہے۔

☆......☆......☆

ہم اس سے پیشتر عرض کر چکے ہیں کہ مصر میں لوگوں کا ایک خاص طبقہ ہے جو سیاہ رنگ کی عبائیں بڑی ٹوپیاں اور سرخ نری کی نعلیں پہنے ہوتے ہیں اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی،فرانسیسی،اطالوی،وغیرہ یورپین زبانیں بولتے ہیں۔یہ لوگ ترجمان یا گائڈ کہلاتے ہیں اور ان کا پیشہ یہ ہوتا ہے کہ غیر ملکی سیاحوں کو مصر کے مشہور مقامات اور آثار قدیمہ کی سیر کراتے ہیں۔یہ لوگ اکثر دیانت دار نہیں ہوتے اور جس طرح ہوتا ہے۔سیاحوں کو خوب لوٹتے ہیں۔انہیں لوگوں میں ایک دراز قد سیاہ فام زنگی بھی تھا جس کو عام طور پر''حسان ابن الملک'' کہا کرتے تھے اس کی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی۔

جس وقت قاہرہ سے کوئی دو عرشہ مسافر جہاز آ کر دریا کے کنارے پر لنگر انداز ہوتا تھا اور

امریکن، انگریز، فرانسیسی ودیگر سیاح وغیرہ خشکی پر اترتے تھے۔ تو حسان ان کے پاس جاکر انہیں لوگوں کی ٹوٹی پھوٹی زبان میں گفتگو اور رہنمائی کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا تھا۔

یہ شخص بڑا خوش مزاج، اور صاف ستھرا رہتا تھا اور بلحاظ وضع قطع اور خوش لباسی اپنی قوم میں ممتاز نظر آتا تھا اور ترجمانوں سے یہ شخص انگریزی بھی اچھی بول لیتا تھا۔ اس کا اصلی نام تو ''حسان بن عوف'' تھا لیکن چونکہ اس کی انگریزی سب ترجمانوں سے بہتر تھی اس لئے تمام حمار لڑکوں (گدھے والے) اور ترجمانوں نے اس کا نام ''ابن الملک'' رکھ دیا تھا۔ اس نام سے مطلب یہ تھا کہ حسان مشہور ومعروف جہاز راں کمپنی ''طامس کک اینڈ سن'' کا بیٹا ہے۔ دریائے نیل میں تمام جہاز اس کمپنی کے چلتے ہیں۔ اس لئے ملاحوں، ترجمانوں، مزدوروں، ہوٹل والوں کی نظروں میں طامس کک بہت بڑی چیز ہیں۔

الاقصر میں ہر شخص خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی ہمارے زنگی دوست کو جانتا اور اس کی عزت کرتا تھا، کیونکہ وہ معاملہ کا نہایت سچا، اور نیک تھا۔ دھوکا دے کر لوگوں کو لوٹنا وہ اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔ قدیم زمانہ کے جو نوادرات وہ فروخت کرتا تھا وہ ہمیشہ اصلی ہوتے تھے اس کی بخشش کا تقاضا بھی تکلیف دہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور جتنے ترجمان تھے ان کو فطرت کی سرکار سے جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے کا لائسنس ملا ہوا تھا۔

اب تک حسان نے ہزاروں سیاحوں کو شہر کی گلیوں کی سیر کرائی تھی۔ ہزاروں کو ''ہیکل ہامان'' پر رکھے ہوئے صوری کتبے سمجھائے تھے اور ہزاروں کو الاقصر کے بڑے مندر میں لے گیا تھا، اس کے پاس بڑے بڑے معزز سیاحوں کے عطا کردہ بہت سے سرٹیفکیٹ تھے۔ جو وہ نہایت احتیاط سے اپنے گھر میں مقفل رکھتا تھا اور محض بوقت ضرورت لوگوں کو دکھاتا تھا۔

حسان کا مکان الاقصر کے ایک کوچہ میں تھا۔ اس کے صاف ستھرے کمرے میں یورپین قسم کا تھوڑا سا فرنیچر سجا ہوا تھا۔ الماریوں میں قدیم مصری نوادرات رکھے ہوئے تھے۔ پرانی قبروں سے نکلی ہوئی سنگ یشب کی تصویریں، پرانے موتی، تسبیحیں وغیرہ جو وہ فروخت کیا کرتا تھا۔ شامل تھیں۔ کمرہ اگرچہ تنگ تھا لیکن سلیقہ سے سجایا گیا تھا۔ ایک گوشہ میں پلنگ بچھا تھا جس پر صاف ستھرا بستر تھا۔ ادھر ادھر دو چار کرسیاں اور دو میزیں بھی تھیں۔ ایک گوشہ میں میز کے

قریب ایک کرسی بچھی ہوئی تھی۔ اگلے روز مس مارجوری کو لیر اسی کرسی پر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ خود حسان نیچے فرش پر ادب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت دن کے تقریباً گیارہ بجے ہوں گے۔

کمرہ کے دروازہ کے قریب ایک کونہ میں ایک سیاہ فام پیکر انسانی سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں لپٹا ہوا ڈھیر کی طرح پڑا ہوا بالکل بت کی طرح بے حس وحرکت تھا۔ یہ حسان کی زنگی بیوی تھی۔ جس کو وہ کلابشہ سے بیاہ کر لایا تھا۔

کمرہ کا فرش سنگین تھا اور وہاں سوائے اس مقام کے جہاں حسان کی بیوی لیٹی تھی ایک کمبل کے سوائے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک طاق میں دیوتاؤں کی چند برنجی مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جو حسان نے حال ہی میں خریدی تھیں۔ جہاں بعض فلاحین (مصری کسان) کھنڈر کی مٹی کھود کھاد کر اپنے کھیتوں میں ڈال رہے تھے تو یہ قدیم مورتیاں زمین سے برآمد ہوئی تھیں۔

مارجوری یہاں پرانی چیزیں خریدنے نہیں آئی تھی۔ بلکہ جس ادب واحترام کے ساتھ اس سے حسان پیش آرہا تھا وہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو عرصہ دراز سے جانتے ہیں اور واقعی ان کی شناسائی بہت پرانی تھی۔ حسان نے اسے گود کھلایا تھا اور وہ اس کو ''مس مارجی'' کہہ کر پکارا کرتا تھا مارجوری کسی قدر گھبرائی ہوئی نظر سے حسان کی بیوی کی طرف دیکھتی تھی لیکن حسان اس کی نظروں سے سمجھ گیا اور بولا۔

''بیٹی تم گھبراؤ نہیں۔ یہ انگریزی نہیں جانتی۔''

مارجوری۔ ''حسان! مجھے تمہاری مدد کی سخت ضرورت ہے۔ آج کل میں سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ للہ میری مدد کرو۔''

حسان۔ ''غالباً اسی بطرس غالی بے کی مصیبت ہوگی۔ میں نے بھی کل صبح اس کو جہاز سے اترتے دیکھا تھا مگر اس نے مجھ کو پہچانا نہیں تھا۔ وہ کچھ اچھا آدمی نہیں ہے۔ خدا اس کو جہنم نصیب کرے نہایت بدمعاش شخص ہے۔''

مارجوری۔ ''تم تو اسے عرصہ سے جانتے ہو۔ ذرا مجھ سے اس کا کچھ حال تو بیان کرو۔''

حسان۔ ''میں اس کی نسبت بھلائی کی کوئی بات نہیں جانتا۔ خدا اس کو دوزخ نصیب کرے۔ تمہارے والد ماجد نے، خدا ان کو بخشے، اس شخص کو اس وقت سے نوکر رکھا تھا۔ جب یہ

بہت چھوٹا تھا۔اس زمانہ میں السیوط والا آبپاشی کا کام جاری تھا۔یہ لڑکا اتنا ہونہار نکلا کہ اس نے تمہارے والد کو بہت بڑی دولت کما لینے میں مدد دی۔افسوس لوگ مال و دولت ہی کو دنیا میں سب کچھ بلکہ دوسرا خدا سمجھتے ہیں۔لیکن اصل یہ ہے کہ حقیقی مسرت و شادمانی دولت سے ہرگز حاصل نہیں ہوتی جس وقت دولت جمع کی جاتی ہے تو انسان کو کس قدر تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اور جب وہ ضائع ہو جاتی ہے تو کس قدر صدمہ ہوتا ہے۔علاوہ ازیں دولت مند کے دشمن دوستوں سے زیادہ ہو جاتے ہیں۔میں نے بھی اس بطرس غالی بے کی ماتحتی میں کام کیا ہے۔''

مارجوری۔''یہ تو بڑا سخت کام لینے والا آدمی ہوگا۔''

حسان۔''کچھ نہ پوچھو۔اس نے لوگوں کو غلام بنا رکھا تھا۔یہی وجہ تھی کہ جب تمہارے والد کا انتقال ہو گیا تو میں نے بھی کام چھوڑ دیا۔مس مارجی اس شخص کا کبھی اعتبار نہ کرنا۔وہ نہایت مطلب پرست طبیعت کا آدمی ہے اور اس کی نیت بہت خراب ہے تمہارے والد نے خدا ان کو بخشے،اس کا اعتبار کیا اور اسی وجہ سے نصف دولت کا مالک یہ شخص خود بن بیٹھا۔

مارجوری۔''کیا اس نے میرے والد کی دولت چرالی تھی؟''

حسان۔''ہاں یہ آپ کا غلام خوب جانتا ہے۔''

مارجوری۔''اور پھر اس عجیب و غریب طریقے سے میرے والد نے اپنا مال و دولت کیوں تقسیم کیا؟''

حسان۔''مالک سیدھے اور شریف آدمی تھے۔وہ اس کی دغابازیوں سے واقف نہ تھے۔جس طرح وہ وصیت کر گئے ہیں اسی میں انہوں نے اپنی بیٹی مارجوری کی بھلائی خیال کی تھی۔''

مارجوری۔''کل رات ہوٹل کے پائیں باغ میں مجھ سے بطرس غالی کی ملاقات ہوئی تھی اور......اور۔''

حسان۔''خدا اس کو غارت کرے وہ وہاں کسی نیک ارادہ سے ہرگز نہ گیا ہوگا۔''

مارجوری۔''یہ خیال تمہارا بالکل درست ہے۔''

اس کے بعد مارجوری نے کچھ کہنا چاہا۔لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔حسان نے اس کی حالت کو دیکھا۔چونکہ جہاندیدہ آدمی تھا سمجھ گیا اور کہا۔

حسان۔''جو شخص مس مارجی کا دشمن ہوگا وہ حسان کا بھی دشمن ہوگا۔خداوند تعالیٰ تم کو ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔بطرس غالی بے تم کو چاہتا ہے اور آج سے نہیں بلکہ جب تم بچی تھیں اس وقت سے اسے چاہت ہے۔لیکن اس کا اور تمہارا کیا میل۔ریشم میں ٹاٹ کا پیوند کیسا۔تم انگریز ہو وہ قبطی۔تم پری ہو وہ دیو۔تم حور ہو وہ شیطان۔خدا کی لعنت اس پر۔''

مارجوری۔''حسان!تم نے مجھ پر ہمیشہ شفقت کی ہے۔کیا تم اب بھی میری مدد کرو گے۔''

حسان۔''خدائے وحدہٗ لاشریک گواہ ہے کہ جس طرح میں نے تمہارے والد ماجد کی خدمت کی تھی اسی طرح میں تمہاری خدمت کروں گا۔خدا شاہد ہے میں تمہارا تابعدار تمہارا غلام ہوں۔میری جان تک تم پر قربان،خواہ تم مصر میں رہو یا کہیں سات سمندر پار۔''

مارجوری۔''اگر مجھ پر کوئی ایسی مصیبت نازل ہونے والی ہو جس پر میں موت کو ترجیح دینا اچھا سمجھوں تو کیا تم مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ گے؟''

حسان۔''بیٹی!حسان نے تمہارے والد کا نمک کھایا ہے وہ تم پر اپنی جان قربان کر دے گا۔''

مارجوری۔''بلا پس و پیش!بغیر حیلہ و حجت!کسی بات کا خوف تو نہ ہوگا۔''

حسان۔''ہاں تمہاری خدمت کے لئے میری جان تک حاضر ہے۔''

مارجوری۔''اس چیز کی حفاظت کے لئے جو ایک شریف عورت کے نزدیک جان سے بھی زیادہ عزیز ہے یعنی اس کی عزت و آبرو اس کی عصمت۔''

حسان۔''ہاں میں خوب جانتا ہوں۔اس مردود بطرس غالی بے کے ہاتھوں تمہاری عصمت کے لالے پڑے ہیں۔لیکن یاد رہے میں بھی تمہارا پرانا خادم ہوں۔اس وقت سے ہوں جب اسیوط میں دریائے نیل کے کنارے تمہارے والد اس عظیم قصر ابیض میں رہا کرتے تھے۔میں تم پر اپنی جان نثار کر دوں گا۔''

مارجوری۔''میں جانتی ہوں۔میں تم کو بچپن سے جانتی ہوں۔تم میرے والد کے نہایت وفادار ملازم تھے اور یہی وجہ ہے کہ بطرس نے تم کو علیحدہ کر دیا۔اب سنو میں تم سے ایک سوال کرتی ہوں۔ذرا سوچ کر جواب دینا۔سنو اگر بالفرض محال میں بطرس غالی بے کی بیوی بن

جاؤں......"

یہ الفاظ سن کر وفادار زنگی گھبرایا اور حیرت سے کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔ "بطرس کی بیوی اور تم۔ یہ میرے کان کیا سن رہے ہیں۔ بیٹی مارجوری کیا خود کو جیتے جی دوزخ میں ڈالو گی۔ ارے اس وقت بھی اس کے عالیشان محل واقع دارالشمس میں تین بیویاں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں تم انگریز ہو۔ تم ایک مصری قبطی سے کیوں شادی کرو گی۔"

مارجوری۔ "اور بھی بہت سی انگریز عورتیں آخر ایسا کر چکی ہیں۔"

حسان۔ "خیر! کر چکی ہیں یا نہیں کر چکی ہیں لیکن تم ایسا ہرگز نہ کرنا۔"

مارجوری۔ "کیوں؟"

حسان۔ "اس لئے کہ پھر کوئی شریف انگریز خاتون کسی اور کی صورت دیکھنا پسند نہ کرے گی۔"

مارجوری۔ "یہ بات میں تسلیم کرتی ہوں۔ لیکن تم خود کہتے ہو کہ بطرس غالی بے مجھ کو چاہتا ہے۔"

حسان۔ "چاہتا ہے؟ لاحول ولاقوۃ؟ خیر وہ چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو لیکن تم اس مردود کو ہرگز نہ چاہو وہ نہایت کمینہ آدمی ہے۔ ابھی کوئی سال بھر کا زمانہ ہوا کہ اس نے شہر امینہ کی ایک خوب صورت لڑکی سے شادی کی تھی۔ ایک روز اس کو اپنی تفریحی کشتی میں قاہرہ سے اسنہ کی طرف لے کر چلا اور وہ لڑکی رات کے وقت غائب ہو گئی۔ ایک ملاح کا بیان ہے کہ اس نے بطرس غالی بے کو اس لڑکی کو دریا میں پھینکتے دیکھا۔ ایک ہفتہ بعد اس خوب صورت لڑکی کی لاش دریا سے برآمد ہوئی۔ بطرس غالی بے ایک امیر وکبیر آدمی ہے اس لئے کسی کے کان پر جون تک نہ رینگی۔"

مارجوری۔ "تم کو یہ سب کچھ کس سے معلوم ہوا؟"

حسان۔ "محمد عباس ملاح سے۔ وہ اگست کے مہینہ میں الاقصر آیا تھا اسی نے مجھ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ خود کشتی میں موجود تھا۔ بلکہ وہ تو اس لڑکی کو بچانے کے لئے خود دریا میں کودنے والا تھا لیکن بطرس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔"

مارجوری۔ "اس نے پولیس کو کیوں نہ اطلاع دی۔"

حسان۔ "دی تھی لیکن، پولیس میں بھی بطرس کا طوطی بولتا ہے اس نے سمجھا دیا کہ وہ لڑکی اتفاق سے دریا میں گر کر ڈوب گئی تھی اور پولیس کی مٹھی گرم کر دی۔ چلو بات گئی آئی ہوئی۔"

مارجوری۔ "خیر میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر میں بطرس سے شادی کر لوں۔"

حسان۔ "ہرگز نہیں اگر تم کو اپنی جان پیاری ہے تو ایسا ہرگز نہ کرنا۔"

مارجوری۔ "یہ میں خوب جانتی ہوں لیکن اگر میں مجبور کی جاؤں۔"

حسان۔ "مجبور۔ مجبور کون کر سکتا ہے؟"

مارجوری۔ "مجبور تو کوئی نہیں کر سکتا لیکن اس میں میرا ہی فائدہ ہے اور یہ بات سچ ہے کہ میں بطرس کی بیوی بننے پر مجبور کی جا سکتی ہوں بلکہ مجھ کو ایسا کرنے کا حکم ہے۔"

حسان۔ "کیوں اور کس کا؟"

مارجوری۔ "تم نہیں جانتے اور نہ تم سمجھ سکتے ہو لیکن میں تم کو اس قدر بتائے دیتی ہوں کہ واقعات کچھ ایسے ہی آپڑے ہیں۔ مجبوراً یہ جام تلخ پینا پڑے گا۔"

حسان۔ "کیا تم اس سے نفرت کرتی ہو۔"

"بیشک! کل ہی رات......" الفاظ حلق میں اٹک گئے اور مارجوری خاموش ہو گئی۔

حسان۔ (غضبناک ہو کر اور گھونسہ تان کر) "تو قسم ہے خدا اور اس کے رسولؐ کی تم اس کی بیوی نہ بنو گی۔"

مارجوری۔ "مجھ کو ایسا کرنا پڑے گا۔"

حسان۔ "ہرگز نہیں کرنا پڑے گا۔ تم دونوں کی قوم میں فرق ہے۔"

مارجوری۔ "حسان! تم نہیں جانتے۔ میرے لئے ایسا کرنا لازمی ہے۔ اور یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو گی۔"

حسان۔ "جب تم اس سے نفرت کرتی ہو تو شادی کیوں کئے لیتی ہو۔"

مارجوری۔ "محض اسی وجہ سے کہ مجھے کرنا پڑے گا۔"

اور پھر حسان نے کہا۔ "جب تک میں زندہ ہوں ایسا ہرگز نہ کرنے دوں گا۔ بس میں کہہ

چکا۔ تقدیر کا پانسہ پڑ چکا۔ خدا شاہد ہے جو تمہارا دشمن ہوگا وہ میرا بھی دشمن ہوگا۔''

☆......☆......☆

اسی روز سہ پہر کو مارجوری کو لیر سر ہنری و مسز قیطون گاڑی میں تینوں سوار ہو کر الاقصر کی دیسی بستی میں سے گزرے اور اس کے کچے مکانات، اونچے اونچے کھجوروں کے درخت، تنگ گلیوں اور مختلف مناظر کو دیکھتے ہوئے اس راستہ پر نکلے جو ''علف'' گھانس کے کھیتوں میں سے گزرتا ہوا قرناق پہنچتا ہے۔ قصبہ سے باہر نکلتے ہی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر قبطیوں کا ایک قبرستان ہے جس میں چند قبریں انگریزوں کی بھی ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر داہنے ہاتھ کی طرف ایک اونچا تودہ ہے جس پر ایک پرانے اولیاء حضرت شیخ ابو جود رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ ہے اور یہاں سے آگے کسی قدر جنوب کی طرف ٹوٹے پھوٹے ستون پڑے ہیں اور ایک پرانی بوسیدہ دیوار کھڑی ہے اس سے آگے بڑھ کر کہیں کہیں شارع سفنکیس کے آثار نظر آتے ہیں یہ شارع یا سڑک تقریباً ایک میل لمبی تھی اور اس پر ''سفنکیس'' کی تصویریں برابر برابر چلی گئی تھیں۔ جن میں اب بھی بعض بعض موجود ہیں۔ یہ چیز جس کو سفنکیس کہتے ہیں ایک عجیب الخلقت جانور کا مجسمہ ہے جس کا سر انسان جیسا اور جسم شیر جیسا ہوتا ہے۔ ہر سفنکیس کے اگلے پاؤں کے درمیان ''آمین حاطب سوم'' فرعون مصر کا بت ہے۔ غالباً یہ سڑک اسی بادشاہ نے بنوائی ہوگی۔ (آمین حاطب سوم فرعون مصر حضرت عیسیٰؑ سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے گزرا ہے۔ یہ شخص با اقبال فاتح تھا۔ اس نے سوڈان بھی فاتح کر لیا تھا اس کی بہت سی یادگاریں الاقصر اور قرناق میں پائی جاتی ہیں۔)

قریۂ کھضر سے آگے بڑھ کر یہ سڑک کسی قدر بائیں طرف کو مڑ جاتی ہے اور اس مقام سے جو سفنکیس درود یہ شروع ہوتے ہیں ان کے سر بجائے شیر کے مینڈھے کے ہیں اور یہاں سے اس کا نام ''شارع کریو سفنکیس'' ہوگیا ہے اس سڑک کے خاتمہ پر عظیم الشان ''باب بطلیموس ایجرطیس'' ہے۔ (بطلیموس ایجرطیس یونانی النسل بادشاہ مصر تھا جو ۲۴۷ ق م گزرا ہے۔ اقبال مند اور فاتح بادشاہ تھا اس نے خاندان سلوکس کے ممالک فتح کر کے اپنی سلطنت میں داخل کر لیے تمام ایشیائے کوچک اس کے قبضے تھا۔ اس کے زمانہ میں مصر عروج پر تھا۔ دربار علماء و فضلا سے

بھرا ہوا تھا۔)

یہ ایک پھاٹک یا بڑا دروازہ ہے جس کے دونوں طرف بلند رخ بنے ہوئے ہیں۔ اس کے در و دیوار نیچے سے اوپر تک صوری نقش و نگار سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اس دروازہ میں داخل ہوتے ہی ایک اور شارع سفنکیس شروع ہو جاتی ہے جو اس عظیم الشان ''ہیکل ہامان'' کے دروازہ پر جا کر ختم ہوتی ہے جس کو ''رعمس ثالث'' فرعون مصر نے تعمیر کرانا شروع کیا تھا لیکن تکمیل ''رعمس سیزدہم'' کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ (رعمس سو، یہ فرعون حضرت عیسیٰؑ سے بارہ سو برس پیشتر گزرا ہے۔ مصر کے سپاہی یا جنگجو بادشاہوں میں آخری بادشاہ تھا۔ اس نے بہت سی غیر قوموں کو فتح کر کے ان سے تجارتی تعلقات قائم کیے، خشکی اور تری کے راستے قائم کیے اس کے جہاز مال لے کر سواحِ بحر عرب کی بندرگاہوں میں آیا کرتے تھے۔ ہندوستان سے بھی تعلق تھا۔ مقام ''مدنیۃ الھبوٗ'' میں اس نے ایک عالیشان عمارت تعمیر کی تھی جس کی دیواروں پر اس کے کارنامے منقوش ہیں۔ اس کا مقبرہ وادی الملوک میں ہے جو بہت خوبصورت ہے)

یہ ہیکل یا مندر اب تک اسی طرح کھڑا ہوا ہے جیسا وہ آج سے چار ہزار برس پیشتر تھا۔ یہ عمارت واقعی عجائبات عالم میں ہے مندر کا معبود ''خداوند خونسو'' ہے درحقیقت آمین، آمون، ہامان، آہن رع، خونسو، سب ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ یہ نکلتے ہوئے آفتاب کا لقب ہے۔ جو قدیم مصریوں میں سب سے بڑا معبود سمجھا جاتا تھا۔ پارسیوں کے ''ہور'' اور ہنود کے ''سورج نارائن'' بھی غالباً یہی ہیں۔ اس عظیم الشان ہیکل کے جانب مغرب بائیں طرف ''ہا ثور ماتا'' کا چھوٹا سا مندر ہے جس کو بادشاہ ''ایجرطیس دوم'' نے تعمیر کرایا تھا۔ (یہ سرسبزی و فارغ البالی کی دیبی ہے۔ اس کے بت پر گائے کا سر ہوتا تھا۔ جس کے سینگوں کے درمیان قرص قمر دکھایا جاتا تھا واضح ہو کہ ہندوستان کی طرح قدیم مصری بھی زراعت پیشہ لوگ تھے اور چونکہ وہ بیلوں کے ذریعہ سے ہل چلایا کرتے تھے۔ اس لیے ان کے نزدیک گائے ایک نہایت عزیز چیز تھی جو نہ صرف دودھ گھی مہیا کرتی تھی بلکہ اس کے بچے بیل ہوتے تھے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ گائے کے سینگوں میں قرص قمر کا دکھانا بھی معنی خیز ہے کیونکہ اہل نجوم کے عقیدہ میں چاند کا تعلق پانی اور نباتات سے ہے اور پانی کی افراط اور نباتات کی نشو نما پر ہی زراعت کا دارو

مدار ہے۔ ہندوؤں میں گورماتا کی تعظیم وتکریم بھی غالباً مصریوں کی تقلید ہو۔ ایجرطیس دوم یونانی النسل شاہان مصر میں سے تھا۔ ۱۴۳ برس حضرت عیسیٰ سے قبل گزرا ہے۔ یہ شخص نہایت ظالم اور عیاش تھا۔ ۱۳۴ ق م میں اہل اسکندریہ نے علم بغاوت بلند کر کے اس کو تخت سے معزول کر دیا تھا اور اس کی جگہ اس کی بہن مشہور و معروف مصر کی حسین و شوقین مزاج ملکہ ''قلوپطرہ'' (کلیوپیٹرا) کو تخت نشین کر دیا تھا۔ اس کا تعمیر کردہ ایک نہایت خوبصورت مندر جزیرۂ البربیہ میں جس کو یونانی میں ''فلانی'' اور قبطی میں ''فلک'' کہتے ہیں موجود ہے)

درحقیقت یہ عظیم الشان عمارت بہت سے مندروں کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر مندر کسی ایک قدیم مصری دیوتا کے نام سے مختلف فراعنہ مصر نے تعمیر کرایا تھا۔ فراعنہ مصر سے لے کر بطالمۂ مصر تک جس قدر بھی بادشاہ اور حکمران ملکہ گزرے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ عظیم الشان مجموعہ معابد و منادر میں اضافہ کیا۔ چنانچہ بیت الشمس'' یا ہیکل ہامان کے علاوہ یہاں اوسی ریس، خونسو، ماتا، فتاح، تخمت وغیرہ کے مندر بھی ہیں اور سب اس قدر خوب صورت اور عظیم الشان ہیں کہ انسان دیکھ کر نقش حیرت بن جاتا ہے۔

(فراعنہ۔ جمع فرعون۔ یہ لقب قبطی النسل شاہان مصر کا تھا۔ بطالمہ۔ جمع بطلیموس۔ یہ لقب یونانی النسل شاہان مصر کا تھا۔ اوسی ریس، قدیم مصری دیو مالا میں اس دیوتا کا تعلق مُردوں سے تھا۔ یہ نور و حیات کا دیوتا اور ظلمت کی دیبی سیتؔ کا دشمن تھا۔ پارسی دیو مالا کے مطابق اس کو یزدان اور سیت کو اہرمن سمجھنا چاہیے۔ ہندوؤں کے دیو مالا میں اس کو پاتال کا راجہ جمراج اور اسلامی روایات میں دوزخ کا داروغہ ''مالک'' خیال کرنا چاہیے۔ مصریوں کے خیال میں جب وہ ملک عدم کو یا دوسری دنیا میں جاتا تھا تو اوسی ریس اس کا دل نکال کر میزان کے پلہ میں رکھتا تھا اور دوسرے میں آتؔ، صدق وصفا، زہد و اتقا کی دیبی بیٹھتی تھی۔ اس طرح ہر شخص کا اعمالنامہ تول کر جزا و سزا دی جاتی تھی۔ آئی سیس اس کی بیوی کا نام ہے۔ خونسو، اس کی نسبت ہم بہت کچھ کتاب کے متن میں لکھ چکے ہیں۔ یہ درحقیقت سورج دیوتا تھا۔ اس کے بت کا تمام پیکر انسانی لیکن سر عقاب کا ہوتا تھا جس پر ایک ہلال اور ہلال کے نصف دائرہ میں قرص خورشید اور قرص خورشید کے بالائی حصہ پر ایک افعی ہوتا تھا۔ جس کا سر سامنے کی طرف اور دم پشت کی جانب

ہوتی تھی۔ عقاب کا سر بنانے سے یہ حقیقت ظاہر کی جاتی تھی کہ جس طرح عقاب کی تیز اور باریک منقار اپنے شکار کو ادھیڑ دیتی ہے۔ آفتاب عالمتاب کی تیز شعاعیں ظلمت کو پارہ پارہ کر کے نور پاشی کرتی ہیں۔ ہلال کو قرص خورشید کے نیچے دکھانے میں یہ رمز پنہاں تھی کہ چاند اپنی روشنی کے لیے خورشید کا محتاج ہے اس طرح گویا دیگر دیوتاؤں پر فوقیت دی جاتی تھی۔ افعی کا تاج اس لیے دکھایا جاتا تھا کہ جس طرح ایک کالا ناگ انسان کو دم بھر میں ہلاک کر ڈالتا ہے اسی طرح خداوند خونسو کی ناراضی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ ماتا یامتؔ، دنیا بھر کی ماں دیبی جس کی حکومت تمام کائنات پر ہے اور جس سے تمام چیزیں پیدا ہوئیں ممکن ہے اس دیبی کا وہی رتبہ ہو جو ہندوؤں میں پاربتی جی کا ہے وہ بھی مہا دیو جی (یعنی باوا آدم) کی بیوی اور سب کی ماں ہیں۔ فتاح، علوم وفنون کا دیوتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک عجیب قسم کا عصا ہوتا ہے اس عصا میں تین قسم کی علامتیں دکھائی جاتی ہیں۔ ایک تات۔ پائیداری استواری۔ دوئم انخ بروزن، رنگ، بمعنی حیات، زندگی۔ سوم بوسیر بمعنی قوت، طاقت اس دیوتا کا سب سے بڑا مندر مقرانیہ یا قدیم ممفس میں ہے۔ تخمتؔ یہ جنگ کی دیبی ہے۔ ہندو دیو مالا میں جو صورت ''سنگھ اوتار'' کی ہے جس نے پرہلاد کی جان بچائی تھی۔ یہی صورت مصر میں اس دیبی کی تھی۔ فرق صرف مذکر اور مؤنث کا ہے۔)

مارجوری معہ اپنے ہمراہیوں کے قرناق پہنچی۔ اور شاہان قدیم کے عظیم الشان مجسموں کے پاس سے گزرتی ہوئی اس سر بفلک دروازہ سے گزری جو مصر کی صاحب جبروت ملکہ ماآت کارع نے جس کو قبطی زبان میں ''حاتسب سو'' بھی کہتے ہیں بنوایا تھا اور خراماں خراماں ''ہیکل ہامان'' میں پہنچی یہیں وہ ہال ہے جس کو ''ایوان الظفر'' اور ''قصر الخلد'' کہتے ہیں۔ دنیا میں کوئی ایوان اس سے زیادہ عظیم الشان، اس سے زیادہ حیرت انگیز اور اس سے زیادہ طبیعت پر اثر ڈالنے والا دوسرا نہیں ہے، اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اگر پیرس کے عظیم الشان گرجا ''ناٹرڈیم'' یا دہلی کی مشہور جامع مسجد کو اٹھا کر اس کے اندر رکھ دی جائے تو بھی گنجائش باقی رہ جائے گی۔ افسوس اس عجوبہ روزگار عمارت کے بہت سے سنگین ستون ٹوٹے پڑے ہیں اور بہت سے گرنے کو ہیں۔ بہت سی محرابیں اور چھت کے چوکے یا تو گر پڑے ہیں یا گرنے والے ہیں۔ پھر بھی بہ لحاظ عظمت و

قدامت مصر بھر میں اس سے زیادہ قابل دید کوئی جگہ نہیں ہے۔

اس عظیم الشان شکستہ عمارت میں قبر کی سی خاموشی طاری ہے اور دل پر احساس عبرت ہوتا ہے ذرا عالم تصور میں دیکھئے کہ مفتاح اول کے زمانہ سے اس متلون المزاج "یار بیوفا و باوفا" حسین اور شوقین مزاج ملکہ قلوپطرہ کے عہد تک جس نے قیصر روم اور انطونی کو انگلیوں پر نچایا تھا۔ جس نے بیوفائی کی اور پھر میدان وفا میں جان دی۔ اس عظیم الشان مندر کی کیا حالت ہوگی۔ کس طرح روز مرہ کے مندر کے پجاریوں، بھگتوں، راہبوں کاہنوں، پرستاروں اور داسیوں کی قطاریں ہاتھوں میں پوجا کا سامان لئے بھجن گاتی ہوئیں روز مرہ نکلتی ہوں گی اور کس طرح لاکھوں کروڑوں عقیدت مند بندے اپنے سب سے بڑے معبود آمین، آمن رع، ہامان، آمون، یا سورج نارائن کے آستانہ جلال و جبروت پر سر جھکاتے ہوں گے۔ یہ عمارتیں کس قدر مال و دولت اور ساز و سامان سے مالا مال ہوں گی اور یہاں کس قدر چہل پہل اور رونق رہتی ہوگی مگر اب ویرانی، اجاڑ خاموشی اور سکوت کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ سب انسان کے لیے لمحہ فکریہ اور عبرت ہے جو کہ اللہ سے ڈرتے نہیں اور دنیا کو ابدی فتح سمجھتے ہیں۔

یہ جماعت در و دیوار کو حیرت اور عبرت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور دیواروں پر جو قدیم بادشاہوں کے کتبے خط صوری میں تحریر تھے ان کو دیدۂ حقیقت میں پڑھ رہی تھیں۔ کہیں بزم عیش کی تصویر تھی، کہیں صف ماتم بچھی تھی۔ کہیں رزم میں بزم، کہیں سیر و شکار اور کہیں بادشاہوں کا ملک میں معہ اسیروں کے فاتحانہ جلوس دکھایا گیا تھا۔ ایک جگہ قلعہ قادیش کو ہلا کر کے فتح کرنے کی تصویر تھی۔ کہیں اہل لیبیا سے جنگ ہو رہی تھی۔ ایک جگہ بزم مصالحت منعقد تھی جہاں رعمسس دوم قوم حط کے بادشاہ سے صلح نامہ کر رہا تھا۔ ایک دیوار پر خداوند ہامان شاہ منفتاح اول کو "تیغ ظفر موج" عطا فرما رہا تھا۔ الغرض تصویریں کیا تھیں زمانہ قدیم کے کارناموں کا ایک اور "خاموش گویا" دفتر "یا شاہنامہ" تھا۔ آہ گردش زمانہ نے وہ اعلیٰ تہذیب و تمدن اور وہ علوم و فنون سب خاک میں ملا دیئے جو اس ترقی یافتہ زمانہ میں بھی کسی کو معلوم نہیں اور آج انہیں فراعنہ اور بطالمہ مصر کی ہڈیوں کی خاک کو کھود کھود کر مصر کے خلا میں بطور کھاد اپنے کھیتوں میں ڈال رہے ہیں۔

فراعنہ کی یادگاریں زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ "اے اہل زمانہ دیدۂ عبرت سے دیکھو۔ فرعونیت کا یہ حال ہوتا ہے۔ جو قومیں کل درندوں سے بدتر تھیں جو چوپاؤں کی طرح جنگل کے گھاس پات اور جڑیں کھا کر بسر کرتی تھیں۔ جن کے خواب میں بھی تہذیب و تمدن کا خیال نہ آیا آج وہی قومیں۔ ہاں وہی وحشی قومیں ان شاہان باعظمت و جبروت کی قبریں کھود رہی ہیں جنہوں نے مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں امریکہ تک اپنا تمدن پھیلا دیا تھا۔"

مارجوری اس عظیم الشان ایوان کے نقش و نگار کی سیر میں مصروف مسز قیطون کے ساتھ ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ وہ یہاں بیسیوں مرتبہ آ چکی تھی لیکن پھر بھی اس کا دل آثار قدیم کے مطالعہ سے سیر نہ ہوتا تھا۔ یہ وہی ایوان تھا جس میں کبھی رعمسس اعظم، تھوتمیس سوم، ملکہ حاتسب سو، منفتاح، شاشنق اول اور دہا دیگر شاہان مصر نے دربار کیے تھے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ ان پر جلال و جبروت فرعون کے دربار کس شان و شوکت کے ہوتے ہوں گے۔ ان کے جاہ و حشم، زرق برق پوشاکوں، زیورات و جواہرات اور دیگر گراں بہا سامان کی چمک دمک سے کس طرح لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہوں گی۔ (رعمسس اعظم، مصر کا زبردست اقبال مند اور کشور گیر فرعون جو ۱۳۵۵ برس قبل از مسیح گزرا ہے اس کا نام قدیم مصر کی تقریباً ہر چیز پر مثبت ہے اور اس کی شجاعت و بہادری اور فتوحات کے قصے بے شمار کتبوں پر نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں جن ممالک کو اس نے فتح کیا تھا وہاں بھی اس نے اپنی فتح کی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ مثلاً بیروت کے قریب دریائے "نہر الکلب" کے دہانہ پر ایک لوح سنگین موجود ہے جس پر اس کا کارنامہ کندہ ہے۔ اور اس نے بہت سی عالیشان عمارتیں تعمیر کرائی اور ۶۷ برس سلطنت کی۔ تھوتمیس ثوم، مصر کے مشہور فراعنہ میں سے تھا جو حضرت عیسیٰؑ سے سولہ سو برس پہلے گزرا ہے اس نے بہت عرصہ تک سلطنت کی۔ مصری خط سوری میں جو کتبے اس بادشاہ کے کارناموں کے متعلق تحریر ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مصر اس قدر طاقتور تھا کہ وہ جہاں چاہتا اپنی سرحد قائم کر لیتا تھا۔ اس نے مغربی ایشیاء پر بھی فوج کشی کی تھی اور اس کی فتوحات کے قصے قرناق کے در و دیوار پر تحریر ہیں۔ ان ممالک کی فہرست بھی دی گئی ہے جو اس نے فتح کیے تھے۔ شاہی مہر میں

اس کا نام ''من خصر رع'' درج ہے۔ جو قدیم چیزوں پر اس قدر نظر آتا ہے کہ کسی دوسرے مصری فرعون کا نام اس قدر نہیں ہوا۔ شاشق یا شیشنگ۔ یہ حضرت عیسیٰؑ سے ایک ہزار برس پہلے ہوا تھا۔ یہ درحقیقت ملک ''اشوریہ'' کے بادشاہ نمرود کا بیٹا تھا۔ اس نمرود نے فرعون مصر کو شکست دے کر قتل کیا اور اپنی سلطنت قائم کر لی۔ وہی شاشق ہے جس کا نام بائبل کے صحیفہ ملوک میں شیشک لکھا ہے۔ اس نے ملک فلسطین پر حملہ کر کے یہودیوں کو شکست دی۔ یروشلم فتح کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تمام خزانے لوٹ لیے۔ شاشق کے ایوان عظیم کی دیوار وں پر اس کے کارنامے درج ہیں اور فتح کردہ مقامات کی فہرست بھی دی ہے۔)

اس وقت مارجوری کے ساتھ صرف مسز قیطون رہ گئی تھیں۔ سر ہنری ماتا کے مندر میں بعض کتبوں کی نقل کرنے چلے گئے تھے۔ مارجوری فن فوٹو گرافی میں بھی خوب ماہر تھی۔ اس نے اپنا کیمرہ درست کیا اور کوئی نصف گھنٹہ تک مختلف صوری کتبوں کی تصویریں لیتی رہی۔ گھومتی گھومتی مسز قیطون بھی اس کے پاس آ گئیں اور بولیں۔

''اس مقام کو جتنی بار دیکھو اتنی ہی زیادہ دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ آج یہ اچھی بات ہے کہ یہاں دوسرے سیاح نہیں آئے۔ مجھے تو ان لوگوں کا دیکھنا سخت ناگوار گزرتا ہے ان کے ہمراہ ترجمان لوگ ہوتے ہیں۔ جو ایک ہی بات کو طوطے کی طرح بار بار رٹ کر کان کھا لیتے ہیں اور وہ لوگ ان مقدس و متبرک مقامات میں آ کر وہ قہقہہ بازی کرتے ہیں کہ قبروں کے مردے بھی جاگ اٹھتے ہوں گے۔''

مارجوری۔ ''میں بھی سیاحوں کی یہ حرکتیں پسند نہیں کرتی۔ میں مصر قدیم کی دلدادہ ہوں۔ جس وقت انسان کی نظر ان عمارتوں اور کتبوں پر پڑتی ہے تو قدیم دنیا کا وہ زمانہ یاد آ جاتا ہے جب لوگ یقیناً زیادہ نیک، زیادہ ایماندار، زیادہ پاک اور خدا کے مقرب ہوں گے۔''

مسز قیطون۔ ''واقعی جس قدر اس زمانہ کے لوگوں کو اپنے معبودوں کی محبت ہو گی۔ وہ آج دنیا میں نظر نہیں آتی۔''

مارجوری۔ ''لوگ عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ قدیم زمانہ کے مصری بت پرست اور مشرک تھے لیکن درحقیقت وہ ایسے نہیں تھے۔ ان کا اعتقاد ایک قادر مطلق وحدہ لاشریک کی ہستی

پر تھا جس کو وہ رب العالمین مانتے تھے۔ اگرچہ وہ اس کے بعد اس خدا کی مختلف صفات کو علیحدہ علیحدہ مجسم قرار دے کر ان کے سامنے سر جھکا دیتے تھے۔ خداوند تعالیٰ کا نور جلال ان کے نزدیک آمن رع اس کا حسن و جمال آئی سیس اور اس کا فضل و کرم ہاثور ماتا ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ لوگ خدا کو تو بھول گئے اور بت باقی رہ گئے۔''

اتنے میں ایک لاغر اندام، کشیدہ قامت عرب جو گرد آلود سیاہ قبا پہنے ہوئے تھا ہاتھ میں لمبا عصا لئے ہوئے قریب سے گزرا۔ اس کے بازو پر ایک برنجی مہر بندھی ہوئی تھی جس پر الفاظ ''خادم آثار عتیقہ'' عربی و فرانسیسی زبانوں میں کندہ تھے۔ حکومت کی طرف سے یہاں چند لوگ بطور پاسبان مقرر ہیں جو دن کے وقت ہاتھوں میں لمبا عصا اور رات کو لمبی نالی کی بندوقیں رکھتے ہیں۔ اس وقت مسز قیطون تھک گئی تھیں۔ کسی فرعون کا ایک بت ٹوٹا پڑا تھا۔ اس کے سایہ کے نیچے وہ بیٹھ گئیں۔ مارجوری بھی فوٹو لینے کا کام ختم کر چکی تھی۔ وہ بھی ان کے پاس آ بیٹھی۔ اس روز مسز قیطون ارادہ کر کے چلی تھیں کہ مارجوری سے خوب باتیں کر کے اس کا حال معلوم کروں گی چنانچہ اس وقت اس کو بہت اچھا موقع مل گیا اور اس نے مہر سکوت توڑ کر سوال کیا۔

مسز قیطون۔ ''آپ کہتی تھیں کہ میں یہاں پہلے بھی آئی تھی۔ کتنے دن ہوئے؟''

مارجوری۔ ''تیسرے سال موسم سرما میں اس وقت میری پرانی نگراں کار بھی میرے ساتھ تھی۔ ہم قاہرہ سے جہاز میں سوار ہو کر اصوان تک گئے تھے۔ اور واپسی میں بذریعہ ریل سفر کیا تھا۔ ایک ہفتہ الاقصر میں بھی قیام کیا تھا۔''

مسز قیطون۔ ''تو یہ کہیے کہ آپ مصر کی خوب سیر کر چکی ہیں۔ یہاں کی سب باتیں جانتی ہیں۔''

مارجوری۔ ''میں تو ان قدیم عمارتوں اور مندروں کی دلدادہ ہوں۔ مجھ کو اس زمانہ کے شوقین جوڑوں سے جو جہاز میں رنگ رلیاں مچاتے ہیں اور ہوٹلوں میں داد عیش و عشرت دیتے پھرتے ہیں، قطعی دلچسپی نہیں ہے۔ بس میں تو ان آثار قدیمہ پر فدا ہوں۔ مجھ کو یہ دیکھ کر نہایت مسرت ہوئی کہ آپ کے شوہر نامدار کو بھی ''مصریات'' سے خاص دلچسپی ہے۔ انہوں نے غالباً مصری آثار قدیمہ پر کوئی کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے۔ مجھ کو ''مصریات'' سے بہت شوق ہے

کیا آپ بھی مصری خطوط صوری کے کتبے پڑھ سکتی ہیں۔"

مسز قیطون۔"افسوس مجھ کو اس کام میں اس قدر مہارت حاصل نہیں ہے۔ ہاں شاہی مہروں پر بعض بعض بادشاہوں کا نام پڑھ لیتی ہوں اور غالباً ہر سیاح پہلے یہی سیکھتا ہے۔"

مارجوری۔"خدا بخشے میرے والد ماجد، مصر سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے مجھ کو قدیم دیوتاؤں کی تحریروں کے متعلق بہت کچھ سکھایا تھا۔ اب میں تمام کتبوں کو نہایت آسانی سے پڑھ سکتی ہوں۔ دیکھئے وہ سامنے کا کتبہ دیکھئے۔ اس میں خداوند آمن رع، بادشاہ مقتاح کی قصیدہ خوانی کر رہا ہے۔ یہ دراصل نظم ہے جس کا ہر مصرع اس طرح ہے۔

"تو ایک شہاب ثاقب ہے جس کے شعلے چاروں طرف پھیل رہے ہیں۔"

"تو ایک نوجوان سانڈ بیل ہے جس کے سینگ تیار ہیں اور جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔"

"تو ایک مگرمچھ ہے جو دریا کے کنارے پڑا ہوا ہے۔ جو اس قدر ہیبت ناک ہے کہ اس کے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا۔

"تو ایک خونخوار آنکھوں والا شیر ہے۔ جو وادی سلوک کی قبروں میں چھوڑا ہوا ہے۔"

مسز قیطون (حیرت سے مسکرا کر) "واقعی آپ تو کمال کرتی ہیں۔ آپ نے یہ علم کہاں سے سیکھا۔ نہ آپ کا کوئی دوست ہے نہ رفیق۔ نہ نگران کار ہے نہ اتالیق اور پھر ایسے خشک اور غیر دلچسپ فن میں اس قدر کمال۔ واقعی حیرت انگیز ہے۔"

مارجوری۔"اجی میں تو جب چھوٹی سی بچی تھی اسی وقت ان کتبوں کو پڑھ لیتی تھی۔"

مسز قیطون۔"کیا آپ کے والد ماہر مصریات تھے؟"

مارجوری۔"نہیں۔ وہ مصر سے ضرور واقف تھے۔"

یہ جواب سن کر مسز قیطون کو اور بھی حیرت ہوئی اور اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"تو کیا آپ کو یہ باتیں خود خداوند ہامان آ کر سکھا گئے تھے۔ یا فرعون نے خواب میں آ کر بتا دیا تھا۔"

مارجوری۔"ہاں یہی سمجھ لیجئے۔ اصل تو یہ ہے کہ مجھ کو اس فن میں بچپن ہی سے انہماک ہے اور میری مہارت دیکھ کر بڑے بڑے ماہرین مصریات حیران رہ جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ

مجھ کو مصر کے اعلیٰ ترجمان اور گائیڈ بھی فرعون کی بیٹی یا "بنت فرعون" کہتے ہیں۔"

مسز قیطون۔"میرے خیال میں آپ نے جو فوٹو لئے ہیں وہ بھی عام مناظر کے نہیں بلکہ کتبوں کے لئے ہوں گے۔"

مارجوری۔"جی ہاں۔ مناظر کی تصویریں عام طور پر وہ سیاح لیا کرتے ہیں جو طامس کک کے جہازوں میں لدے پھدے سیر کرتے پھرتے ہیں۔ میں تو انہیں کتبوں کا مطالعہ پسند کرتی ہوں جو دیواروں اور مقبروں پر ہوتے ہیں۔ تقریباً تین سال ہوئے وادی حلفاء کے آگے مقام بحانی میں مجھ کو ملکہ حاتسب سو کا ایک ایسا نادر کتبہ ملا تھا جو غالباً آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔"

مسز قیطون کو مارجوری کی باتیں سن کر سخت حیرت ہوئی تھی۔ اس کے خیال میں نہیں آتا تھا کہ ایک ایسی فیشن ایبل لڑکی مصریات کی ایسی زبردست ماہر کیونکر ہو سکتی ہے کہ بے تھکان پرانے کتبوں کو پڑھتی چلی جائے۔ علاوہ ازیں مسز قیطون خود کو بڑی چالاک سمجھتی تھی وہ باتوں باتوں میں مارجوری کے حالات دریافت کرنا چاہتی تھی۔

مسز قیطون۔"کل آپ نے ذکر کیا تھا کہ آپ کی شادی سال بھر میں ہونے والی ہے۔ وہ ایسا کون خوش قسمت شخص ہے جس کو آپ جیسی حسین اور قابل دلہن نصیب ہوگی۔ آپ بتائیں تو سہی ممکن ہے میں اس کو جانتی ہوں۔"

مارجوری۔"نہیں آپ اس کو نہیں جانتی۔"

مسز قیطون نے دیکھا کہ مارجوری اس کی بات ٹال جاتی ہے اور کوئی ٹھیک جواب نہیں دیتی ہے یہ بات ان کو کسی قدر گراں بھی گزری۔ اسی روز صبح کو سر ہنری نے مارجوری کے سالسٹر کو لندن خط بھیج کر اس کے سابق حالات دریافت کئے تھے۔ اب رہا وہ چیک جو مارجوری نے دیا تھا اس کے دیکھتے ہی مصر کے نیشنل بینک نے فوراً روپیہ ادا کر دیا تھا۔ الغرض مسز قیطون نے مارجوری کے حالات معلوم کرنے کی خاطر اپنی تمام قابلیت صرف کر ڈالی تھی۔ لیکن وہ بھی اس قدر ہوشیار تھی کہ ہر بات کو ٹال دیتی تھی۔

مسز قیطون۔"لندن سے تو آپ خوب واقف ہوں گی۔"

مارجوری۔"خوب تو نہیں جانتی۔ لیکن مدرسہ کی چھٹیوں کے زمانہ میں وہاں چند بار گئی

ضرور ہوں۔ میں اپنے والد کے ساتھ لانگھم میں ٹھہرا کرتی تھی اور خوب سیر تماشے دیکھتی تھی۔"

مسز قیطون۔ "اور آپ کی والدہ......"

مارجوری۔ "ان کی صورت تو مجھ کو کچھ یونہی سی یاد ہے۔ ابھی میں پانچ ہی برس کی تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا تھا۔"

مسز قیطون۔ "تو کیا آپ بالکل تنہا ہیں؟"

مارجوری۔ "قطعی۔ بس اس میری خادمہ ماریہ ہی کو جو چاہے سمجھ لیجئے۔"

مسز قیطون۔ "تو کیا میرا یہ خیال صحیح ہوگا کہ آپ کے عزیزوں نے آپ کو ناخوش کر دیا ہے۔"

مارجوری۔ "میرا کوئی عزیز ہی نہیں۔ بہر حال میں بغیر عزیزوں کے بھی اچھی ہوں۔ اور میرا ارادہ بھی یہ تھا کہ خود مختارانہ اور دنیا سے الگ زندگی بسر کروں۔ مگر افسوس اب معلوم ہوا کہ ایک نوجوان لڑکی کے لئے تن تنہا رہنا مشکل ہے۔ لوگ ہزاروں قسم کے اشارے کنائے کرتے ہیں۔"

مسز قیطون۔ "اسی وجہ سے آپ ایک ساتھی کے اخراجات برداشت کرنے پر مجبور ہوئی ہیں۔"

مارجوری۔ "ہاں صاف معاملہ اچھا ہوتا ہے۔ خیر ابھی تو شادی میں ایک سال باقی ہے۔ (پھر دفعتاً کچھ خیال کر کے اس نے اپنی بات بدل دی) میرا یہ مطلب ہے کہ ابھی تو سال بھر تک میں اپنی آواز آپ ہوں۔ بعد ازاں......"

یہ کہہ کر مارجوری خود بخود زور سے ہنس پڑی۔ یہ خندۂ بے محل دیکھ کر مسز قیطون جو ایک سنجیدہ مزاج خاتون تھیں حیران رہ گئیں اور وہ چونکہ فہمیدہ اور زمانہ دیدہ عورت تھیں فوراً سمجھ گئیں کہ آئندہ ہونے والی شادی مارجوری کی مرضی کے ضرور خلاف ہے۔

اب شام ہو گئی تھی۔ سر ہنری بھی آ گئے اور یہ لوگ دوبارہ الاقصر کو واپس آ گئے۔ مارجوری بہت تھک گئی تھی وہ کھانا کھاتے ہی اپنے کمرہ میں گئی اور پلنگ پر دراز ہوتے ہی سو گئی۔

☆......☆......☆

جس روز سہ پہر کے وقت مارجوری اور مسز قیطون ہیکل ہامان کی سیر کو گئی تھیں اس روز ماریہ و فلپا دونوں خادماؤں کو بھی کافی فرصت مل گئی تھی۔ چنانچہ شام کو پانچ بجے دونوں دریا کی سیر کو نکلیں۔

فلپا کی عمر تقریباً 30 سال کی ہوگی۔ اس کے بال سیاہ تھے۔ ناک نقشہ سے بہت اچھی لگتی تھی۔ چہرہ کتابی تھا۔ رنگ روپ کے لحاظ سے قبول صورت تھی۔ اس کے عادات و خصائل نہایت شائستہ تھے اور کچھ دنوں پہلے وہ ایک ڈچیز (فیملی) کے پاس بھی رہ چکی تھی۔ جہاں اس کے اوصاف واطوار درست ہو کر تہذیب و سلیقہ خوب آ گیا تھا۔ ڈچز کے ساتھ وہ دنیا بھر کی سیر کر چکی تھی اور مسز قیطون کے ساتھ بھی وہ دو مرتبہ ہندوستان ہو آئی تھی۔ اس کی مالکہ کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔

ماریہ عمر میں کم تھی لیکن لباس اور سنگار وغیرہ میں فلپا سے زیادہ شوقین تھی۔ وہ بہت خوب صورت اور دلفریب عورت تھی اور اس کا چال چلن بھی نہایت اچھا تھا۔ اس کا باپ لارڈ سوانفورڈ کے یہاں جمعدار تھا اور یہ اس کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ بیگمات میں رہنے کی وجہ سے اس کو ہر طریقہ کا شعور آ گیا تھا اور وہ نہایت مہذب اور سلیقہ شعار تھی۔

جس وقت وہ لب دریا پہنچیں اس وقت کنارے سے ایک مسافر جہاز الصوان کو روانہ ہوتا تھا عرشہ پر کھڑے ہوئے مسافر رومال اور ٹوپیاں ہلا ہلا کر اپنے احباب سے رخصت ہو رہے تھے۔

فلپا۔ "کیوں ماریہ تم بھی کبھی الصوان گئی ہو؟"

ماریہ۔ "ہاں میری مالکہ دو سال ہوئے وہاں تشریف لے گئی تھیں۔ ہم نے وہاں ابوسمبل کے کھنڈروں کی سیر کی جس کو پرانے زمانہ میں البشیق کہتے تھے۔ اہرام اور آثار طیبہ کو چھوڑ کر تمام ملک نوبہ اور وادی النیل میں وہاں سے زیادہ دلچسپ آثار قدیمہ اور کہیں نہیں ہیں۔ یہاں رعمس اعظم نے دو عالیشان مندر تعمیر کرائے تھے۔ چھوٹا مندر ہاتور کا ہے جس کو یہاں "ملکہ ابو قیس" کہتے ہیں۔ دوسرا بڑا مندر "مآت" کا ہے۔ یہاں کی سیر کر کے ہم لوگ وادی حلفاء گئے۔ پھر وہاں سے ریل میں سوار ہو کر خرطوم دار الحکومت سوڈان پہنچے وہاں کی سیر کر کے ہم

بورسووان گئے اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر بحیرۂ احمر کی سیر کرتے ہوئے لندن چلے گئے تھے۔"

فلپا۔"میرے مالک تو ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ریل کے اس قدر دور دراز سفر کی زحمت کون اٹھائے۔ پچھلے سال وہ وادی حلفاء سے ریل میں سوار ہو گئے تھے اور بس۔"

ماریہ۔"ہاں ریل کے سفر میں طبیعت تو ضرور پریشان ہوتی ہے۔ لیکن خرطوم اچھی جگہ ہے۔ وہاں ہم گورنمنٹ ہاؤس میں مہمان تھے۔"

فلپا۔"تو تمہاری مالکہ صاحبہ کوئی بڑی شخصیت کی خاتون ہیں۔"

ماریہ۔"ہاں بیشک ہیں۔ مصر میں تو ضرور ہیں۔"

فلپا۔"کیوں صرف مصر ہی میں کیوں ہیں؟"

ماریہ۔"اس لئے کہ مصر کے لوگ ان کو خوب جانتے ہیں۔"

فلپا۔"اس سے تمہارا کیا مطلب؟"

ماریہ۔"مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ مصر میں بیسیوں مرتبہ آئے ہیں۔ کبھی ہم قاہرہ میں رہے۔ کبھی یہاں مصر علوی کی سیر کی۔ ایک مرتبہ فیوم بھی گئے تھے۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے پچھلے سال تمہیں الصوان کے سیوائے ہوٹل میں دیکھا تھا اور پھر شاید ایک روز جزیرۃ البربہ میں پرانے مندر کی سیر کرتے پایا تھا۔"

فلپا۔"میرے مالک ہر سال مصر آتے ہیں ان کو مصریات سے بہت شوق ہے۔ انہوں نے یہاں کی قدیم چیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ خرید خرید کر اپنے محل میں سجا رکھا ہے۔ شاید تمہاری خوب صورت اور نوجوان بیگم ہمیشہ سیر و سیاحت اور ہوٹلوں کی عیش گاہوں میں مزے اڑاتی رہتی ہیں۔"

ماریہ۔"ہاں کسی زمانہ میں تو یہی حال تھا۔ لیکن اب تو ان باتوں سے ان کی طبیعت سیر ہو گئی ہے۔ بس اب وہ دن بھر اپنے کمرہ میں لیٹی ہوئی ناول پڑھتی رہتی ہیں اور اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ان کو زندگی میں کچھ مزا ہی نہیں دیتا۔"

فلپا۔(مسکرا کر)"شاید کسی پر طبیعت آ گئی ہو۔"

ماریہ۔"ممکن ہے ایسا ہو۔ پہلے تو ایسا معاملہ دو ایک مرتبہ ضرور گزرا تھا۔"

فلپا۔"جہاں شمع ہوتی ہے وہاں پروانوں کا ضرور ہجوم ہوتا ہے۔ جہاں گل ہو تو خوشبو ہوتی ہے وہاں ہزاروں بلبل چہچہاتے ہیں۔ پھر جب ایک ایسی حسین مہ جبیں نوجوان لڑکی ہو جیسی تمہاری بیگم جو ہزاروں میں کیا بلکہ لاکھوں میں ایک ہے۔ پھر اس پر تنہا اور متمول ایسی حالت میں جتنے بھی چاہنے والے پیدا ہو جائیں کم ہیں اور یہاں کی آب و ہوا سے تو خدا بچائے۔ کچھ ایسا پراسرار اثر یہاں کی فضا میں ہے۔ کہ بوڑھے بھی یہاں آ کر خود کو جوان بلکہ نوجوان سمجھتے ہیں اور عاشقی کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے خدا نے یہاں کی زمین حسن و عشق کے خمیر سے پیدا کی ہوگی۔ تم لوگوں کو یہاں رات دن داد عیش و عشرت دیتے دیکھتی ہو۔"

فلپا کی یہ باتیں سن کر ماریہ ہنس پڑی۔ مصر علوی میں جتنے ہوٹل عیاشیوں کے لئے زیادہ مشہور ہیں۔ بلکہ جس قدر داد عیش و عشرت ان ہوٹلوں میں دی جاتی ہے وہ غالباً پیرس کے ہوٹلوں میں بھی نہ ہوتی ہوگی۔ شوقین مزاج فیشن ایبل نوجوان حسینائیں رنگ برنگ زرق برق پوشاکیں پہنے اس طرح ادھر ادھر پھرتی ہیں جیسے چمنستان میں کوئی رنگین تتلی، یہاں کے ہوٹلوں سے زیادہ صرف شاید دنیا میں کہیں نہ ہوتا ہوگا۔ انگلستان اور امریکہ کی شوقین مزاج متمول عورتیں جن کا تعلق سوسائٹی کے اعلیٰ طبقہ سے ہوتا ہے سردی کے موسم میں یہاں آتی ہیں اور نوجوان خوب صورت مردوں کو معشوق بنائے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اس طرح کھلے بندوں پھرتی ہیں کہ اگر وہ یورپ میں بھی ایسا کریں تو لوگ انگلیاں اٹھائیں اور اوسط طبقہ کی عورت کے لئے تو شرمناک فعل قرار دیا جائے لیکن یہاں سب کچھ جائز ہے سچ ہے جو بات معمولی لوگوں میں عیب کہلاتی ہے وہ دولت مندوں میں ہنر بن جاتی ہے۔"

ماریہ۔(تیور بدل کر)"یہ سب کچھ ہے لیکن دنیا میں کوئی شخص میری مالکہ کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکال سکتا۔ لیکن وہ بہت سیدھی اور نیک ہیں بعض وقت بغیر سوچے سمجھے کوئی حرکت کر گزرتی ہیں۔ جو شریفوں کے نزدیک معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً مردوں کے سامنے سگریٹ پینا۔"

فلپا۔"ہاں عورتوں کے لئے سگریٹ پینا کسی زمانہ میں سخت معیوب تھا۔ بلکہ مرد بھی عورتوں

کے سامنے تمبا کو پینے سے پرہیز کرتے تھے۔لیکن اب وہ زمانہ گیا۔اب تو نوجوان لڑکیوں کے لئے بازاروں میں سگریٹ پینا فیشن میں داخل ہوگیا ہے۔ہاں یہ تو بتاؤ کہ تمہاری بیگم کون ہیں اور کیا ہیں؟''

جس طرح مارجوری نے اپنی خادمہ ماریہ کو ہدایت کی تھی کہ فلپا سے اس کی مالکہ کے حالات معلوم کرے اسی طرح فلپا کو مسز قیطون نے حکم دیا تھا کہ وہ ماریہ سے مل کر مارجوری کی بابت تحقیق کرے۔اب یہ دونوں اسی فکر میں تھیں۔لیکن دونوں اڑتی چڑیا کے پر کاٹتی تھیں۔

ماریہ۔(بگڑ کر)''نہایت مالدار امیر زادی ہیں۔''

فلپا۔''یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔لیکن میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ان کے والد ماجد کون تھے کیا کام کرتے تھے؟''

ماریہ۔''ان کے والد ایسے شریف آدمی تھے کہ ان سے بہتر دنیا میں کسی ملازم کو مالک نہیں مل سکتا اور مس مارجوری سے زیادہ بہتر کوئی بھی نہیں ہوسکتی جب سے انہوں نے مدرسہ چھوڑا ہے میں ان کے پاس ہوں۔آج تک ان کی زبان سے کوئی خلاف لفظ نہیں سنا۔یہ دعویٰ میرے خیال میں کوئی دوسری خادمہ نہیں کرسکتی۔''

فلپا۔''تم تو میرے کہنے کا برا مان گئیں۔خود ہی سوچو میں اس لئے حیران ہوں کہ مالکہ کی ملاقات تمہاری بیگم سے اچانک ہوٹل میں ہوئی۔دفعتاً دونوں ایک دوسرے کی ساتھی بن گئیں اور اب تمہاری بیگم تمہارے ساتھ جا کر رہنے کو تیار ہیں یہ تمام باتیں میری عقل حیران کئے دیتی ہیں۔''

ماریہ۔''میرے نزدیک بھی یہ باتیں چیستان ہیں۔''

فلپا۔''مجھ کو تو یہ بات پسند نہیں آئی۔''

ماریہ۔''تمہاری مالکہ بڑی نادان ہیں جو انہوں نے اس معاملہ میں تم سے مشورہ نہ لیا (ہنس کر) میری بیگم نے بھی مجھ سے نہیں پوچھا۔خیر جی ان باتوں کو چھوڑو کچھ اور باتیں کرو۔''

فلپا۔''خیر اور کچھ نہیں تو کم از کم ان کے والدین کی نسبت تو کچھ اور بیان کرو۔''

ماریہ۔''کیا بتاؤں جب میری مالکہ چھوٹی تھیں تو والدہ فوت ہوگئی تھیں اور اب تین سال

ہوئے ان کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا ہے۔وہ میری مالکہ کے لئے جو ان کی اکلوتی لخت جگر ہے۔بہت بڑی دولت چھوڑ گئے ہیں۔اب اس سے زیادہ اور کیا پوچھنا چاہتی ہیں؟''

فلپا۔''وہ کہاں رہتے تھے؟''

ماریہ۔''جب وہ لندن میں تھے تو لانگھم میں رہتے تھے اور مس مارجوری اسکول میں پڑھتی تھیں۔''

فلپا۔''وہ کاروبار کیا کرتے تھے کیا سوداگر تھے؟''

ماریہ۔''نہیں۔''

فلپا۔''تو پھر کیا کوئی رئیس تھے۔لارڈ تھے۔''

ماریہ۔''ہاں۔''

فلپا۔''اور وہ دولت بے شمار چھوڑ گئے ہیں۔''

ماریہ۔''ہاں۔مس مارجوری کو اٹھارہ ہزار پونڈ سالانہ کی آمدنی ہے اور وہ اس میں سے چوتھائی بھی خرچ نہیں کرتیں۔''

فلپا۔''ویری گڈ۔اٹھارہ ہزار پونڈ سالانہ کی آمدنی اور گھر ندارد۔''

ماریہ۔''بے شک۔سوائے ہوٹل کے کوئی گھر نہیں ہے۔گزشتہ تین سال کے اندر ہم لوگ مسلسل سیر و سیاحت میں مصروف رہے ہیں۔جاپان ہم گئے۔جنوبی امریکہ ہم گئے۔اس کی سیر ہم نے کی۔جزائر غرب الہند کی سیاحت ہم نے کی۔فلسطین کے مقدمات مقدس کی زیارت ہم نے کی۔قسطنطنیہ کئی بار گئے۔پانچ چھ مرتبہ مصر کی سیر کی۔اور یورپ کا تو کوئی شہر نہیں چھوڑا۔اس دوران میں ہم کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرے۔صرف لندن کے کارلٹن ہوٹل میں ایک مہینہ قیام کیا تھا۔''

فلپا۔''مصر کی سیر پانچ چھ مرتبہ کی۔ان کو اس ملک سے بہت محبت ہے۔''

ماریہ۔''بہت ہی زیادہ عشق ہے۔''

فلپا۔''اور یہ کون شخص ہے جس سے ان کی شادی ہونے والی ہے۔کل رات میری مالکہ نے مجھ سے یہ تذکرہ کیا تھا۔''

ماریہ۔"میری مالکہ مجھ کو تمام باتوں سے واقف نہیں کر دیتیں جو میں تم کو بتلا دوں۔"

فلپا۔"یہ مانا۔لیکن جب تم ہر وقت ان کے ساتھ رہتی ہو تو تم کو ضرور ان سے کچھ نہ کچھ معلوم ہوا ہوگا۔"

ماریہ۔"میری عادت میں یہ داخل ہے کہ جو کچھ مجھ کو معلوم ہو جاتا ہے وہ میں اپنے سینہ میں مقفل کر چھوڑتی ہوں۔فضول کسی کے جھگڑوں میں پڑنے سے کیا حاصل۔میرے خیال میں اپنی بیگموں کے حالات میں دخل سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

فلپا۔"تم بڑی چالاک ہو۔چلتا پرزہ ہو واقعی خادمہ کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔"

ماریہ۔"سن لیجئے۔اول تو میری بیگم مجھے کوئی بات ہی نہیں کہتیں اگر کچھ کہہ دیتی ہیں تو میں دل میں رکھتی ہوں۔"

فلپا۔"تو پھر میرے دل میں آج تک یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ میں تم سے کچھ دریافت کروں یہ تم ہی نے سوال پر سوال کر کے کان کھائے ہیں۔"

فلپا۔"بہر حال وہ کون شخص ہے جس سے شادی ہونے والی ہے۔یاد رہے زیادہ عرصہ نہ لگے گا کہ مجھے خود معلوم ہو جائے گا۔"

ماریہ۔(مسکرا کر)"بہر حال ابھی بہت دن لگیں گے۔"

فلپا۔"پھر آخر یہ بات راز میں کیوں رکھی جاتی ہے۔"

ماریہ۔"اسی وجہ سے کہ وہ راز ہے اور راز بھی میری بیگم مس مارجوری کا۔"

فلپا۔"کم از کم میرے اور تمہارے درمیان تو کوئی بات چھپی نہ رہنی چاہئے۔دیکھو ہم کو سال بھر تک ساتھ رہنا ہوگا۔اس لئے دونوں کو ایک دوسرے پر اعتماد کرنا لازم ہے۔"

ماریہ۔"لیکن اپنی مالکہ کی باتوں میں کسی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

فلپا۔"واقعی تم تو بڑی وفادار خادمہ ہو۔"

ماریہ۔"کیوں نہ ہوں۔مجھ کو تنخواہ اسی بات کی ملتی ہے۔شاید تم وفادار نہیں ہو۔"

فلپا۔"یہ خیال رہے کہ اگر تمہاری مالکہ کو میری مالکہ کے ساتھ رہنا منظور ہو۔تو وہ تمام باتیں صاف صاف بتا دیں۔ورنہ میری مالکہ ایک دن بھی ساتھ رہنا گوارا نہ کریں گی جب

ایک شخص سے شادی ہی کرنا ٹھہرا تو اس کا نام چھپانے سے کیا فائدہ۔اس میں کوئی شرم کی بات نہیں۔اگر مجھے اٹھارہ ہزار پونڈ سالانہ کی آمدنی ہوتی تو میں اگر لندن کے کسی کم تر کو بھی چاہتی تو نکاح کر کے مزے اڑاتی۔

ماریہ۔"تم ان عجیب و غریب حالات سے واقف نہیں ہو۔بس اب ان باتوں کو جانے دو۔تم کو کسی دن تمام حال خود ہی معلوم ہو جائے گا۔میں خود تم سے تمام قصہ بیان کر دوں گی۔لیکن جب تم سنو گی تو تم کو میری نوجوان مالکہ پر رحم آئے گا جس طرح مجھے آتا ہے۔"

اسی قسم کی باتیں کرتی ہوئی وہ الاقصر کے عجائب خانہ کے کونے تک پہنچ گئیں اور سڑک کے دوسری طرف مڑ گئیں۔یہاں محمد مصاحب کی قدیم مشہور دکان ہے جو مصر کے نوادرات برٹش میوزیم کو بھی بہم پہنچایا کرتی ہے۔جس وقت یہ دونوں سڑک پر مڑیں عین اسی وقت ایک کوتاہ قامت۔گورے رنگ کا نوجوان نمودار ہوا جو سفید سوٹ،سفید جوتے اور خود نما ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔یہ شخص تیزی کے ساتھ ان دونوں کے قریب سے گزرا۔

لیکن یہ دونوں عورتیں اپنی باتوں میں اس قدر محو تھیں کہ ان کی نظر اس نوجوان پر نہیں پڑی جو جھپٹ کر ایک مجمع میں چھپ گیا۔لیکن نوجوان نے مڑ کر دیکھا اور ماریہ کو خوب پہچان کر اور یہ یقین کر کے اس کو کسی نے نہیں دیکھا وہ دریائے نیل کی طرف جھپٹتا چلا گیا۔اس کے منہ سے خود بخود یہ الفاظ نکلے تھے۔

"یہ صحیح نہیں ہو سکتا...... یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہو سکتی...... وہ اور یہاں...... الاقصر میں...... ہاں باوجود اس واقعہ کے پھر یہیں...... ناممکن ہے...... ایسا ہونا محال ہے...... اس کو واپس جانے کی جرأت نہیں ہو سکتی...... ہاں نہیں ہو سکتی...... وہ ہرگز واپس جانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔"

اسی طرح وہ نوجوان مجذوب کی بڑ ہانکتا ہوا چلا گیا۔اس کا منہ فق اور اس کے لب خشک تھے فلپا اور ماریہ دونوں اسی طرح باتیں کرتی ہوئی اور مختلف مقامات کی سیر کرتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔انہوں نے اس نوجوان کو قطعی نہیں دیکھا تھا۔لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ نوجوان کم از کم ماریہ کو ضرور پہچانتا ہے اور اسی لئے اس نے اپنا اطمینان کرنے کے لئے ماریہ کو مڑ کر دیکھا تھا۔دونوں عورتیں شام تک یوں ہی سیر کرتی رہیں۔جب آفتاب غروب ہونے لگا تو ہوٹل کی واپسی کا

خیال آیا۔ کیونکہ اب مارجوری اور مسز قیطون کی واپسی کا وقت قریب تھا۔

☆......☆......☆

جس قدر مسز قیطون اور مارجوری کا میل جول بڑھتا جارہا تھا اسی قدر وہ مسز موصوفہ کی نظروں میں بڑی پر اسرار نظر آتی تھی۔ مس مارجوری میں عالم شباب کی شوخیاں، چستی، چالاکی اور الھڑ پن کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ''جوانی کی راتیں مرادوں کے دن'' تھے۔ اور کیوں نہ ہو جوانی کے عالم میں تو بدصورت سے بدصورت حبشن پر بھی جوبن کا نکھار نظر آنے لگتا ہے۔ پھر یہ تو ایک امیر زادی، ناز ونعم میں پلی ہوئی انتہا درجہ کی حسین ومہ جبین تھی۔ وہ بظاہر ہوٹل کی تمام رنگ رلیوں میں ایک معقول حصہ لیتی تھی۔ لیکن بحالت تنہائی جب وہ اپنے کمرۂ خاص میں ہوتی تھی تو نہ معلوم وہ کن خیالات میں محو ہو جاتی تھی کہ اس کا چہرہ دھوپ میں کملائے ہوئے پھول کی طرح افسردہ ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی آئندہ زندگی پر غور کرتی تھی تو تاریک نظر آتی تھی۔

مسز قیطون مارجوری کو بہت پسند کرتی تھی اور جب وہ اس کا ذکر اپنے شوہر سے کرتی تھی تو وہ بھی اس کے ہم خیال ہو جاتے تھے اور اگرچہ وہ اس خط کے جواب کا نہایت بے چینی سے انتظار کر رہے تھے جو انہوں نے مارجوری کے سالسٹر کو بمقام لندن لکھا تھا۔ وہ فی الحال ہر طرح وادی النیل کی خوشگوار اور فرحت انگیز فضا اور آب وہوا سے بہرہ اندوز ہو رہے تھے۔

سردی کے موسم میں ہوٹلوں کے لئے خصوصاً مصر علوی میں فصل کا زمانہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ سیاحوں کی جماعتیں امریکہ، فرانس اور انگلستان وغیرہ سے ہجوم در ہجوم آرہی تھیں اور وہ عظیم ہوٹل جس میں مارجوری وغیرہ تھے اس قدر بھر گیا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ایک سے ایک حسین مہ جبین معشوقہ ہوٹل میں آئی تھی۔ خوب صورت سے خوب صورت حسینیوں کے جمگھٹ نظر آتے تھے۔ لیکن ان گلدستوں پر جب نظر پڑتی تو صرف مارجوری گلاب سے مکھڑے پر پڑتی تھی۔

جس قدر انہماک مصریات اور آثار صنادید میں سر ہنری قیطون بن حام یا ان کی بیگم کو تھا اسی قدر مارجوری کو بھی تھا۔ لہٰذا وہ روزمرہ کہیں نہ کہیں آثار قدیمہ کی سیر کو جاتے تھے اور یہ سفر اکثر قرناق یا طیبہ کو ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک دن صبح کو وہ تینوں گدھوں پر سوار ہو کر طیبہ (قدیم

تھبس) کی سیر کو نکلے اور سیدھے اس سنگلاخ دشوار گزار اور ہیبت انگیز درہ میں پہنچے جس کو قدیم مصری زبان میں ''مردوں کی گھاٹی'' کہتے تھے اور جس کے دوسری طرف قدیم شاہان مصر کے عجیب وغریب مقبرے ہیں۔

راستہ آج کل بہت خراب تھا جس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ جہاں سرزمین سے یہ راستہ گزرتا تھا وہ دریائے نیل کی طغیانی کے وقت زیر آب ہو جاتا ہے۔ دوسرے تقریباً دو میل تک ایک نہر کی بلند سیڑھیوں پر چلنا پڑتا ہے۔ جو بہت گھوم کر موقعہ تک پہنچتی ہیں۔ الغرض یہ جماعت چلتے چلتے ایک گاؤں میں سے ہو کر گزری اور تھوڑی دیر بعد اس سنگلاخ مقام میں پہنچ گئی جس کو قدیم مصری زبان میں ''وادی الموت'' کہتے تھے۔

یہاں پہنچ کر یہ لوگ گدھوں سے اتر گئے اور پیدل چلنے لگے۔ واقعی یہ تنگ گھاٹی صحیح طور پر وادی الموت کہلاتی تھی کیونکہ یہاں کسی طرف بھی زندگی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ ہر طرف وحشت برستی تھی۔ افسوس کل جو عظیم الشان شہر عروس البلاد شہروں کا سرتاج، بلدۂ صد ابواب اور 2 ہزار جنگی رتھوں کا شہر کہلاتا تھا آج وہاں کے کھنڈروں میں گیدڑ، بھیڑیے، عقاب، زاغ وزغن، گدھ، الو، چمگادڑ، سانپ، بچھو اور مکھیوں کے سوائے اور کچھ نظر نہیں آتا۔

نصف گھنٹہ تک چلنے کے بعد وہ گھاٹی کے دوسرے سرے پر نکلے۔ یہیں سے قدیم شاہان مصر کے مقبرے شروع ہو جاتے ہیں۔ بہت سے مقبرے چٹان کاٹ کر بنائے گئے ہیں غلام گردشیں نکالی گئیں اور ان کے در و دیوار پر ''کتاب آخرت'' کی عبارتیں اور تصویریں جگہ جگہ بخط صوری درج ہیں بعض بعض تصاویر کا رنگ اس وقت یعنی چار پانچ ہزار برس بعد ویسا ہی تازہ اور چمکدار ہے گویا آج ہی کوئی مصور بنا کر ہٹا ہے۔

جس قدیم شہر کی ہم اس وقت سیر کر رہے ہیں۔ یہ شاہان مصر کا پایہ تخت تھا اور جس طرح کسی زمانہ میں رومتہ الکبریٰ اور بغداد نے دنیا پر حکومت کی۔ اسی طرح یہ شہر بھی کسی زمانہ میں دنیا بھر پر حکومت کیا کرتا تھا۔ قدیم مصری زبان میں اس کا نام ''آفطیت'' تھا جس کے معنی ''سر'' ہیں۔ یہ شہر گویا تمام دوسرے شہروں کا سرتاج یا دارالسلطنت تھا۔ قبطی زبان میں اس کو ''طابہ'' یا ''طیبہ'' کہتے تھے۔ جس سے بگڑ کر یونانی نام ''تھبیس'' بنا۔ اس کا دوسرا نام ''دیوس

پولیس‘‘ بھی ہے جس کے معنی ہیں ’’دیوتاؤں کا شہر‘‘ دیکھئے کیا عجیب بات ہے کہ یہی نام ہندی زبان میں ’’دیواپوری‘‘ بن سکتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم مصریوں اور ہندوؤں کا کوئی تمدنی ولسانی تعلق ضرور تھا۔ تیسرا نام اس شہر کا جو خطوطِ صوری میں نظر آتا ہے وہ ’’ہا آمن‘‘ ہے۔ جس کے معنی ہیں ’’خداوند ہامان کا گھر‘‘ توریت میں اس شہر کا نام ’’تاہوم‘‘ ہے۔

یہ قدیم شہر ساحل بحیرۂ روم سے تقریباً 60 میل فاصلہ پر جانب جنوب دریائے نیل کے دونوں کناروں کی طرف بسا ہوا تھا۔ شہر کے دو حصے تھے۔ مشرقی و مغربی۔ مشرقی حصہ زندوں کے لئے اور مغربی حصہ مُردوں کے لئے مخصوص تھا۔ شہر کی اس تقسیم میں بھی قدیم مصریوں کی آفتاب پرستی نظر آتی ہے۔ طلوع کے وقت آفتاب زندہ ہو کر مشرق سے نکلتا ہے لہٰذا مشرقی حصہ زندوں کا شہر تھا۔ اور غروب آفتاب مغرب میں ہوتا ہے۔ لہٰذا مغربی حصہ ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جن کا آفتابِ حیات غروب ہو جاتا تھا یعنی مُردوں کے لئے۔

اس شہر کی شوکت وعظمت کا اندازہ احاطۂ قیاس سے باہر ہے۔ اسی ایک واقعہ سے اہل بصیرت اندازہ لگاتے ہیں کہ یہیں کے بادشاہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اپنے جلال و جبروت کے گھمنڈ میں خدائی کا دعویٰ کر کے ’’انا ربکم الاعلیٰ‘‘ کا بڑا بول بولا تھا۔ اس شہر میں سرکاری فوج کے 20 ہزار رتھ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ 20 اصطبل تھے۔ اور ہر اصطبل میں 400 گھوڑے رہتے تھے اور جب بادشاہ جنگی مہمیں سر کرنے کے بعد فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہوتا تھا تو ہزاروں لاکھوں اسیران جنگ طوق و زنجیر میں گرفتار اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ یہی وہ قیدی غلام ہوتے تھے جن سے اہرام مصر تعمیر کرائے جاتے تھے اور یہی وہ قیدی ہوتے تھے جن سے پہاڑ کٹوا کر عظیم الشان عمارتیں اور مقبرے بنوائے جاتے تھے۔

لیکن دنیا کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر کمال کے بعد زوال ضرور ہوتا ہے۔ اناج کا سرکش پودا فصل کے موقعہ پر فضا میں لہلہاتا ہے۔ لیکن بالآخر پختہ ہو کر خاک میں مل جاتا ہے۔ چاند کی ابتدا ہر مہینہ بال کے برابر ہوتی ہے جو بڑھتے بڑھتے اوج کمال پر پہنچ کر بدر بن جاتا ہے۔ یہ اس کے کمال کی آخری منزل ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ گھٹ کر مہینہ کے آخر میں بالکل غائب ہی ہو جاتا ہے۔ یہی حال ملکوں، شہروں اور قوموں کا ہے۔

شہر طیبہ کے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ شاہان مصر بجائے مصر علوی کے مصر سفلی کو پسند کرنے لگے۔ یکے بعد دیگرے دارالسلطنت بدل کر آخر میں اسکندریہ ہو گیا۔ بطالمہ کے زمانہ میں تمام تجارت یونانیوں کے ہاتھوں میں آ گئی اور شہر طیبہ کا جوبن بتدریج ڈھلنے لگا۔ صوبہ حبشہ مصریوں کے ہاتھ سے نکل کر خود مختار ہو گیا اس سے ایک اور ضرب لگی۔ آخر میں جب بطلیموس لاشیر دس نے اس کا تین سال مسلسل محاصرہ رکھا تو رہا سہا جوبن بھی غائب ہو گیا۔ شہر فتح ہونے کے بعد تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہ کھنڈر نظر آنے لگا۔ لیکن اس کا زمانہ پھر پلٹا اور بادشاہ ایجرطیس دوم نے شہر کی جگہ جگہ مرمت کرائی اور شہر پناہ کی دیواریں بھی تعمیر کرا دیں۔ لیکن اب چونکہ زمانہ بدل گیا تھا۔ پہلے جیسی رونق نہ آئی۔ بالآخر 528 ق م میں ایرانیوں نے ایک زبردست حملہ کر کے تمام شہر کو خاک میں ملا دیا اور وہاں کے قدیم خزانے لوٹ لئے گئے۔ اس واقعہ سے وہ قومیں عبرت پکڑیں جو دوسری قوموں کو غلام بناتی پھرتی ہیں۔ کمال کے بعد زوال کا ہونا قانون قدرت ہے۔ یہی حال کسی دن لندن اور پیرس کا بھی ہو گا جو طیبہ اور بغداد کا ہوا۔

جن شاہی مقبروں کی سیر اس وقت مارجوری کی جماعت کر رہی تھی ان میں مختلف فراعنہ اور بطالمہ کے مقبرے تھے۔ ان مقبروں سے سرہنری کو خاص دلچسپی تھی کیونکہ وہ اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف فرما رہے تھے۔

تینوں سیاحوں میں ہر شخص کے پاس اوس گیس کا لیمپ تھا۔ جس کو جلا کر وہ پہلے فرعون مصر سیتی میرنفتاح کے مقبرے میں اترے۔ یہ بادشاہ حضرت عیسیٰؑ سے 14 سو برس پیشتر گزرا ہے اور اس کی نسبت مورخین کا خیال ہے کہ یہی وہ فرعون تھا جس نے بنی اسرائیل کو ستایا اور جس کے زمانہ میں وہ حضرت موسیٰؑ کی سرکردگی میں مصر سے نکلے۔ یہاں کی سیر کے بعد وہ فرعون تُوثمیس چہارم کے مقبرے میں گھسے جو حضرت عیسیٰؑ سے 533 برس پہلے گزرا ہے۔ اس کا مقبرہ حال ہی میں وادی الملوک کی جنوب مشرقی پہاڑیوں میں کھنڈر کھود کر نکالا گیا ہے۔ اسی کے قریب مشہور و معروف ملکہ حاتسب سو کا مقبرہ ہے اس فرعون کا انتقال 26 سال کی عمر میں 1411 ق م میں ہوا تھا اس کے سو برس بعد کفن چوروں نے مقبرہ کھود کر تمام خزائن لوٹ لئے

اور غائب ہو گئے۔

مقبرہ کے اندر ہوا گھٹی ہوئی تھی اور گرمی معلوم دیتی تھی۔ تینوں شخصوں نے لیمپ جلائے اور ایک چھوٹے سے زینہ پر اتر کر ایک لمبی اور ڈھلوان غلام گردش میں پہنچے۔ جس کے درو دیوار پر کتاب آخرت کی عبارتیں اور تصویریں منقش تھیں۔ جس چیز کو ہم ''کتاب آخرت'' لکھ رہے ہیں اس کا نام قدیم مصری زبان میں ''مردوں کی کتاب'' تھا۔ لہٰذا اس کا نام ''کتاب الموتی'' رکھنا زیادہ صحیح ہوگا۔

اس غلام گردش کے خاتمہ پر ان کو ایک اور زینہ نظر آیا جو نیچے کو اترتا تھا۔ جب وہ اس زینہ کے آخر میں پہنچے تو سرہنری نے فرمایا۔

سرہنری۔ ''دیکھو ذرا سنبھل کر قدم رکھنا۔ یہیں کہیں گہرا کنواں بھی ہوگا۔''

ہر مقبرے کے اندر یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ غلام گردش کا خاتمہ ایک گہرے غار یا کنویں پر ہوتا ہے جن میں بعض 50 فٹ گہرے ہوتے ہیں۔ یہ درحقیقت چوروں کے لئے بنائے گئے تھے جن میں گر کر وہ قیامت تک نہیں نکل سکتے تھے۔ چنانچہ حال کے کھودے ہوئے بہت سے مقبروں میں غاروں کے اندر سے چوروں کے ڈھانچے برآمد ہوئے۔

سرہنری کی زبان سے بمشکل یہ الفاظ نکلے ہوں گے کہ لیمپ کی روشنی میں ایک اور غلام گردش نظر آئی۔ جس کے سرے پر ایک نہایت خوب صورت مصور ایوان تھا۔ لیکن اس ایوان میں فرش نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے نیچے ایک عمیق کنواں بنا ہوا تھا۔

مسز قیطون۔ (پیچھے ہٹ کر) ''یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھیے۔''

سرہنری۔ (آگے بڑھ کر) ''ذرا ٹھہرو۔ بس دیکھ لیا۔ معاملہ ٹھیک ہے۔ دیکھئے اس کنوئیں پر وہ ایک طرف کو تختوں کا بنا ہوا ہے۔''

تینوں آدمی پل پر سے گزر کر ایوان میں پہنچے اور وہاں درو دیوار کے نقش و نگار کا مطالعہ کرتے رہے۔

سرہنری۔ ''دیکھئے اس ایوان کی دیوار پر یہ کیا تصویر ہے۔ اس میں خداوند آفتاب ''رع'' کی پوجا ہو رہی ہے۔ اس زمانہ میں تمام مصر کا مذہب آفتاب پرستی تھا۔ یہ دیکھئے ہر روز سورج

نارائن اپنے رتھ میں بیٹھ کر افق مغرب سے گزرتا تھا اور پھر رات بھر میں ''پاتال'' کی بارہ منزلیں طے کر کے ہر روز صبح کو فتح مندانہ طرح سے جانب مشرق نمودار ہوتا تھا۔ بعد میں قدیم مصریوں نے اپنے بادشاہ کو سورج کا اوتار قرار دے لیا اور خود اس کی پوجا کرنے لگے۔ اس کے خیال میں جس طرح رات کو آفتاب غروب ہو جاتا ہے اسی طرح بادشاہ مر جاتا ہے لیکن جس طرح آفتاب صبح کو طبقہ ظلمات کی بارہ منزلیں طے کر کے برآمد ہوتا ہے اسی طرح بادشاہ بھی اپنے اعمال کے موافق عاقبت کے مختلف مدارج طے کر کے پھر دنیا میں آئے گا۔ الغرض قدیم مصر کے لوگ بادشاہ کو ''ہوروس'' اور ''رع'' کا اوتار سمجھتے تھے۔ یہ ہوروس خداوند شیر قیس کا بیٹا تھا۔ یہ تصویر کتاب الموتی سے لی گئی ہے۔

مارجوری خاموش سن رہی تھی۔ وہ ان باتوں کو پہلے سے جانتی تھی۔ یہاں سے دونوں خاتون سرہنری کے پیچھے پیچھے آگے بڑھیں اور ایک غلام گردش میں پھر کر ایک ''ایوان ذات العماد'' (ستونوں والا کمرہ) میں پہنچیں۔ یہاں ان کو نیچے اترتا ہوا اور ایک زینہ ملا جس کے ذریعے وہ ایک دوسرے ایوان میں گئے۔ اس ایوان کی دیوار پر ایک تصویر تھی جس میں بادشاہ دیوتا کے سامنے ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی میز یا تپائی پر پوجا کا سامان پھول، پان، پھل، شراب وغیرہ رکھا تھا۔ بادشاہ کے سر پر مصر علوی و سفلی کا دہرا تاج تھا اور اس کے پیچھے ملکہ استادہ تھی جس کے ایک ہاتھ میں انگور کا خوشہ تھا۔ مارجوری نے لیمپ کی روشنی میں اس تصویر اور اس پر لکھے ہوئے صوری کتب کا مطالعہ کیا اور لکھنے لگی۔

مارجوری۔ ''مسز قیطون وہ سامنے ذرا بائیں ہاتھ کی طرف صوری کتب ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھئے اس میں خداوند ''اوسی ریس النفیر'' کی شان میں کیا خوب صورت تعریف ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں۔

''ہمیشہ قائم ہو جیئے جاہ و جلال تیرا اے عبیدوس کے بڑے دیوتا اوسی ریس النفیر۔ اے ازل و ابد کے مالک معبود جس کا وجود کروڑوں برس تک قائم رہتا ہے۔ اے سیب دیوتا کے فرزندنیت، ماتا کے بطن سے۔ جو مصر علوی و سفلی دونوں کے تخت و تاج کا مالک ہے اسے سفید رنگ بلند تاج کے مالک دیوتاؤں اور انسانوں کے بادشاہ تیرے ایک ہاتھ میں سرپرستی و

حفاظت کا عصا ہے اور دوسرے ہاتھ میں بدکاروں کو سزا دینے کے لئے تازیانہ۔ تیرے دیوتا والدین کا جاہ وجلال تیرے ساتھ ہے۔ تو اپنے دل کو جو ''پاتال پربت'' میں ہے مطمئن رکھ کیونکہ اب تیرا فرزند ''ہوروس'' تخت نشین ہوگیا ہے۔ تیرے سر پر شہر طیبہ کا منور تاج ہے اور تو شہر عبیدوس کا بادشاہ ہے۔ تیری ادنیٰ توجہ سے جب ظلمات کی عرفیتہ شکست کھا کر فرار ہوتی ہے تو تمام دنیا سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ اے شاہوں کے شاہ، ملک الملوک آقاؤں کے آقا تیرے دربار میں عقیدت وعبودیت کے پھول چڑھاتا ہوں۔ تو اپنی والدہ نیت ماتا کی طرف سے دنیا اور پاتال دونوں جگہ کی حکومت کرتا ہے۔ تیرا جسم منور ہے اور ایک صیقل شدہ دھات کی طرح چمکتا ہے۔ تیرا سر نیلم کی نیلگوں ہے۔ اور تیرے رخ منور کے گرد جو نور کا ہالہ ہے اس سے یاقوت اور الماس کی شعاعیں نکلتی ہیں۔''

سر ہنری۔ ''درحقیقت مس کولیر مصریات اور خطوط صوری کا تو آپ کو ایسا علم حاصل ہے جیسا کہ زبردست ماہر فن کو ہوتا ہے۔ آپ کو مجھ سے بھی اچھی مہارت ہے۔ جس قدر جلد اس کتبہ کو آپ نے پڑھ کر تشریح فرمائی ہے میں نہیں کر سکتا تھا۔ یہ علم آپ کو کیونکر حاصل ہوا۔ عورتوں میں آپ سب سے پہلی خاتون ہیں جن کو میں نے اس فن میں اس قدر ماہر دیکھا۔''

مسز قیطون۔ ''اسے سکھاتا کون۔ خو خداوند ہامان اور فراعنہ مصر نے خواب میں آکر سکھایا تھا۔ آپ کو معلوم نہیں فراعنہ مصر کی منظور نظر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کو ''بنت فرعون'' کہتے ہیں۔''

مارجوری۔ (مسکرا کر) ''یہ علم مجھ کو میرے والد ماجد نے سکھایا تھا۔ ''کتاب الموتی'' کی عبارتیں تو چنداں مشکل نہیں ہیں لیکن خطوط صوری میں لکھے ہوئے تاریخی کتبے واقعی ذرا ٹیڑھی کھیر ہیں۔''

سر ہنری، مارجوری کی طرف بنگاہ استعجاب وقدردانی دیکھ رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ بظاہر جولڑکی اس قدر لاپروا اور شوقین ہو اس کو اس قسم کے علوم وفنون سے کیا نسبت۔

مارجوری۔ ''سامنے کی دیوار پر جو تصویر اور کتبہ ہے وہ بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا، دیکھئے اس میں خداوند رع کی شان میں تعریف تحریر ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے۔

''تعریف تیری اے معبود! جو ''خفیرہ'' یعنی دیوتاؤں کا پیدا کرنے والا ہے تو طلوع ہوتا ہے۔ اپنے سنہرے چمکدار رتھ میں بیٹھ کر مشرق سے برآمد ہوتا ہے تیرا چہرہ روشن ہے اور تو اپنے نور سے اپنی والدہ مشفقہ ''نوت'' (روئے زمین) کو منور کر دیتا ہے۔ آؤ لوگو اور خداوند رع کی شان میں نعرۂ تعریف بلند کرو۔ یہ زمین وآسمان کا مالک ہے۔ حیات، تندرستی اور طاقت کا مالک ہے۔ یہ تمام دیوتاؤں کا پیدا کرنے والا ہے۔ آؤ! آؤ!! اور جب وہ بصد شاہ جلال اپنی کشتی ''اتیت'' میں سوار ہو کر آسمان وزمین کی سیر کو نکلتا ہے اس وقت اس کی تعریف کے گیت گاؤ۔ آؤ اے روئے زمین کے ساکنو! اور اے پاتال کے رہنے والو!! آؤ اور میری آواز میں اپنی آواز ملاؤ۔ اور خداوند رع کی پوجا کرو۔''

اور وہ شاہی مہر بھی ملاحظہ فرمائیے جس میں ''من خفیر ورع'' لکھا ہوا ہے۔ فرعون ''توثمیس چہارم'' کا اصلی نام ہے۔

مسز قیطون۔ ''میری پیاری مارجوری مصریات میں تمہاری اس اعلیٰ مہارت پر تو مجھے بھی رشک آتا ہے اس قدر خشک مضمون میں تم کو کس قدر کمال حاصل ہے۔ میں بھی یہ فن حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ لیکن جب کبھی کوئی الجھن پیدا ہوتی ہے تو میری طبیعت گھبرا جاتی ہے۔''

سر ہنری۔ ''اس فن کے حاصل کرنے میں استقلال کی ضرورت ہے۔ جب آپ کو دیواروں کے مذہبی، تاریخی اور معاشرتی کتبے پڑھنے آجائیں گے تو آپ کا شوق خود بخود ترقی کر جائے گا۔ اول اول یہی حالت میری بھی تھی۔''

چونکہ یہ لوگ مقبرے کے اندر گھسے ہوئے تھے۔ جہاں روشنی اور ہوا کا پتہ نہ تھا۔ اس لئے ان کو گرمی کی وجہ سے سخت تکلیف تھی۔ تینوں کی پیشانی سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر وہ ایک اور غلام گردش میں داخل ہونے کو تھے کہ بائیں جانب دیوار پر مارجوری کی تیز نگاہ کسی چیز پر پڑی۔

مارجوری۔ ''وہ دیکھئے۔ وہ کتبہ بعد کے زمانہ کا ہے اور بہت دن بعد کا ہے کیا آپ اس کو پڑھ سکتے ہیں؟''

یہ کہہ کر مارجوری نے انگلی کے اشارہ سے دیوار کی تحریر دکھائی۔ معلوم ہوتا تھا کہ پیشتر کا لکھا ہوا کتبہ کسی قدر مٹ گیا تھا اور اس پر کسی بعد کے زمانہ میں دوسرے حروف صوری بنائے گئے تھے۔

سر ہنری۔ ''ہاں تاریخ بھی درج ہے اور ''ہوریم ہب'' فرعون مصر کی مہر بھی ہے۔ کیا آپ اس کو پڑھ سکتی ہیں؟ میری نگاہ کسی قدر کمزور ہے اور یہاں اندھیرا بھی زیادہ ہے۔''

مارجوری۔ ''جی ہاں سنئے۔ یہ لکھا ہے۔''

''میں مایا محکمہ تعمیرات عامہ نقر و پولیس کا سپرنٹنڈنٹ بسال ہشتم جلوس شا ''ہوریم ہب'' اس مقام میں اس وقت داخل ہوا۔ جب چوروں نے اس مقبرہ کو لوٹ لیا تھا اور شاہی لاش کی توہین کی تھی، میں نے شاہ ''من خفیر ورع'' کی لاش پھر تابوت میں رکھ کر بند کرائی۔ جہاں وہ اسی طرح کروڑوں برس محفوظ رہے گی۔ میں نے مقبرہ کے دروازے بند کرا کے ان پر ''آنو بیس'' دیوتا کی مہر لگادی ہے۔'' (نقر و پولیس نواح اسکندریہ میں ایک مقام کا نام ہے جس طرح آگرہ کے قریب فتحپور سیکری ہے۔ اسی طرح یہ مقام بھی ہے یہاں رومتہ الکبریٰ کے قیصر آفطس الطوفی کے حلیف جرنیلوں کی متفقہ فوجوں کو شکست دی تھی اور یہیں سے آگے بڑھ کر شہر اسکندریہ فتح کیا تھا۔ اسی فتح کی یادگار سے مقام آباد کیا گیا تھا۔ ہوریم ہب، اس بادشاہ کا دوسرا نام ہدوس بھی تھا۔ تقریباً ۱۴ سو برس حضرت عیسیٰؑ سے قبل گزرا ہے۔ اس سے پہلے بادشاہ آمن حاطب چہارم نے جس کی ماں ایشیا کی رہنے والی تھی اپنی والدہ کے اثر میں آ کر ملک کا پایۂ تخت طیبہ سے مقام خواتین میں جو خود اس کا آباد کردہ تھا منتقل کر دیا تھا۔ موجود تل ''امرانہ اسی مقام کا نام ہے۔ علاوہ ازیں مصر کا مذہب بھی تبدیل کر دیا تھا اور بجائے خداوند ہامان کے ایک دوسرے خدا ''ہوریم خو'' کی پرستش رائج کی تھی۔ اس کے بعد کے دو تین بادشاہوں نے بھی یہی مذہب رکھا۔ لیکن ہوریم ہب نے تخت نشین ہو کر تمام جدید باتوں کو منسوخ کر کے از سر نو قدیم مذہب قائم کیا اور اپنے پیش رو بادشاہوں کے آثار مٹا دیئے۔)

سر ہنری۔ ''ہوریم ہب! یہ بادشاہ تو حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً 13 سو برس پہلے گزرا ہے۔ کس قدر سبق آموز کتبہ ہے کفن چوروں نے مقبرہ ادھیڑ کر خزانے چرا لئے ہوں گے۔ پھر

مقبرہ کو مایا نے از سر نو درست کرا کے اپنی تحریر ثبت کی۔''

اس کے بعد وہ تینوں گھومتے ہوئے ایک اور چھوٹی سی غلام گردش میں سے گزر کر ایک دالان میں پہنچے۔ جس میں چار بڑے بڑے در تھے۔ اس میں فرعون کا سنگین تابوت رکھا ہوا تھا۔ لیکن بالکل اسی حالت میں تھا جیسا وہ ساڑھے تین ہزار سال پیشتر بنایا گیا تھا لیکن لاش ندارد تھی۔ اس عمارت کے در و دیوار پر نہایت خوب صورت نقوش بنے ہوئے تھے اور دو طرف کوٹھریاں نظر آتی تھیں۔ بعض کتبے اس دالان میں نہایت عجیب نظر آئے جنہیں سر ہنری فوراً نقل کرنے لگے۔

مارجوری۔ ''لایئے میں بھی کچھ مدد کروں۔''

یہ کہتے ہی مارجوری نے کاغذ اور پنسل نکالی اور مختلف عبارتیں اور نقوش جو دالان میں تھے وہ نقل کرنے لگی خطوط صوری پڑھنے میں تو اس کو مہارت حاصل تھی لیکن چڑیوں، جانوروں، گلدانوں، ظروف، آلات موسیقی، اسلحہ، اور دریا وغیرہ کی تصویریں تنہایت صحت اور صفائی سے کھینچیں۔ انہی کے ذریعے وہ تاریخی کتبے تحریر کئے گئے تھے۔

مارجوری۔ ''میں یہ کام بہت پسند کرتی ہوں۔ میں ایسے ایسے صدہا کتبے اپنے والد کے لئے نقل کر چکی ہوں۔''

سر ہنری۔ ''مس مارجوری آپ تو فی الحقیقت بڑے کام کی نکلیں۔ مجھے ہرگز یقین نہیں تھا کہ مصوری میں بھی آپ کا ہاتھ اس قدر صاف ہوگا جس قدر کتبوں کے پڑھنے میں آپ کی ذہنی مہارت ہے۔

مسز قیطون۔ ''مجھ کو مس مارجوری سے رشک پیدا ہونے لگا ہے۔ بھلا ان کی پوشاک، ان کی پیاری صورت اور ان کی رنگین مزاجی دیکھ کر کون یقین کر سکتا ہے کہ آثار قدیمہ کی بھی زبردست ماہر ہیں۔'' مارجوری۔ یہ باتیں سن کر مسکرائی۔ مسز قیطون اپنا لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے مارجوری کو کتبے دکھانے لگی۔

☆......☆......☆

دوپہر بعد یہ تینوں شخص فراعنہ مصر کے تاریک مقبروں سے باہر کی دھوپ اور روشن فضا

میں نکلے۔ اس وقت تمازت آفتاب کی وجہ سے طبیعت پریشان ہوئی جاتی تھی تیز دھوپ آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دوپہر کے وقت جس قدر شدید گرمی وادی الملوک میں ہوتی ہے اس قدر مصر بھر میں کہیں نہیں ہوتی ہوگی۔ ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی ریتلی پہاڑیاں جو آب و گیاہ میں ایسی نظر آتی ہیں گویا پوری زمین پر آبلے پڑ گئے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں کی فضا کا سکوت بھی واقعی شہر خموشاں کا سکوت ہے۔

دھوپ سے بچنے کے لئے وہ ایک شکستہ مقبرہ کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اور وہیں ان کے پاس حمار لوگ (گدھے والے) کھانے پینے کا تمام سامان جو وہ ہوٹل سے لے کر چلے تھے لے آئے۔ تینوں نے مل کر کھایا اور تھوڑی دیر گپ شپ کی۔

مارجوری کی طبیعت پر جو پریشانی اس سے قبل نظر آتی تھی وہ مسز قیطون کی محبت میں کم ہوگئی تھی اور اب وہ خوش و خرم نظر آتی تھی۔ لیکن پھر بھی جب کبھی تنہا ہوتی تھی تو اس کا بہت سا وقت تفکرات میں گزر جاتا تھا اور وہ گھنٹوں دریائے نیل کی خاموش اور پرشور و چمکدار سطح کو تکتی رہتی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ آرام کر کے وہ لوگ پھر گدھوں پر سوار ہوئے اور اس تپتی ہوئی وادی کی مردہ فضا میں سے نکل کر قدیم شہر طیبہ کے کھنڈروں سے گزرتے ہوئے۔ جن میں نہ معلوم کتنے فرعون دبے پڑے ہوں گے، وہ ''رامیشیم'' کے خرابہ پہنچے۔ یہاں رعمسس دوم کا بنایا ہوا ایک عالیشان مندر تھا۔ جس میں خداوند ہامان کی پوجا ہوا کرتی تھی۔

یہاں پہنچ کر وہ گدھوں سے اترے اور برباد شدہ دالانوں، اور ایوان میں پھرنے لگے یہاں ایک نہایت وسیع ایوان جس کے نازک اور خوب صورت ستونوں کے سروں پر کنول اور پھول کٹورے بنے ہوئے تھے۔ ان کی اعلیٰ کاری گری کو دیکھ کر لوگوں کی عقل حیران ہوتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ فن تعمیر، سنگ تراشی اور علم میں وہ لوگ اس قدر ترقی کر چکے تھے جو آج کل کے انجینئروں کے خواب میں بھی نہیں آئی۔ ایوان کے در و دیوار پر رنگین تصاویر تھیں جن میں مختلف قسم کے مناظر دکھائے گئے تھے جگہ جگہ بخط صوری تحریر کردہ تھے جن میں دیوتاؤں کے لیے قصیدے بھجن اور بعض تاریخی واقعات درج تھے۔

سرہنری۔ ''یہ دیکھو اس تصویر میں بادشاہ رعمسس دوم عبادت کر رہا ہے اور ''خداوند نفتاح'' کی پوجا کر کے بخورات جلا رہا ہے۔ دوسری طرف دیکھئے وہ شیر اور انسان پیکر ''سخمت'' دیوی کی پوجا ہو رہی ہے اور وہ سامنے کی تصویر میں پجاری لوگ خداوند ہامان کی کشتی اتیت لئے جا رہے ہیں۔ ایک دوسری کشتی میں ماتا دیوی ہے اور تیسری میں خداوند خونسو ہے۔ واقعی یہاں کی تصویریں نہایت عمدہ اور سبق آموز ہیں۔''

اس وقت مارجوری ایک دیو پیکر عقاب کے بت کے سایہ میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ مقبروں میں پھرنے اور ادھر گھومنے سے اس کا سفید لباس میلا ہو گیا تھا۔

مارجوری۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تصویریں آپ نے پہلے بھی کہیں دیکھی ہیں۔''

سرہنری۔ ''ہاں کئی بار دیکھی ہیں۔ لیکن جو کیفیت فرناق میں نظر آتی ہے اس سے زیادہ یہاں رامیشیم میں ہے۔ دیکھیے ہزاروں برس گزر چکے ہیں لیکن اسی طرح مضبوط ہے گویا کل ہی بنی ہے اور اس پر منطقۃ البروج (آسمان کے بارہ بروج) کی تصویریں بنائی گئی ہیں وہ بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔''

مارجوری۔ ''میں بھی یہاں چار سال گزرے اپنے والد کے ہمراہ آئی تھی۔ انہوں نے میر نفتاح کا مقبرہ کھودنے میں مدد دی تھی۔ وہ دن بھی یاد رہیں گے کہ کس تکلیف کے ساتھ گزرے تھے۔ بہت سی چیزیں ملی تھیں جو سب قاہرہ سے عجائب خانہ میں بھیج دی گئی تھیں۔

سرہنری۔ ''افسوس آپ لوگوں کے ساتھ میں نہ ہوا۔ میرے بھی دل میں آرزو ہے کہ آثار قدیمہ کھود کر نکالوں اور میں نے ارادہ کیا کہ کسی دن حکومت مصر سے اس کام کے لئے اجازت حاصل کروں۔''

مارجوری۔ ''لیکن اس میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ جس قدر نوادرات دستیاب ہوتے ہیں وہ سب قاہرہ چلے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک تو بہت بڑی زیادتی ہے کہ جو شخص اس قدر محنت کر کے چیزیں برآمد کرے اس کے قبضہ میں کچھ بھی نہ رہے۔ آپ ہی خیال فرمائیے کہ مسٹر ڈیویس نے کس قدر جانفشانی کر کے نہایت عمدہ عمدہ چیزیں نکالیں اس غریب کے پاس ایک بھی چیز نہ رہنے دی گئی۔''

سرہنری۔ ''یہ تو بہت اچھا ہوا۔ کیونکہ بمقابلہ اس کے ایسی نادر چیزیں کسی شخص کے ذاتی قبضہ میں رہیں ان کا عجائب خانہ میں رہنا زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ یہاں وہ لوگ ان کا خوب مطالعہ کرسکیں گے جن کو آثار قدیمہ سے خاص دلچسپی ہے۔''

مارجوری۔ ''ناصاحب اگر اکتشاف کے وقت مجھ کو کوئی نایاب چیز ملے تو میں تو اس کو اپنے ہی پاس رکھنا پسند کروں گی خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کھدائی کے اخراجات میں اپنی جیب سے ادا کروں۔''

یہ لوگ رائیشیم میں تقریباً ایک گھنٹہ تک سیر کرتے رہے۔ اس کے بعد تو تھمیس سوم کے تباہ شدہ مندر کو دیکھنے چلے گئے۔ اب اس مندر کے چاروں طرف ایک دیوار سے احاطہ کھنچوا دیا گیا ہے۔ جب یہاں کی سیر سے بھی فارغ ہو چکے تو وہ ساڑھے چار بجے کے قریب اپنے گدھوں پر سوار ہوئے اور اس طرف سے گزرے جہاں کھیتوں میں ممنون کے دیوزاد بت کھڑے ہیں۔ ان بتوں کا رخ دریائے نیل کی طرف ہے۔ یہاں سے یہ جماعت ان کھیتوں میں ہوتی ہوئی جن میں دریائے نیل سے آبپاشی ہوتی ہے دریا کے کنارے پہنچی۔ جہاں ہوٹل سے آئی ہوئی کشتیاں ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

جب کشتیوں میں سوار ہو کر یہ لوگ دریا کے پار ہونے لگے تو شام ہو گئی تھی۔ سنہری کرنیں گرد و پیش کی چیزوں اور خصوصاً دریا کے پانی پر پڑ کر عجیب لطف دکھا رہی تھیں۔ اسی اثناء میں ایک حبشی ملاح نے جس کے چہرے پر قدرت نے ضرورت سے زیادہ تارکول پھیر دیا تھا۔ ایک چھوٹا سا دف نکالا اور گانا بجانا شروع کر دیا۔ ہر شعر کے آخر میں جب وہ ''اللہ اللہ'' کہتا تو فضا گونج جاتی تھی۔

مارجوری کشتی کے کنارے خاموش بیٹھی ہوئی شفق شام کی نور پاشیوں کو دیکھ کر مسرور ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت کچھ عجیب عالم تھا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گہری فکر میں مستغرق ہے اور اپنے مستقبل کے متعلق کوئی خیال دل میں آ کر اس کو ستا رہا ہے۔ سرہنری اور مسز قیطون نے بھی اس کی یہ حالت دیکھی۔ حبشی ملاح کا وہ عربی گیت اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ اس قسم کی راگ راگنیوں سے اس کے کان بچپن سے آشنا تھے۔ اور

اس کے دل میں اس راگ کے سننے سے کوئی ایسا خیال آ رہا تھا جس کو وہ دل سے نکال ڈالنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ خیال اس کے دل، اس کی روح بلکہ اس کے تمام حواس پر حاوی ہو رہا تھا۔ وہ اس کا ایک راز تھا۔ ایسا راز جس کو سوائے اس کے اور خدا کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ اگر کوئی بات مسز قیطون کہتی تھیں تو اس کا جواب مارجوری کی زبان سے بحالت نیم شعوری خود بخود نکل جاتا تھا لیکن اب جو اس نے آنکھیں کھول کر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ وہ الاقصر کے ساحل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

نصف گھنٹہ بعد تینوں شخص ہوٹل کے سامنے چبوترہ پر بیٹھے چائے پیتے نظر آئے۔ چاروں طرف سے مختلف قسم کے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دماغ کو معطر کر رہی تھی۔ چاروں طرف دیگر پارٹیاں بھی شغل چائے نوشی میں مصروف تھیں اور صحرائے اذیقہ کی خوش رنگ شام کے منظر کا لطف اٹھا رہی تھیں۔

ہوٹل کے بلند پشتہ کے نیچے دریائے نیل کے کنارے اونٹوں کی ایک لمبی قطار ساحل بحیرۂ احمر کی طرف خاموشی کے ساتھ آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھیں۔ ان پر وہ مال سوداگری لدا ہوا تھا جو بندرگاہ اسکندریہ سے آیا تھا۔ دس دس بیس بیس اونٹوں کے درمیان ایک ایک اونٹ پر بیٹھا ہوا نظر آتا تھا اس کی عبا اس کے جسم سے لپٹی اور اس کے کندھے پر ایک رائفل لٹکی ہوئی تھی۔

اس وقت سامنے کی سفید رنگ مسجد کے بلند مینار سے فضائے بسیط میں مؤذن کی صدائے اللہ اکبر بلند ہوئی اور یہ وہ پر جلال آواز تھی جو اس وقت تمام دنیائے اسلام میں طنجہ سے لے کر سنگاپور تک مومنین کی دعوت دیتی تھی کہ وہ خدائے ذوالجلال لاشریک لہ کے دربار میں حاضر ہو کر سر عبودیت خم کریں۔ اللہ اکبر!

اس وقت مارجوری تکان کا عذر کر کے اٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازے بند کر لئے لیکن پلنگ پر جا لیٹنے کے بجائے وہ کھڑکی میں کھڑی ہو کر دریائے نیل کے اس پار دیکھنے لگی جہاں سے وہ ابھی سیر کر کے آئی تھی۔ جو کسی زمانہ میں عروس البلاد''......صد ابواب'' ''بیس ہزار جنگی رتھوں والا شہر'' مشہور تھا۔ جس کا نام مصری خطوط صوری میں ''یوست'' (سر) اور توریت میں ''نا ہیوم تحریر تھا اور اب جس کے کھنڈر اہل بصیرت کے لئے عبرت کا سبق پیش

کر رہے تھے۔ اس وقت شام کی مٹرگشت کے بعد ماریہ اور فلپا بھی واپس آئیں اور ماریہ حیران ہوکر بولی۔

ماریہ۔ ''اوہو بیگم! مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ تشریف لے آئی ہیں۔ آج اتفاق ہے میری ملاقات بطرس غالی بے سے ہوئی تھی۔ بستی کے باہر قرناق کی سڑک پر اتفاق سے مل گئے۔''

مارجوری۔ ''ہاں کچھ کہتے تھے۔ کیا میری نسبت کچھ دریافت کرتے تھے۔''

ماریہ۔ ''نہیں بیگم کہتے تو کچھ نہیں تھے۔ انہوں نے مجھے آپ کے نام ایک خط دیا ہے۔ یہ لیجئے۔ اس قدر زبانی بھی کہا تھا کہ وہ آپ سے نہایت ضروری ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ الاقصر سے چلے جائیں گے۔''

مارجوری۔ ''کیا فلپا نے بھی ان کو دیکھا تھا۔ اس کو تو کسی قسم کا شبہ نہیں گزرا۔''

ماریہ۔ ''نہیں فلپا کچھ نہیں سمجھی۔ کیونکہ وہ تمام باتیں عربی زبان میں کر رہے تھے۔''

مارجوری۔ ''اور تم نے ان کی بات سمجھ لی۔''

ماریہ۔ ''ہاں۔ میں نے اس قدر عربی سیکھ لی ہے کہ صاف صاف باتیں سمجھ لیتی ہوں۔''

مارجوری۔ ''پھر فلپا نے تم سے کچھ نہیں پوچھا۔''

ماریہ۔ پوچھا تو تھا لیکن میں نے اس کو یقین دلا دیا کہ وہ میرے جاننے والے ہیں۔ یہ خط بھی انہوں نے مجھے چھپا کر دیا تھا۔ بس فلپا کو صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ میری ان کی شناسائی ہے اور کبھی کبھی صاحب سلامت بھی ہوجاتی ہے۔ اس وقت مجھے یہی تدبیر ٹھیک معلوم ہوئی۔''

مارجوری۔ ''بہت ٹھیک! کیونکہ جو بات فلپا کو معلوم ہوجائے گی وہی بات وہ مسز قیطون سے کہہ دے گی۔ بس اس بات کا خیال رکھو۔''

ماریہ۔ ''ہاں۔ یہ بات میں خوب جانتی ہوں۔''

مارجوری نے خط کھولا جو ایک باریک کاغذ کے اکہرے ورق پر لکھا ہوا تھا اور جس کا مضمون عربی رسم الخط میں تحریر تھا۔ مارجوری نے وہ خط پڑھا جس کے پڑھتے ہی اس کا چہرہ افسردہ ہوگیا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش بے حس وحرکت کھڑی رہی۔ اس کے بعد اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ''ساڑھے پانچ بجے ہوں گے۔'' وقت دیکھ کر اس نے آہستہ سے کہا۔

مارجوری۔ ''دیکھو بطرس بے اس وقت ہال میں میرے منتظر ہوں گے۔ تم نیچے جاؤ اور ان کو یہیں بلا لاؤ۔''

ماریہ۔ ''بہت اچھا۔ لیکن......''

مارجوری۔ ''لیکن کیا؟''

ماریہ۔ ''ممکن ہے مسز قیطون کو یہ حال معلوم ہوجائے۔''

مارجوری۔ ''اب یہ تمہارا کام ہے۔ یہ بات ان کو ہرگز معلوم نہ ہونی چاہئے۔ میرے لئے ان سے ملنا لازم ہے۔ مجھے ملاقات کے لئے مجبور کیا گیا ہے۔ خیر جاؤ اور بلا لاؤ۔''

ماریہ نیچے گئی اور دو تین منٹ بعد ایک ورزشی جسم کا شخص کوٹ پتلون اور ترکی ٹوپی پہنے ہوئے مارجوری کے پرائیویٹ کمرہ میں داخل ہوا جو اس وقت اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس شخص نے داخل ہوتے ہی مارجوری کو جھک کر سلام کیا۔

مارجوری۔ ''اس وقت حضور نے مجھ کو کس لئے سرفراز فرمایا۔ آپ مجھ کو اس طرح کب تک ستائے جائیں گے۔ میں آپ سے عاجز آ گئی ہوں۔''

بطرس۔ ''اگر میری ذات سے جناب کو ایک لحہ کے لئے بھی تکلیف ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں دانستہ نہیں آیا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ لیکن......''

مارجوری۔ ''معافی وعافی کی کچھ ضرورت نہیں۔ بس یہ ہماری آخری بات چیت ہے۔ یاد رکھنا میرے جسم پر آپ کی کرم فرمائیوں کا نشان اب تک موجود ہے۔''

بطرس۔ ''ہاں میری محبت کی مہر ثبت ہوگی۔''

مارجوری۔ ''تم! ایک مصری قبطی کو اس ہوٹل میں آنے کا کیونکر حوصلہ ہوا۔''

بطرس۔ ''آپ کے لئے میں ہر بات کی جرأت کرسکتا ہوں۔ آپ پر میری جان قربان ہے۔''

مارجوری۔ ''دیکھو تم میری توہین کر رہے ہو۔ اگر تم یہاں سے فوراً کالا منہ نہ کر گئے تو میں سیدھی مدیر (گورنر) کے پاس جا کر شکایت کروں گی۔''

بطرس۔ ''لیکن حضور یہ تو فرمائیں کہ جب آپ کی ذات اور آپ کی تمام دولت میری ہاں مجھ بطرس غالی بے کی ملکیت ہے تو ہزایکسلنسی مدیر صاحب کیا کریں گے۔''

مارجوری نے یہ الفاظ سن کر اور کسی قدر گھبرا کے پیچھے ہٹ گئی۔

بطرس (بگڑ کر) یہ بھی خیال رکھئے کہ آپ کی قوم کے لوگ اور آپ کے یہ نئے رفیق قیطون بن حام اور دیگر آشنا یا شناسا اس وقت کیا کہیں گے جب ان کو یہ حقیقت معلوم ہوگی کہ آپ میری منکوحہ ہیں۔ ہاں ایک مصری قبطی کی منکوحہ ہیں۔ ہاں اسی شخص کی جو اس وقت آپ کے سامنے کھڑا ہے اور جس کی صورت سے آپ اس قدر بیزار ہیں۔"

یہ کہتے ہی بطرس غالی بے، شیر کی طرح بپھر کر جھپٹا اور مارجوری کا دست مرمریں تھام کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے گھورنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔

☆......☆......☆

ریحانہ۔"ہٹ مردود! ہائے اللہ میری کلائی ٹوٹی۔ دور ہو یہاں سے۔ نکل۔ ورنہ میں اسی وقت گھنٹی بجا کر ہوٹل کے منیجر کو بلاتی ہوں۔"

مارجوری۔ یا ریحانہ نے جھٹک کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اس کا جسم غصہ سے کانپ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے اور اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

بطرس۔"جو آپ کا جی چاہے کیجئے۔ لیکن آپ کے انگریز دوستوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے گا کہ آپ مصریوں سے ملاقاتیں کرتی ہیں تو آپ ان کی نظروں سے گر جائیں گی۔"

ریحانہ۔ (نفرت وحقارت سے)"میں تم سے سخت نفرت کرتی ہوں۔ تم انسان نہیں حیوان ہو۔ جاؤ یہاں سے کالا منہ کرو۔ سنتے ہو؟ میں تم سے سخت نفرت کرتی ہوں۔"

بطرس۔"آپ کی نفرت سے میری عزت افزائی ہوتی ہے۔ (سلام کر کے)"اول نفرت سے پیدا ہوگی پھر وہ خود بخود محبت سے بدل جائیگی۔ عورت کی فطرت ہمیشہ متضاد جذبات کا معجون مرکب ہوتی ہے۔"

ریحانہ۔"ہرگز نہیں۔ مجھے کبھی تم سے محبت نہ ہوگی۔ مجھے تم اس لئے ستاتے ہو کہ تم نے سمجھ لیا کہ اب اس کا سرپرست یا نگہبان کون بیٹھا ہے۔ آج میرا کوئی بھائی ہوتا یا کم از کم کوئی قریبی رشتہ دار مرد ہی ہوتا تم مجھ سے اس قسم کی باتیں کرنے کی جرأت ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ دیکھو تم نے مجھ کو کس قدر تکلیفیں دی ہیں۔ کس قدر میرا دل دکھایا ہے۔ ہر جگہ تم میرے پیچھے

سایہ کی طرح لگے رہتے ہو۔"

بطرس۔"اس کی وجہ صرف اور صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ مجھے تم سے عشق ہے۔"

ریحانہ۔"عشق اللہ تعالیٰ کا ایک آسمانی انعام ہے جو تم جیسے لوگوں کو ہرگز نہیں مل سکتا۔ نا اہلوں کے دل میں عشق کی جگہ نہیں ہو سکتی۔"

لیکن اس ناخواندہ مہمان نے یہ تمام باتیں سن کر مسکرا دیا۔ اس کے دل پر خاک اثر نہ ہوا۔ اور عام طور پر ایسا ہوتا بھی ہے کہ دولت مند آدمی لوگوں کے کہنے سننے سے کم متاثر ہوتے ہیں۔ اس وقت بہ لحاظ دولت وحشمت، اثر اور قوت کے مصر بھر میں بطرس غالی بے کے مقابلہ کا کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔ وزارت اس کے ہاتھ میں کھلونا تھی اور گورنمنٹ پر وہ خود حکومت کرتا تھا۔ قاہرہ کی سرمایہ دار دنیا میں اس کا نام انگشتری سلیمانؑ جیسا طلسمی اثر رکھتا تھا۔ تمام سرکاری عہدے دار اس کے ہاتھ میں موم کی گڑیا تھے۔ جن چالاکیوں، فریب کاریوں اور دغابازیوں سے اس نے اس قدر دولت جمع کی تھی۔ ان کا جاننے والا صرف ایک شخص تھا یعنی خدیو مصر۔

سوائے خدیو کے مصر بھر میں بطرس بے اور کسی شخص سے نہیں ڈرتا تھا۔ لیکن چونکہ گزشتہ دو تین سال کے اندر اس سے گورنمنٹ مصر کا بہت بڑا لین دین ہو گیا تھا۔ اس لئے مجلس وزارت کا ہر رکن انفرادی حیثیت سے اس کا غلام بنا ہوا تھا۔ مصر میں جو انگریز اعلیٰ انتظامی عہدوں پر تھے۔ وہ بھی بطرس بے کی بے شمار دولت اور اثر کو دیکھتے ہوئے اس سے کوئی تعارض نہ کرتے تھے۔ بلکہ برعکس ازیں اس کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے اور جس غلط طریقہ سے وہ لین دین کرتا تھا اس سے چشم پوشی کرتے تھے۔

الغرض بطرس بے اس وقت مصر میں پورا فرعون بنا ہوا تھا۔ خدا کی شان ہے کہ ایک زمانہ میں جب وہ لڑکا تھا تو اس کے پاس نہ کھانے کو تھا نہ پہننے کو چیتھڑا، عیسائی مشنریوں نے اس پر رحم کھا کر اپنے یتیم خانہ میں داخل کر لیا تھا اور علاوہ ازیں پرورش کے اس نے تعلیم بھی مشن اسکول ہی میں پائی تھی اور اب وہی بطرس ہے جو بطرس غالی بے کہلاتا ہے اور جو مصر میں سب سے زیادہ دولت مند ہے۔ یہ شخص انتہا درجہ کا وطن فروش بھی تھا اور مصر پر انگریزوں کے تسلط کا سبب

سے بڑا حامی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انگریز عہدیدار بھی اس کا خاص خیال کرتے تھے اور وہ ان کے زیر سایہ ہر طرح کی بے اعتدالیاں کر بیٹھتا تھا۔ قوم کے لحاظ سے چونکہ قبطی تھا لہٰذا قدیم قبطی کلیسیا کا پیرو عیسائی تھا اور سچ تو یہ ہے کہ اس کا مذہب تو روپیہ تھا۔

عقل و فہم اور سلیقہ شعور اس کو مشن کی تعلیم سے خوب آ گیا تھا اور پادریوں کی سفارش سے اس کو مصر کے مشہور و معروف کروڑ پتی ساہوکار اور حامی بنی نوع انسان انگریز مسٹر مارگین کولیر نے اپنے یہاں نوکر رکھ لیا تھا۔ یہاں اس نے اس قدر دیانت، ذہانت اور جانفشانی سے کام کیا کہ مسٹر موصوف نے بہت جلد ترقی دے کر اس کو اپنا معتمد خاص بنا لیا اور سچ تو یہ ہے کہ اس شخص کی جانفشانی سے مسٹر موصوف کو لاکھوں پونڈ کا فائدہ بھی ہوا۔

مسٹر مارگین کولیر کے معتمد خاص کی حیثیت سے اس کی عزت و وقار بھی لوگوں میں بہت بڑھ گیا تھا۔ جب سے مسٹر موصوف کا انتقال ہوا تو وہ بحیثیت ساہوکار مصر کے طبقہ فلاحین (کاشتکاروں) میں لین دین کرنے لگا۔ یہ وہ زراعت پیشہ طبقہ ہے جو وادی النیل میں اسیوط سے لے کر الصوان تک تمام اراضی کی کاشت کرتا ہے الغرض مصر کے تمام فلاحین کسی نہ کسی طرح سے اس کے قرض دار تھے۔

وادی النیل کے ہر بڑے شہر و قصبہ میں اس کے گماشتے تعینات تھے۔ جو نہایت چالاک اور بے ایمان اور بے مروت ہوتے تھے۔ وہ بڑھی ہوئی شرح سود پر فلاحین کو قرض دینے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے اور وصول کے وقت ایک روپیہ کی رعایت نہ کرتے تھے۔ خود بطرس بھی سخت آدمی تھا اور اسی کی دیکھا دیکھی اس کے گماشتے بھی لوگوں پر ہر طرح سختی کرتے تھے اور چونکہ بطرس اسے کوئی رعایت یا مروت نہیں کرتا تھا، اس سے وہ بھی کسی سے مروت کرنے کے روادار نہ تھے۔

اگرچہ انگریزوں کے وضع کردہ قانون کے بموجب اس قسم کے سخت گیرانہ قرضے ممنوع تھے۔ پھر بھی انگریز عہدے دار سیاسی خیالات کی بنا پر بطرس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے تھے اور اس کو غریب اور جفاکش کاشتکاروں کا شکار کرنے سے نہ روکتے تھے۔

قاہرہ رومتہ الکبریٰ پیرس لندن اور قسطنطنیہ کی اعلیٰ سوسائٹی میں بطرس غالی بے کو نہایت

مہذب اور شائستہ جنٹلمین خیال کیا جاتا تھا۔ اس کا ہر زبان میں لب و لہجہ صاف، فصیح اور مہذب ہوتا تھا۔ اس کی باتیں نہایت دلچسپ، خوشگوار اور فاضلانہ ہوتی تھیں اور چونکہ وہ ہر جگہ نہایت فراخدلی سے روپیہ خرچ کرتا تھا اس لئے اس کے دوست بھی ہر جگہ بہت سے ہو گئے تھے۔ لیکن پرائیویٹ طور پر اس کے عادات و اطوار نہایت ذلیل تھے۔ وہ کبھی کبھی قاہرہ کی تاریک و تنگ گلیوں میں کسی محششہ (وہ جہاں حشیش یعنی بھنگ کے مرکبات پئے جاتے ہیں) میں گھس کر لوگوں سے باتیں بنانے اور دو چار دم حشیش کے لگانے سے بھی نہیں چوکتا تھا اور اس کی اصل غرض یہ ہوتی تھی کہ ان لوگوں میں گھس کر انگریزی تسلط کی نسبت لوگوں کے خیالات معلوم کرے۔ اسی طرح اس نے مخبری کر کے سینکڑوں آدمیوں کو جیل میں ڈلوا دیا تھا۔

بطرس بے کا ایک نہایت عالیشان محل ہیلیو پولیس یا بیت الشمس میں تھا۔ دوسرا اس سے بھی زیادہ شاندار محل اس نے لب دریائے نیل ایک خوشنما باغ میں بمقام مصر الجدید بنوایا تھا جو قاہرہ کے مشہور ہوٹل سیوائے کے سامنے تھا۔

یہی وہ مکار، چالاک، دغاباز اور بے مروت شخص تھا جس سے مارجوری یا ریحانہ کو واسطہ پڑا تھا۔ پھر کیا تعجب کی بات تھی جو اس نے اپنی حفاظت کے خیال سے مسز قیطون کے دامن محبت کی پناہ لی۔ لیکن اس کو پہلے ہی سے یہ خیال تھا کہ اگر اس کے نئے دوستوں کو بطرس بے کا حال معلوم ہو گیا تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔

اس وقت ریحانہ غصہ سے لال پیلی ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے نفرت و حقارت برس رہی تھی۔ لیکن وہ ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح بطرس کے سامنے سینہ تانے کھڑی تھی۔

ریحانہ۔ ''آخر تم یہاں آئے کیوں؟ کیا تم کو یہ خیال نہیں کہ یہاں تمہاری موجودگی سے میری بے عزتی ہو گی۔''

بطرس۔ ''تو حضور اس کی مجھے کیا پروا۔ مجھے اس سے کیا غرض کہ انگریزنیں، آپ کی نسبت کیا کہیں گی۔''

ریحانہ۔ ''بے شک! بے شک!! میں تمہیں خوب جانتی ہوں۔ زبان سے تو اس قدر لمبا چوڑا دعوائے عشق اور پھر میری بے آبروئی سے لاپروائی۔''

''ہاں تم کو ایک یار و مددگار لڑکی کے جذبات کی کیا پروا۔''

بطرس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ریحانہ کا ہاتھ پکڑنا چاہا جس میں پلاٹینم دھات کا ایک سادہ کڑا تھا۔ ریحانہ نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

بطرس۔''اف! میری جان تم مصر بھر میں سب سے خوب صورت ہو۔ تم پر میری جان جاتی ہے۔''

ریحانہ۔''دیکھو میری نسبت اس قسم کے الفاظ نہ نکالو۔ ورنہ میں خود یہاں سے چلی جاؤں گی۔ دیکھو پھر سن لو مجھے تمہاری صورت سے نفرت ہے۔''

بطرس۔''عاشقوں سے معشوق اسی طرح ناز کیا کرتے ہیں۔''

ریحانہ (غصے سے)''میں تمہاری معشوق کیوں ہونے لگی؟''

بطرس۔''یہ وحشت رفتہ رفتہ زائل ہو جائے گی۔ یہ نفرت وحقارت دور ہو جائے گی۔ ایک سال انتظار کی تکلیف اور باقی ہے۔ یہ دن بھی گزر جائیں گے۔ جن میں قوت ہوتی ہے وہ بار گراں سے نہیں گھبراتے۔ ان تھک لوگ مسافت راہ کی کب پروا کرتے ہیں۔''

ریحانہ۔''یوں ہی مر جاؤ گے۔''

بطرس۔''موت کا بھی ایک دن مقرر ہے۔ موت سے کوئی شخص بھاگ نہیں سکتا۔ اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو یوں ہی سہی۔ ہزاروں فرہاد نامراد اور مجنوں دل شکستہ مر گئے۔ اگر بطرس بھی مر جائے گا تو کیا ہوگا لیکن تمہارے عشق کا داغ قیامت تک دل میں رہے گا۔''

ریحانہ۔''تمہارا جھوٹا عشق تو قبر میں جائے گا۔''

بطرس۔''افسوس آپ مجھے جھوٹا خیال کرتی ہیں۔''

ریحانہ۔''بس مجھ کو جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی۔''

بطرس۔''یہی نا کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔''

ریحانہ۔''یہی۔''

بطرس۔''یہ تو آپ ہمیشہ کہتی رہتی ہیں اور میں یہ کہتا ہوں کہ ایک دن یہی نفرت محبت میں تبدیل ہو جائے گی۔''

ریحانہ۔''جس طرح آفتاب کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا محال ہے اسی

طرح میرے دل میں تمہاری محبت پیدا ہونا بھی ناممکن ہے۔ میں تمہاری نہیں ہو سکتی۔''

بطرس۔''یہ بھی آپ کا خیال خام ہے۔ آپ میری ہیں اور میری ہو کر رہیں گی اور جس قدر جلد آپ اس بات کو سمجھ جائیں اسی قدر اچھا ہے۔''

ریحانہ۔''ایسا ہرگز نہیں ہوگا قیامت تک نہیں ہوگا۔''

بطرس۔''خیر آپ جائیں۔ نتائج کی ذمہ دار خود آپ ہوں گی۔ آپ اب بچہ نہیں ہیں۔ آپ مجھ کو خوب جانتی ہیں۔ مجھے کوئی شخص انگلیوں پر نہیں نچا سکتا۔ میں آپ کو پھر جتائے دیتا ہوں کہ آپ میری ہیں۔ میری ہیں۔ اور قانوناً میری ہیں۔''

ریحانہ۔''او بے وقوف۔ قانون کا اثر صرف جسم تک محدود ہے۔ کسی کے دل پر کوئی قانون حکومت نہیں کر سکتا۔ دل صرف ایک قانون کا ماننے والا ہے۔ وہ قانون ''عشق'' ہے۔ قانون میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں پکڑا سکتا ہے۔ مگر میرے دل کو تم سے محبت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔''

بطرس۔''خیر آپ بہت جلد دیکھ لیں گی کہ کیا ہوتا ہے۔ آپ خود میرے پاس چلی آئیں گی۔''

ریحانہ۔''میں خوب جانتی ہوں کہ ملک میں تمہارا اثر کس قدر بڑھا ہوا ہے۔ تم اپنی دولت کے بل پر ناجائز سے ناجائز کارروائی کر سکتے ہو اور کرتے رہتے ہو۔ اور اپنی دولت کے ذریعہ سے تم ہر بات پر قادر ہو۔ تمہارے خلاف ایک لفظ بھی کوئی شخص زبان سے نہیں نکال سکتا۔ گورنمنٹ پر بھی تم حکومت کرتے ہو لیکن بطرس غالی بے میں تم سے صاف کہے دیتی ہوں کہ اگر تم نے پھر میرے پاس آ کر اس طرح ستانے کی کوشش کی تو تمہارے تمام جھگڑوں کا خاتمہ کر دوں گی۔ یاد رکھنا میں ایک انگریز کی لڑکی ہوں۔ کوئی غلام قبطی مجھ پر حکومت نہیں کر سکتا ہے۔ سمجھ گئے؟ نہ سمجھے ہو تو پھر سمجھ لو۔''

بطرس۔''کس قدر دلیرانہ کلام ہے۔ میں آپ کے الفاظ کی داد دیتا ہوں۔ ایسا ہی آپ پہلے بھی کہہ چکی ہیں۔''

ریحانہ۔''بس یہ طنز کی باتیں رہنے دیجئے۔ اگر مجھ کو رسوائی کا خیال نہ ہوتا تو میں اسی روز رات کو جس روز تم نے مجھ پر حملہ کیا تھا گورنر سے شکایت کر کے تمہاری مشکیں کسوا دیتی۔''

بطرس۔ ''گورنر بھی تمہاری باتیں سن کر مذاق اڑاتا۔ اور ہنس کر ٹال دیتا۔''

ریحانہ۔ ''گورنر ایسا ہرگز نہیں کرسکتا۔ وہ ازروئے قانون کا پابند ہے کہ مصریوں کے خلاف غیر ملکیوں کی شکایتیں توجہ کے ساتھ سنے۔''

بطرس۔ ''خیر آپ ایسا کرتیں تو خوب بات ہوتی۔ لوگوں کو معلوم تو ہو جاتا کہ آپ مصریوں سے تخلیہ میں خوب باتیں کرتی ہیں۔ آپ کے تمام دوست آپ سے نفرت کرنے لگتے اور آپ کا جینا دوبھر ہو جاتا۔''

ریحانہ۔ (فرش پر غصہ سے پیر مار کر) ''مردود یہاں سے تو اپنا کالا منہ کرے گا یا نہیں۔ جاؤ! میں تیری طاقت، تیری دولت اور تیری شوکت و حشمت کو خاک بھی نہیں سمجھتی۔ چل دور ہو۔ فی النار والسقر۔''

بطرس۔ ''بس اب معلوم ہو گیا کہ سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکل سکتا۔ اب مجھ کو کسی قدر سخت اور ناخوشگوار تدبیر اختیار کرنی پڑے گی۔''

ریحانہ۔ ''جاؤ جو چاہے کرو۔ نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ دیکھو اگر تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو تو تم میری نیک نامی، میری عزت و آبرو اور میری خواہشات کا ضرور خیال رکھو گے۔''

بطرس۔ ''آؤ! اور گلے لگ جاؤ، دیکھو قدرت نے یہ پیارا منہ گالیوں کے لئے نہیں بنایا بلکہ بوسوں کے لئے بنایا ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے ریحانہ کو پکڑ لیا لیکن جس طرح اس مہ جبیں نے اس روز رات کو لڑ جھگڑ کر اپنی جان بچائی تھی اسی طرح آج بھی وہ ہاتھ پاؤں مار کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ وہ اس وقت ہمہ تن غضب تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھایا اور انگلی کے اشارے سے دروازہ کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

''شیطان کے بچے نکل جا اس کمرہ سے اور کبھی اپنی منحوس صورت نہ دکھانا اگر نہیں جائے گا تو میں ابھی گھنٹی بجا کر منیجر کو بلاتی ہوں اور تمہاری حرکتوں کی شکایت کرتی ہوں اور یاد رکھنا تم۔ اگر آئندہ میرے کمرے میں آئے تو ذلیل و خوار کر کے نکلوا دیئے جاؤ گے۔''

بطرس بے کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اس نے ہونٹ چبا کر کہا۔

''آپ یہ دھمکی نہ دیں۔ خیر میں جاتا ہوں۔ لیکن یاد رکھنا او غزال رم خوردہ جہاں چاہے چوکڑیاں بھرتا پھر لیکن بالآخر بندھے گا میری ہی رسی میں۔ تم میری ہو اور میری ہو کر رہو گی۔''

☆......☆......☆

افق مشرق پر سپیدہ صبح نمودار ہوا ہے۔ آفتاب عالمتاب کی سنہری کرنوں نے دریائے نیل کی وسیع سطح پر پڑ کر جس میں نسیم سحری کے ہلکے ہلکے جھونکوں نے خفیف سا تلاطم بھی پیدا کر دیا ہے۔ نیل کو دریائے نور بنا دیا ہے۔

مارجوری یا ریحانہ اور بطرس غالی بے کی ناگوار ملاقات کو آج دس روز گزر چکے ہیں۔ مارجوری خوب صورت ریشمی لباس میں ملبوس ناز و انداز سے بیٹھی ہوئی ہشاش بشاش نظر آ رہی ہے۔ بظاہر لبوں پر تبسم ناز ہے۔ لیکن یہ کسی کو خبر نہیں کہ اس کے دل کی دنیا میں خیالات و جذبات کی کس قدر محشر خیزیاں ہو رہی ہیں۔

کھانے کے وقت مارجوری نے اچانک اطلاع دی کہ اب اس کا دل الاقصر سے اکتا گیا ہے اور مشورہ دیا کہ کل صبح ریل میں سوار ہو کر الصوان چلنا چاہئے۔ پھر وہاں اتوار کے روز شلال سے چلنے والے ہفتہ وار جہاز میں بیٹھ کر بلا والنوبیہ سے گزر کر دریائے نیل کی دوسری آبشار واقع وادی حلفا تک پہنچنا چاہئے۔ اس کو یقین تھا کہ ملک کے اس جنگلی حصہ میں جہاز کے اندر وہ اپنے ستانے والے سے محفوظ رہے گی۔

چنانچہ سر ہنری اور مسز قیطون کو اصلی وجہ کی خبر بھی نہ ہوئی اور دوسرے روز شام کو ریل میں سوار ہو کر مارجوری کے ساتھ الاقصر سے روانہ ہو گئے اور ایک روز بعد الصوان پہنچ کر وہاں کے مشہور ہوٹل میں جو آبشار اول پر واقع ہے، مقیم ہوئے، یہاں بھی عیش پسندوں کی وجہ سے خوب چہل پہل تھی۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کر کے وہ پھر بذریعہ ٹرین شلال پہنچے۔ جو جزیرۃ البیریہ یا نلائی کے مقام پر واقع ہے۔ یہاں وہ ''پرنس عباس'' نامی چھوٹے سے جہاز میں سوار ہو کر روانہ ہوئے یہ جہاز رات کے وقت منزل پر لنگر انداز ہو جاتا تھا اور اس طرح اس دوسرے سفر میں ان کو تقریباً ایک ہفتہ لگا اور وہ دریائے نیل کے دوسرے آبشار تک پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے قہوہ پیا اور خشکی پر اتر گئے ان کا ایک حبشی ملازم حسن بھی ساتھ تھا۔

اگر چہ ابھی اندھیرا ہی تھا۔ لیکن وہ قدم بڑھا کر چلتے رہے اور جس وقت آفتاب کی اپنی شعاع افق مشرق سے نمودار ہوئی تو وہ مقام ابو سمبل کے مشہور و معروف عالیشان مندر میں کھڑے ہوئے تھے۔ جو رعمسس دوم نے پہاڑ کاٹ کر تعمیر کرایا تھا اور جو ساڑھے تین ہزار برس سے ابھی تک اسی طرح موجود تھا اور ایک قدیم اور از یاد رفتہ تمدن کی شان گم گشتہ کی ترجمانی زبان حال سے کر رہا تھا۔

باب السوان یعنی وادی حلفاء سے جس کو ملک سوڈان کا پھاٹک کہتے ہیں۔ 40 میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹے سے گاؤں کے سامنے جس کا نام زارق ہے وہ عالیشان مندر ہے جو رعمسس دوم نے اپنے معبود خداوند ''آمن رع'' کی پرستش کے لئے پہاڑ کٹوا کر تعمیر کرایا تھا۔ اگر چہ یہ مندر بہت عجیب وغریب ہے لیکن دور ہونے کی وجہ سے سیاح لوگ یہاں بہت کم آتے جاتے ہیں۔

مندر سے باہر پہاڑی میں بنے ہوئے رعمسس کے چار دیوزاد بت تھے۔ جن میں وہ کرسی پر بیٹھا ہوا اس طرح نظر آرہا تھا کہ اس کا منہ جانب مشرق تھا اور اس کے ہاتھ زانو پر رکھے ہوئے تھے۔ ان بتوں کے چہرہ سے عجیب شان، متانت و سنجیدگی برس رہی تھی جس کو دیکھ کر ہر شخص کا دل متاثر ہوتا تھا۔ ان دیوزاد بتوں کے قد وقامت کا یہ حال تھا کہ سرہنری قیطون بن حام جو خاصے کشیدہ قامت شخص تھے کھڑے ہو کر بھی بت کے پاؤں کے انگوٹھے کی نصف موٹائی تک نہیں پہنچتے تھے۔ ایک بت ٹوٹ کر گر گیا تھا لیکن اس کے آثار ہنوز باقی تھے۔ بت کے سر پر ایک طویل وعریض کانس تھی جس پر مندر کے مقدس بندروں اور لنگوروں کی سنگین تصویریں تھیں اور وہ یہ سب آفتاب کی طرف منہ کئے اس طرح نظر آتے تھے گویا پوجا کر رہے ہیں۔

جب یہ لوگ مندر میں پہنچے تو وہاں کا حبشی نگہبان کندھے پر بندوق رکھے آپہنچا۔ دروازہ میں گھستے ہوئے سرہنری نے فرمایا۔

''یہ عجیب وغریب جگہ دیکھنے کی میرے دل میں ہمیشہ سے تمنا تھی۔ پچھلی مرتبہ جو میں یہاں آیا تھا تو وقت کی تنگی نے موقعہ نہ دیا۔ دیکھئے یہ تاریک عظیم الشان دالان اور دیوان محض سورج کی پرستش کے لئے تعمیر کئے گئے تھے اور یہ اس ڈھنگ سے بنائے گئے ہیں کہ طلوع

آفتاب کے وقت صرف گھنٹہ بھر ان کے اندر دھوپ آسکتی ہے۔ آفتاب کی منور شعاعیں پہلے اس عالیشان ایوان میں آتی ہیں اور یہاں سے گزر کر سیدھی مورتی بھون میں پہنچتی ہیں۔ جہاں خداوند آمن رع کی مورتی رکھی ہوئی تھی یہ وہ پاک اور مقدس جگہ تھی جہاں سوائے بادشاہ اعظم اور راج پروہت کے کوئی دوسرا شخص قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ دیکھئے۔ وہاں اب بھی چار دیوتاؤں کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ایک بت نفتاح کا ہے دوسرا ہامان کا تیسرا ہر ماخیس کا اور چوتھا خود رعمسس دوم کا جس کو مرنے کے بعد دیوتا قرار دے دیا گیا تھا۔''

مارجوری۔ ''اس میں شک نہیں کہ الاقصر قرناق بھی عجیب وغریب مقامات ہیں۔ اور ہرم اعظم کے اندر گھس کر یا دندیرہ کے مندروں میں جا کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ لیکن صحرائے نوبہ کے سنہرے ریگستان کا یہ عالیشان مندر ان سب سے زیادہ عجیب وغریب اور پر اسرار ہے۔''

سرہنری۔ ''بے شک۔ لیکن بات یہ ہے کہ جو سیاح سردی کے موسم میں مصر کی سیر کرنے آتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو دوسرے آبشار تک آنے کی تکلیف گوارا کریں۔ ان کے نزدیک تو ملک مصر ایک عیش خانہ یا عشرت کدہ ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ الصوان تک آکر پلٹ جاتے ہیں اور ہوٹلوں میں رنگ رلیاں مناتے رہتے ہیں۔ بہت کم حوصلہ مند ایسے ہیں جو وادی حلفاء یا خرطوم پہنچیں۔ کوئی مصریات کا شوقین ہے یہاں تک آنے کی تکلیف گوارا کر سکتا ہے واقعی عجائبات مصر میں یہ جگہ سب سے اچھی ہے۔''

ان لوگوں کے قریب ہی ایک حبشی چوکیدار پشت پر بندوق لٹکائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں لیمپ تھا جس کی روشنی میں یہ جماعت مندر کی سیر کر رہی تھی۔ مارجوری نے چوکیدار سے عربی زبان میں بات چیت کی تو اس نے بتایا کہ وہ وہیں رہتا ہے اور غار کے اندر جو مندر ہے اس کے ایک کمرہ میں وہ رات کو سوتا ہے۔ مندر کے در و دیوار پر ہزاروں قسم کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اس کے چاروں طرف چمگادڑیں پھڑ پھڑاتی پھرتی ہیں اور وہیں ان لوگوں کے بھوت بھی رہتے ہیں جو کسی زمانہ میں ان مندروں کے دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔

جہاں یہ لوگ کھڑے تھے اس کے پیچھے ایوان جلوس تھا۔ جس کے لمبے لمبے عظیم الشان

ستون خداوند ادی ریس کے ایستادہ بت کی صورت کے تراشے گئے تھے۔ اب آفتاب کی روشنی بھی کمروں میں کافی داخل ہونے لگی تھی اور وہ جگہ بھی روشن ہو چلی تھی جہاں دیوتاؤں کے بت رکھے ہوئے تھے۔

مسز قیطون۔ واقعی یہ عجیب و غریب مقام ہے۔ صرف یہی ایک مقام اس لائق ہے جس کی سیر کے لئے انسان کو انگلستان سے یہاں تک آنا چاہئے۔ میں چھ مرتبہ مصر میں سیر کر چکی ہوں لیکن اس سے زیادہ مؤثر منظر اب تک نظر سے نہیں گزرا تھا۔''

مارجوری۔ ''واقعی یہ عجیب جگہ ہے۔ میں اس کا ذکر تو سنا کرتی تھی لیکن یہ خیال نہیں تھا کہ وہ ایسا عجب مقام ہوگا۔''

یہ کہہ کر وہ اس ایوان ذات العماد کے دیوتا نما ستون کو دیکھنے لگی جوادی ریس کے دونوں ہاتھ سینہ پر صلیب کی صورت میں تھے۔ ایک ہاتھ میں عصائے رحمانی اور دوسرے میں تازیانہ عبرت تھا۔ نظریں نیچی تھیں۔

عبادت گاہ سے نکل کر یہ لوگ دیگر کمروں اور ایوانوں کی سیر کو بڑھے۔ لیکن مارجوری پر اس عالیشان ایوان کے منظر کا کچھ ایسا اثر ہوا تھا کہ وہ وہیں محو حیرت کھڑی رہ گئی سر ہنری اور مسز قیطون دونوں دیگر کمروں میں جا گھسے۔

مارجوری ان مندروں میں جا کر تنہائی پسند کرتی تھی اور عالم تصور میں قدیم زمانہ کا نقشہ جما کر وہ دیکھتی تھی کہ کس طرح زرق برق زرو جواہرات میں غرق خداوند رع کے پروھتوں، بھگتوں، داسیوں، اور مرلیوں کے خاص غول ہاتھوں میں طلائی و نقرئی تھالیوں میں چڑھاوے لئے ان دالانوں اور ایوانوں میں سے گزرتے ہوں گے اور کس طرح سورج بھگوان کا اوتار بادشاہ رعمسس معہ اپنے درباریوں اور اشتیاق حکومت کے یہاں آ کر نکلتے ہوئے آفتاب کی پوجا کیا کرتا ہوگا۔ مگر اب افسوس۔ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

نکلتے ہوئے آفتاب کی سنہری کرنیں مارجوری کے جسم نازنین پر پڑ کر اس کو نور کی پتلی بنا رہی تھیں اور وہ اپنے دلفریب خیال میں مستغرق تھی کہ اس وقت اس کے کانوں میں کسی کی دھیمی سی آواز پڑی۔ وہ فوراً اس طرف متوجہ ہوئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ اس کے سامنے ایک عربی سفید

ریش، بوڑھا کھڑا ہے۔ جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی بوسیدہ سیاہ لباس اس کے جسم پر ہے اور رومال بطور عمامہ باندھے ہوئے ہے۔ اس شخص نے نہایت فصیح عربی زبان میں سلام کیا۔ جس کا مارجوری نے بخندہ پیشانی اسی زبان میں جواب دیا۔ وہ پہلے تو یہ سمجھی تھی کہ شاید کوئی مندر کا نگہبان یا چوکیدار ہے۔ لیکن جب اس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں حسب ذیل گفتگو شروع کی تو وہ بہت حیران ہوئی۔

بوڑھا۔ ''میں یہاں آپ سے ملنے آیا ہوں۔ حسان ابن الملک نے جو میرا دوست ہے مجھ کو اطلاع دی تھی کہ آپ ابوسمبل کی سیر کو تشریف لے گئی ہیں۔''

مارجوری۔ ''حسان ابن الملک! ہاں میں اس کو جانتی ہوں۔ کہیے آپ کیا چاہتے ہیں؟''

یہ سنتے ہی بوڑھے نے مارجوری کو اپنا کارڈ دیا۔ یہ بھی ایک حیرت انگیز بات تھی کہ اس دور افتادہ بے آب و گیاہ ریگستان کے رہنے والے ایک عربی بوڑھے کے پاس اسی کے نام کے چھپے ہوئے خوب صورت ملاقاتی کارڈ تھے۔ کارڈ پر لاطینی (یورپین) حروف میں اس عربی بوڑھے کا نام ''ابراہیم فرید'' چھپا ہوا تھا اور اسی کے نیچے یہی نام عربی حروف میں درج تھا اور پھر اس کارڈ پر نقشی روشنائی سے عربی حروف میں حسب ذیل الفاظ تحریر تھے۔

بخدمت لیڈی مارجوری کولیر صاحبہ

حامل ہذا میرا دوست ہے

حسان ابن الملک

مارجوری نے کارڈ کا مضمون پڑھ کر بوڑھے کی طرف دیکھا جو اس کے سامنے مؤدب کھڑا تھا۔ عمر میں وہ تقریباً ستر برس کا ہوگا اور خد و خال سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے زمانہ میں وہ اگر حسین نہیں تھا تو جمیل تو ضرور تھا۔

مارجوری نے سر سے پیر تک بوڑھے پر قیافہ شناسانہ نظر ڈالی۔ بوڑھے کے بشرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہت نیک اور شریف آدمی ہے اور اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

مارجوری۔ ''اچھا تو تم مجھ سے بات چیت کرنا چاہتے ہو۔ کہو کیا کہتے ہو؟''

ابراہیم فرید۔ ''آپ کو ان مندروں کی سیر اور مصریات کے مطالعہ کا شوق ہے۔ آپ

خداوند رع، ادی ریس، ہوروس اور دیگر دیوتاؤں کا حال جانتی ہیں۔"

مارجوری۔ "بیشک میں نے مصری خطوط صوری کا مطالعہ کیا ہے اور میں قدیم مصری مذہب سے بھی واقف ہوں۔"

اب سورج کی کرنیں پوری طرح سے مندر کے اندر پہنچ گئی تھیں اور بوڑھے عربی کا چہرہ بھی پوری طرح نظر آ رہا تھا۔ مارجوری نے دیکھا کہ بوڑھے کی آنکھوں میں ایک عجیب و غریب پر اسرار روشنی ہے جو اس نے آج تک کبھی نہ دیکھا تھا۔ بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر ایک طرف اشارہ کیا۔

ابراہیم۔ "ہر روز ایک گھنٹہ صبح کو خداوند رع ان در و دیوار کو جلوے دکھاتے ہیں۔ یہ بادشاہ کی تصویر ہے۔ جو دیوتا کے سامنے بخورات جلا کر سجدہ کر رہا ہے اور یہ اتیت کی تصویر ہے جو سورج کی مقدس کشتی ہے اور یہاں بادشاہ اپنے رع کی پوجا کر رہا ہے۔ وہ دیکھئے دوسری طرف بھی مقدس کشتی کی تصویر ہے ابو سمبل میں ایسی کشتیاں بہت نظر آئیں گی۔ خداوند رع (سورج) ان کشتیوں میں بیٹھ کر جن کو اتیت کہتے ہیں آسمان کے نیلے سمندر پر سیر کرتے ہوئے مشرق سے مغرب تک گزر جاتے ہیں اور یہ دیکھئے اس تصویر میں تین خدا ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ یہ من، ما آت، ہامان ہیں۔ ممکن ہے ہندوؤں کی تثلیث جو برہما، بشن، مہیش پر مشتمل ہو یہیں سے گئی ہو رعمسس دوم خود کو سورج کا بیٹا کہتا تھا۔ اس کی اولاد، آل ہامان رع کہلاتی تھی۔ ممکن ہے انہیں مصری شہزادوں میں سے کسی نے ہندوستان پہنچ کر وہاں کے سورج بنسی راجاؤں کی بنیاد ڈالی ہو کیا آپ ان کتبوں کو پڑھ سکتی ہیں۔"

مارجوری نے کتبوں کو نہایت روانی سے پڑھنا شروع کیا اس وقت سورج کی شعاعیں چاروں بتوں پر خوب پڑ رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان سنگین اجسام میں روح پڑ گئی ہے اور وہ بت اپنے پرستاروں کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ بوڑھے نے مارجوری کی موجودگی کا بھی کچھ خیال نہیں کیا اور بتوں کی یہ حالت دیکھ کر وہ فوراً ان کے سامنے سجدے میں گر پڑا اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر اس نے ہر بت کے قدموں پر تین تین سجدے کئے اور قدم بوسی کی۔

مارجوری کو اول تو یہ خیال گزرا کہ عربی بوڑھا اس وقت باوضو ہوگا اور وہ نماز اشراق ادا کر رہا

ہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کی سجدہ بازی قبلہ رو نہیں ہو رہی ہے تو وہ بہت حیران ہوئی۔

بوڑھے نے اپنے پتلے دبلے ہاتھ دعا کے لئے ان سنگین بتوں کے سامنے اٹھائے واقعی وہ اس وقت سورج ہامان رع کی پرستش کر رہا تھا۔

مارجوری دم بخود کھڑی ہوئی اس کی تمام حرکتیں دیکھ رہی تھی۔ گویا دنیا میں قدیم مصری دیوتاؤں کا پرستار یہی ایک شخص باقی رہ گیا تھا۔

اب بھی بوڑھے نے مارجوری کی موجودگی کا کچھ خیال نہیں کیا اور جس وقت شعاع آفتاب پورے جلال کے ساتھ بتوں پر پڑنے لگی تو اس نے بآواز بلند قدیم مصری زبان میں خداوند رع کی حمد و ثنا کرنی شروع کی۔ یہ حمد نہایت خوب صورت الفاظ میں تھی جن کو مارجوری ابھی دیوار کے کتبہ میں پڑھ چکی تھی۔ جو حسب ذیل ہے۔

"حمد و ثنا تیری اے معبود! عالم کا معبود! جو مقام نو (مشرق) سے طلوع ہوتا ہے۔ اے معبود جس وقت تیرا ظہور ہوتا ہے تو تمام کائنات نور سے معمور ہو جاتی ہے۔ تیری تجلی کا ظہور ہوتے ہی تمام دیوتا اور اپسرائیں خوش الحانی کے ساتھ بآواز بلند تیرے بھجن گانے لگتی ہیں۔ اے شمال و جنوب (مصر سفلی وعلوی) کے بادشاہ جس وقت تو جنم لیتا ہے تو آسمان کی مقدس دیویاں میر تائی تیری پرورش کرتی ہیں اور آسمان پہ "طلالا" لوری کر کے تیرا گہوارہ ہلاتی ہیں۔ جب تو طلوع ہوتا ہے تو مرد و زن میں جان پڑ جاتی ہے۔ دنیا بھر کی امتیں تیرا خوب صورت منور چہرہ دیکھ کر بغلیں بجاتی ہیں اور شہر عون کی روحیں شادیانے بجا کر تیری شان اقدس میں گیت گاتی ہیں۔ شہر نخیب (الملعب اور القم الاحمر کی روحیں، وہاں کے مرد و زن اور تمام حیوانات، نباتات، جمادات تیری ستائش کرتے ہیں شہر سبا کی دیوی ملکہ تیرے دشمنوں کو مغلوب کرتی ہے پس تو بھی اتیت کی سواری میں مسرور و شادمان ہو۔ تیری کشتی کے ناخدا بھجن گا رہے ہیں اور تیرا دل خوشی سے پھولا جاتا ہے اے تمام دیوتاؤں کے مالک معبود! جب تو نے دیوتاؤں کو پیدا کیا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ شام کی آسمانی دیوی نوت تجھ کو گود میں کھلا رہی ہے اور مشرق کے دیوتا نو نے چشمہ خورشید میں دھو کر نور کا تاج تیرے سر پر رکھ دیا ہے۔ اے میرے معبود اپنے نور سے میرے جسم و جان کو منور کر دے اور اپنا حسن و جمال میری آنکھوں کو دکھلا اور جب تیری

پر جلال سواری مشرق سے مغرب کی طرف روانہ ہوگی تو میں تیرے حمد وستائش میں گیت گاتا رہوں گا۔ تیرے پر جلال نور نے تمام کائنات کو منور کر دیا ہے۔ تیری شعاعیں زمین وآسمان میں نور پھیلا رہی ہیں۔ آسمان کی سرزمین ان گل دریاحین کی خوشبو سے معطر ہو رہی ہے جو تیری ناک کو خوشگوار معلوم ہوتی ہے جب تو آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو تیرے تاج پر شیش ناگ اپنے صد ہا پھن کھولے ہوئے سایہ کرتا ہے۔ اے دنیا کے بادشاہ اور معبود تمام قوانین تیرے بنائے ہوئے ہیں۔ تمام دیوار اور دنیا کی تمام مخلوق تیری پرستش کرتی ہے اور تیرے بھجن گاتی ہے۔''

یہ دعا پڑھنے کے بعد بوڑھے نے پھر تین مرتبہ بتوں کے پاؤں چومے اور سجدے کئے اس کے بعد اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھر اٹھائے اور قدیم مصری زبان میں پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں یہ دعا کی۔

''اے دنیا کے مالک معبود! تیرا گھر پردۂ ظلمات میں پوشیدہ ہے۔ اے معبود ادسی ریس اور ہوروس کو حکم دے کہ وہ دونوں ملکر اس انگریز خاتون کی مدد کریں جو اس وقت تیرے دربار میں حاضر ہے اور مرت نصر دیوی کو حکم دے کہ وہ اپنے نور سے اس بیگم کے جسم و جان کو منور کرے اور تو اے بادشاہ پر جلال و جبروت بدی کو قوت اور اطمینان عطا کر۔''

بوڑھے عربی نے مرت نصر دیوی کی مدد چاہی تھی۔ یہ ان بارہ ناگ پیکر دیویوں میں سے ہے جن کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ برٹش میوزیم میں قدیم زمانہ کی دستیاب شدہ ایک کتاب موجود ہے جس کا نام صحیفۂ آم توات ہے اس میں ان دیویوں کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ''توات'' یعنی وہ پردۂ ظلمات کو نور سے منور کر دیتی ہیں۔

مارجوری۔ ''تو کیا اے ابراہیم فرید تم آفتاب پرست ہو۔ خداوند ہامان رع کے پرستار ہو۔''

ابراہیم۔ ''جی ہاں۔ نہ میں عیسائی ہوں نہ مسلمان۔ میں قدم مصری نسل کا آدمی ہوں۔ میرے باپ اور دادا صدہا پشتوں سے آفتاب پرست یعنی خداوند ہامان کے پرستار چلے آئے ہیں۔ سوائے میرے جس کو خداوند ہامان نے اپنے خاص فضل سے علم و دانش عطا فرمائی ہے اور کوئی شخص مصر بھر میں آفتاب پرست نہیں ہے۔

مارجوری نہایت حیرت زدہ اس عجیب وغریب بوڑھے کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی جو خود کو خداوند ہامان کا پجاری بتاتا تھا۔ واقعی بات بھی عجیب تھی۔

ابراہیم فرید۔ ''سنو بیگم مجھ کو حسان ابن الملک سے معلوم ہوا ہے کہ تم کو ہمارے دیوتاؤں سے بہت دلچسپی ہے۔ میں بھی تم کو ایک قدیم مصری راز جو پشتہا پشت سینہ بہ سینہ بطور اسرار سر بستہ چلا آیا ہے بتانا چاہتا ہوں اور وہ ایسی بات ہے جو آج کل کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتی۔ مجھ کو علم و دانش عطا کئے گئے ہیں۔ بس دنیا بھر میں سوائے میرے اور کسی کو وہ راز معلوم نہیں۔ تم آج یہاں میرے پاس آدھی رات گئے آنا تمہارا جہاز کل صبح تک یہیں لنگر انداز رہے گا۔ دیکھو تمہارے ساتھی آرہے ہیں۔ میں ان کی نظر میں آنا نہیں چاہتا۔ میں تمہارا انتظار مندر کے سامنے جو بڑا درخت ہے اس کے نیچے کروں گا۔ اچھا سلام۔''

یہ کہا اور وہ پراسرار بوڑھا جو آفتاب پرست اور خداوند ہامان کا پرستار تھا سر ہنری اور مسز قیطون کے آنے سے قبل مندر میں گھس گیا۔

گرمی بے حد پڑ رہی تھی۔ تمازتِ آفتاب کی وجہ سے فضا لہرا رہی تھی۔ اور پسینہ سر سے پاؤں تک بہہ رہا تھا۔ اس وقت مارجوری آرام دہ ہلکا لباس پہنے اور کسی خوبصورت جانور کے پروں کی پنکھی ہاتھ میں لئے آرام دہ کرسی پر لیٹی ہوئی ایک جدید ناول پڑھنے میں مشغول تھی۔ جو اس کو جہاز کے کتب خانے سے مل گیا تھا۔ اور بھی مسافر عرشہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سر ہنری قیطون بن حسام اپنے کمرہ میں چلے گئے تھے اور وہاں انہوں نے اپنی کتاب پر وہ تحریریں نقل کرنا شروع کر دی تھیں جو وہ آج صبح مندروں میں سے لکھ کر لائے تھے۔

لیکن مارجوری کا دل اس ناول میں نہ لگا۔ کیونکہ ایک تو گرمی سخت تھی دوسرا اس کا دل اس پراسرار شخص میں تھا جو شہر طیبہ میں آفتاب پرست اور آفتاب کو پوجتا تا۔ جب وہ شخص مارجوری کے پاس موجود تھا تو اس کے دل میں عجیب وغریب جذبات موجزن ہونے لگے تھے۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ بڑا پکا بھگت تھا اور خداوند ہامان رع کا دنیا میں واحد پرستار رہ گیا تھا۔ یہی وہ خدا تھا جس کے لئے فراعنہ مصر نے جگہ جگہ اس قدر عظیم الشان ہیکل اور مندر تعمیر کئے تھے اور جس کے آستان پر ہر روز صبح کو کروڑوں آدمی سر عبودیت خم کرتے تھے۔ اور نجورات،

پھل، پھول، زرو جواہر اور غلام باندیاں چڑھاتے تھے۔

الغرض مارجوری نے اپنے دل میں طے کرلیا تھا کہ وہ پراسرار بوڑھا مصری جو ایک ایسے مذہب کا آخری پیرو باقی رہ گیا ہے۔ جو مصر سے ہزار ہا سال گزرے مٹ چکا ہے۔ باوجود اپنی خستہ حالی کے ضرور ملنے کے قابل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس قدر قدیم مصری مذہب کی معلومات اور آفتاب پرستی کی عجیب وغریب رسمیں اور دعائیں اس پراسرار بوڑھے کو معلوم تھیں وہ بڑے سے بڑے یورپین فاضل اور ماہر مصریات کو بھی حاصل نہیں تھیں۔ واقعی علم ودانش میں وہ بے نظیر تھا۔

چونکہ بوڑھے مصری نے تمام باتیں پردۂ راز میں رکھنے کی تائید کردی تھی۔ اس لئے مارجوری نے بھی اپنی ملاقات کا کسی سے تذکرہ نہیں کیا تھا خود بوڑھے ابراہیم فرید کی بھی یہی خواہش تھی کہ اس کا راز کسی کو معلوم نہ ہو۔ اس نے آفتاب کی پرستش بھی کی تھی۔ تو سب سے چھپ کر کی تھی۔ جس کا حال صرف مارجوری کو معلوم تھا۔ اور باوجود یکہ وہ اس قدر خستہ حال تھا، لیکن بشرہ سے غیر معمولی شخص معلوم ہوتا تھا اور اس کی باتیں سن کر ہر شخص اس پر اعتماد کرنے لگتا تھا۔

اس روز جہاز بھی محض اس خیال سے دن بھر لنگر انداز رہا تھا کہ سیاحوں کو آثار قدیمہ اور مندروں کی سیر کا موقعہ ملے۔ لیکن بوجہ شدت گرمی کسی شخص کا حوصلہ باہر نکلنے کو نہیں پڑتا تھا صرف جہاز کے چند افریقی ملاح بستی میں خرید وفروخت کے لئے گئے اور بعض نے کنارہ پر اتر کر دریا میں کپڑے دھوئے اور غسل کیا۔

اس رات کو گیارہ بجے حسب معمول جہاز کی روشنی گل کردی گئی تھی اور اس کے ایک گھنٹہ بعد جب سناٹا ہوگیا تو مارجوری خاموشی کے ساتھ دبے پاؤں اپنے کمرہ سے نکلی اس کے دل میں اس سفید ریش بوڑھے مصری سے ملنے اور اس سے مصریوں کا قدیم راز معلوم کرنے کا بے حد شوق ہو رہا تھا۔ ابراہیم فرید نے وہ قدیم راز بتلانے کا خود وعدہ کیا تھا۔ اور مارجوری جانتی تھی کہ اگرچہ بہت سے مصری اسرار، ماہرین مصریات نے معلوم کرلئے ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی ہونگے جو صرف ابراہیم فرید کو معلوم ہوں گے۔ وہ جہاز سے بے دھڑک نکلی اور دریا کے کنارے پہنچ گئی۔

چوکیدار جو وردی پہنے اور بندوق کندھے پر ڈالے بیٹھا تھا مارجوری کو ادب سے سلام کیا۔ لیکن وہ خاموشی کے ساتھ سلام کا جواب دے کر آگے بڑھی۔ اس وقت چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ اگرچہ سردی جاڑوں کی چاندنی عموماً بیکار خیال کی جاتی ہے۔ لیکن مصر میں چاندنی راتیں جوانی کی راتوں اور مرادوں کے دنوں سے کم نہیں ہوتیں۔ کیونکہ یہاں اس قدر سردی نہیں پڑتی جیسی شمالی ملکوں میں ہوتی ہے۔ اس وقت دودھیا روشنی تھی اور گردونواح کے ریگستان کے ریت پر چاند کی ٹھنڈی شعاعوں نے دلکش عالم پیدا کردیا تھا۔ گویا ایک بحر ناپیدا کنار موجیں مار رہا ہے۔

مارجوری اپنے قدم بڑھائے جارہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئی جہاں فرعون رعمس دوم کے چار دیوذات بت آسمان سے باتیں کررہے تھے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر وہ مندر کے دروازہ پر پہنچ گئی اور اس سنگین چبوترہ پر جا کھڑی ہوئی جو مندر کے سامنے تھا۔ اس چبوترہ پر چاروں طرف خداوند ادی ریس کے مقدس عقاب اور دیگر دیوتاؤں کے عزیز جانوروں کی تصویریں تھیں۔ ہندوستان میں بھی اسی قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ جن کو دیوتاؤں کی سواریاں کہتے ہیں۔ مثلاً گنیش جی کا چوہا، مہادیو جی کا بیل، لکشمی کا کنول، سرستی کا مور اور کالی کا شیر وغیرہ۔ جس سے خیال گذرتا ہے کہ قدیم مصریوں اور ہندوؤں میں کوئی مذہب یا معاشرتی تعلق ضرور تھا۔ اور اس خیال کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ہندوؤں میں بہت سے لوگ مصرا، یا مصرجی کہلاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے آباواجداد مصر سے آئے تھے۔

اس وقت ریگستان میں موت کا سا سناٹا طاری تھا اور مارجوری تن تنہا اس ویرانہ میں موجود تھی۔ اس نے چبوترہ پر قدم رکھا ہی تھا کہ مندر کے سامنے بڑے درخت کے سایہ میں کسی کی نقل وحرکت معلوم ہوئی اور ایک منٹ بعد ایک طویل القامت لاغر جسم شخص خاموشی کے ساتھ قدم بڑھا کر مارجوری کے سامنے آیا۔ اور اس کو عربی زبان میں آہستہ سے سلام کیا۔ یہ ابراہیم فرید تھا۔

ابراہیم۔ ''خداوند ہامان رع بیگم صاحبہ کو سلامت رکھیں۔''

مارجوری۔ ''واللہ میں تو ڈر گئی تھی۔ واقعی رات کے وقت یہ بڑی خوفناک جگہ ہے۔''

ابراہیم۔ ''(عربی میں) یہ خداوند ہامان کا دربار ہے اور وہ اپنے بھگتوں کو علم و دانش عطا فرماتا ہے۔ وہ اپنی آسمانی کشتی اتیت میں سوار ہو کر عالم۔ آم توات۔ (پردۂ ظلمات) کی سیر کرتا ہے۔ اور تفریح کرتا ہوا مغرب سے مشرق کی طرف آتا ہے۔ اور وہاں ہامان تیت (مشرق) کے افق پر نمودار ہوتا ہے۔ بیگم صاحبہ آپ کو تو خداوند ہامان رع کے ہر گھنٹہ کے سفر کا حال معلوم ہوگا۔ اور غالباً آپ کو ان خطبات اور ارشادات کا بھی علم حاصل ہوگا، جو خداوند دیوتاؤں کو سناتے ہیں۔ آپ کو دیوتاؤں کے بھجن یاد ہوں گے۔ اور ان دیوتاؤں کی کارکردگی بھی معلوم ہوگی جو دنیا کی تباہی پر تعینات ہیں۔''

مارجوری۔ ''ہاں! میں نے صحیفۂ آم توات کا جو برٹش میوزیم میں ہے ترجمہ پڑھا ہے۔''

ابراہیم۔ ''بس ان باتوں پر کامل اعتقاد رکھو اور خداوند ہامان رع تم کو علم و دانش عطا فرمائیں گے۔ دیکھو جس طرح موت کا دیوتا آف اپنی سکتیت نامی کشتی میں سوار ہو کر دوپہر سے غروب آفتاب تک سیر کرتا پھرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی علم و دانش کا نورانی تاج سر پر رکھے ہوئے تمام عمر سیر کرو گی۔''

مارجوری۔ ''اس رمز کو میں نہیں سمجھ سکی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

ابراہیم۔ ''غالباً نہیں سمجھی ہوں گی۔ تمہارا خداوند ہامان پر ایمان نہیں ہے۔ تم صرف معلومات حاصل کرنا چاہتی ہو۔ اور چونکہ تم علم کی متلاشی ہو اس لئے تم کو علم عطا کیا جائے گا۔''

بوڑھے مصری کی باتیں سن کر مارجوری دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ واقعی عربی اور ایرانی نہایت فصیح البیان اور شیریں زبان ہوتے ہیں۔ وہ ہیکل ہامان کے حدود میں کھڑی ہوئی تھی۔ جو دنیا کے عجائبات میں سب سے زیادہ دلچسپ چیز ہے اور اس کے دل میں ان عظیم الشان عمارتوں اور مندروں کو دیکھ دیکھ کر ایک قسم کی ہیبت پیدا ہو رہی تھی۔ آج سے کئی ہزار برس پیشتر بلکہ مشہور و معروف متلون المزاج اور عیش پسند ملکۂ مصر قلوپطرہ سے بھی ایک ہزار سال پہلے ان ایوانوں میں بھگتوں، پجاریوں، اور مرلیوں کے شاندار جلوس صبح کے وقت نکلتے تھے۔ اور خداوند ہامان رع یعنی سورج کی حمد و ستائش کر کے چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ یہ نور کا خدا

تھا۔ جس کی صورت مندروں اور ایوانوں کی تصویروں میں اس طرح دکھائی جاتی تھی کہ اس کے سر پر مصر علوی و سفلی کا دوہرا تاج ہوتا تھا۔ تاج قرص آفتاب کی تصویر ہوتی تھی اور اس کو دو شیش ناگ دیبیان میر تو نامی سنبھالے ہوتی تھیں۔ یہ وہی مندر تھا جہاں صاحب جلال و جبروت فراعنہ مصر کی بیٹیاں داسی خدمتگار بن کر پرستش کیا کرتی تھیں۔

اب دنیا میں اگر کوئی شخص اس قدیم مصری مذہب کا پیرو، آفتاب پرست اور خداوند ہامان کا پرستا باقی رہ گیا ہے تو وہ صرف ایک ابراہیم فرید کا دم ہے۔ یعنی وہی سفید ریش خستہ حال، پر اسرار مصری جو اس وقت مارجوری کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔

ابراہیم۔ ''تم علم کی متلاشی ہو۔ خداوند ہامان رع تم کو علم و دانش دیں گے تم پہلے ہی بہت سی باتیں جانتی ہو۔ بڑی بڑی باتیں جانتی ہو۔ اور بڑے بڑے پروفیسروں سے زیادہ جانتی ہو۔''

یہ کہہ کر بوڑھے نے اپنی سیاہ رنگ عبا کے اندر ہاتھ ڈالا، اور ایک گول سی چیز نکالی جس کو مارجوری نے بادی النظر میں گیند سمجھا۔ یہ گول چیز اس نے مارجوری کے حوالہ کی۔

یہ ایک پتھر کی طرح سخت چیز تھی۔ اور سمجھ میں نہ آتی تھی کہ کیا چیز ہے۔ پوری طرح دیکھنے کے لئے وہ اس کو ہاتھ میں لیئے ہوئے چاندنی میں آئی اور غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ مٹی کا بنا ہوا بیضوی شکل کا ایک ہزار سال پرانا قدیم مصری چراغ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ تھا ہزاروں برس کا پرانا۔

ابراہیم۔ ''دیکھو اس کے سر پر دیکھو قرص خورشید کے چاروں طرف مقدس ہنومان جی (بندر) بیٹھے ہیں۔''

مارجوری نے غور سے دیکھا تو واقعی اس سوراخ کے گرد جس میں سے تیل ڈالا جاتا تھا۔ ابھرا ہوا آفتاب نما حلقہ ہے اور اس کے دو طرف دو بندر بیٹھے ہیں اور اس حالت میں گویا آفتاب کی پوجا کر رہے ہیں۔ چراغ کے پیٹ میں ایک اور چھوٹا سا سوراخ تھا جس میں بتی ڈالی جاتی تھی۔

ایک نادر چیز ہونے کی حیثیت سے یہ واقعی ایک نہایت گراں قدر اور بیش قیمت چیز تھی۔

مارجوری نے اس قسم کے چراغ پہلے بھی اپنے والد کے مجموعہ نوادرات لندن، پیرس، اور برلن کے عجائب خانوں میں دیکھے تھے۔ لیکن ان پر بندروں کی ابھری ہوئی تصویریں نہ تھیں۔ یہ تحفہ جو بوڑھے مصری نے پیش کیا تھا واقعی قابل قدر تھا۔ جسے مارجوری نے دل سے قبول کیا۔

ابراہیم۔ ''اگر تم علم کی متلاشی ہو تو ابراہیم کی ہدایات پر عمل کرو۔ خداوند ہامان رع تم کو بہت بڑا علم عطا فرمائیں گے۔ بوڑھا ابراہیم خوب جانتا ہے۔ لو یہ بھی لو۔ (ایک بڑا سا چقماق پتھر کا ٹکڑا ہاتھ پر رکھ دیا) سامنے دریائے نیل کے پاس یہ چراغ لے جاؤ اور وہاں پہنچ کر اس پتھر سے چراغ کو توڑ ڈالو۔ بس جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر حرف بحرف عمل کرو۔ خداوند علم و دانش عطا فرمائیں گے۔''

مارجوری۔ ''کیا اس چراغ کو توڑ ڈالوں۔ نہیں یہ تو نہایت بیش قیمت اور رکھنے کے قابل نادر چیز ہے۔ اسی قسم کے چراغ قدیم زمانہ میں اس مندر اور ان ایوانوں میں جلائے جاتے ہونگے۔''

ابراہیم۔ ''بیشک یہ خداوند ہامان رع کے بھون کا چراغ ہے۔ لیکن اگر تم علم کی متلاشی ہو اور تم بہت سے قدیم مصری اسرار معلوم کرنا چاہتی ہو تو اس چراغ کو توڑ ڈالو۔ خداوند ہامان علم و دانش عطا فرمائیں گے۔''

یہ کہہ کر بوڑھے مصری نے مارجوری سے ہاتھ ملایا۔ مؤدبانہ لیکن شان کے ساتھ عمامہ پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا۔ اپنی عبا سنبھالی اور قدم بڑھا کر تاریک عمارتوں کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ مارجوری نے چاہا کہ اس سے اور کچھ دریافت کرے اور اسی واسطے اس نے بوڑھے کو آوازیں بھی دیں۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور چلا گیا۔

مجبوراً مارجوری وہ چراغ اور پتھر لئے ہوئے دریائے نیل کی طرف مڑی۔ اول اول تو اس کے دل میں کسی قدر گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ لیکن جب وہ قدم بڑھا کر دریا کے کنارے جو چاندنی رات میں دریائے شیر کی طرح چمک رہا تھا پہنچی تو وہ گھبراہٹ جاتی رہی اور وہ پر اسرار بوڑھے کی باتوں پر ہنسی۔ اور کہنے لگی کہ بوڑھا بہت نیک اور بے ضرر آدمی ہے، لیکن وہ ہامان رع کی قدیم پرستش کی رسم و راہ کا بہت بڑا ماہر نظر آتا تھا۔

اب وہ سوچنے لگی کہ وہ اس نادر چراغ کو توڑ ڈالے یا قائم رکھے۔ پھر سوچنے لگی کہ آخر وہ کیا اسرار ہوں گے جو خداوند ہامان اس پر منکشف کرنا چاہتے ہیں۔ کشمکش و پیچ میں مبتلا وہ دریا کے اس مقام پر پہنچی جہاں جہاز لنگر انداز تھا کسی قدر فاصلہ پر تھا۔ یہاں وہ رکی اور اپنے دل میں مستقل ارادہ کر لیا کہ وہ چراغ کو توڑ کر ضرور خداوند ہامان سے قدیم مصری اسرار کا راز معلوم کرے گی۔

چنانچہ اس نے بائیں ہاتھ میں چراغ اور داہنے ہاتھ میں پتھر لیکر زور سے ضرب لگائی اور اس چراغ کے سیکڑوں ٹکڑے کر دیئے۔

اس کے بعد سانس لیتے ہی دھوپ کی طرح کھلی ہوئی چاندنی اس کو ماند نظر آنے لگی اور اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی۔ اس کا سر چکرایا۔ اور معلوم ہوا کہ زمین اس کے پاؤں کے تلے سے نکلی جاتی ہے۔

اسی حالت میں اس کو عالم خیال میں ایک چہرہ نظر آیا۔ گویا وہ پر اسرار ابراہیم فرید خونخوار آنکھیں نکالے ہوئے اس کو گھور رہا ہے۔ اس کا چہرہ سیاہ تھا۔ اور اس سے قطعی مختلف تھا جو اس نے تھوڑی دیر پہلے مندر کے سامنے چاند کی روشنی میں دیکھا تھا۔ مارجوری نے بولنا چاہا، لیکن اس کی زبان نے اجازت نہ دی اس کا حلق خشک تھا اور زبان سوکھ کر تالو سے لگ گئی تھی۔

وہ دل میں بہت گھبرائی اور سوچنے لگی کہ اس پرانے چراغ میں کیا اسرار تھا۔ جو اس کی یہ حالت ہوگئی۔ وہ یہی سوال ابراہیم فرید کی خیالی صورت سے کرنا چاہتی تھی لیکن وہ صورت فوراً غائب ہوگئی۔

اس کے بعد اس نے کچھ فاصلہ پر کسی کو عربی زبان میں باتیں کرتے سنا، لیکن الفاظ مارجوری کی سمجھ میں نہ آئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ باتیں دور ہو رہی ہیں۔

جس حالت میں وہ اس وقت مبتلا ہوگئی تھی، اس سے نکلنے کے لئے اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ بہت کوشش کی لیکن سب بے کار ثابت ہوئی۔ اس کا سر زیادہ چکرانے لگا۔ اس کی ناک میں ایک عجیب قسم کی تیز بدبو چڑھ کر اثر کر گئی تھی اور اس کو محسوس ہوتا تھا کہ اس کا دماغ اندر ہی اندر جل رہا ہے۔ اس نے چاہا کہ جھپٹ کر جہاز میں پہنچ جاؤں اور وہاں کوئی علاج

کروں یا سور ہوں۔لیکن اس کے پاؤں ریت نے پکڑ لئے تھے۔وہ دو قدم چلتی ہوئی بھی تکلیف محسوس کرتی تھی۔ہر قدم پر اس کا سر چکراتا اور پاؤں ڈگمگاتا تھا۔بالآخر وہ پریشان ہو کر اور سر پکڑ کر وہیں دریا کے کنارے ریت پر بیٹھ گئی۔اب سر سر چکرانے لگا،آنکھوں کی بصارت رفتہ رفتہ زائل ہونے لگی۔اور وہ تھوڑی دیر بعد بیہوش ہو کر گر پڑی۔خداوندا ہامان رع کی جے!

☆......☆......☆

مارجوری کو کچھ ہوش نہیں تھا کہ ''میں کون ہوں کہاں ہوں'' وہ دریا کے کنارے ریت پر بے ہوش تھی اور ٹوٹے ہوئے طلسمی چراغ کے ٹکڑے اس کے اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔جس وقت مارجوری بے ہوش ہو کر گری فوراً ابراہیم فرید اندھیرے سے نکل کر اس کی طرف جھپٹا اور آہستہ سے مارجوری کو گود میں اٹھا کر گھوم کے قریب لب دریا لے گیا۔اس جگہ کچھ دنوں پیشتر پتھروں کا پشتہ بنا کر دریا کے زور کو روکا گیا تھا۔اور ان باقی ماندہ پتھروں کے ڈھیر اسی طرح ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔اور یہی وجہ تھی کہ اس طرف کا حصہ جہاز پر سے نظر نہ آتا تھا۔

اونچے اونچے چٹانوں کا سایہ دریا کے پانی پر پڑ رہا تھا کہ عین اس وقت دریا کی سطح پر ایک چھوٹی سی کشتی جس کو دو طاقتور حبشی غلام چلا رہے تھے نمودار ہوئی۔جس وقت یہ کشتی اس جگہ پہنچی جہاں مارجوری کو گود میں لئے ہوئے مکار ابراہیم فرید کھڑا ہوا تھا تو اس نے آہستہ سے عربی زبان میں کہا۔

ابراہیم فرید۔''خدا نے سب کام ٹھیک کر دیا۔تمام کارروائی حسب مرضی ہوئی۔یہ سنتے ہی دونوں حبشی جلدی سے دریا کے کنارے اترے اور بے ہوش مارجوری کو اٹھانے میں ابراہیم کی مدد کرنے لگے۔وہ اس کو کشتی میں اٹھا لے گئے اور آہستگی کے ساتھ عقب کے حصہ کی طرف ریشمی گدے پر لٹا دیا۔''

عین اس وقت چاند کی روشنی بے ہوش مارجوری کے خوبصورت چہرہ پر پڑی۔جو اس قدر سفید اور بے رونق تھا کہ ایک ملاح کو اس کی زندگی کی نسبت شک ہونے لگا۔اور اس نے ابراہیم فرید سے پوچھا۔

ملاح۔''کہیں یہ خاتون مر تو نہیں گیں۔''

ابراہیم۔''نہیں اس کا اندیشہ نہ کرو۔وہ دارو ایسی ہے کہ جب دماغ کو چڑھتی ہے تو صرف بیہوشی پیدا کر دیتی ہے۔جان کو کچھ خطرہ نہیں ہوتا یہ انشاءاللہ گھنٹہ بھر میں ٹھیک ہو جائے گی۔بس اب جلدی اور بلا آواز پیدا کئے یہاں سے نکل چلو۔''

یہ کہتے ہی ایک چپو ابراہیم نے خود ہاتھ میں لیا اور زور سے کشتی چلا کر اس کو دھار میں لے آیا۔

ملاح۔''بجرہ (چھوٹا جہاز) بھی آ گیا ہے۔اور یہاں سے کوئی میل بھر کے فاصلہ پر اس پار کھجوروں کے سایہ میں کھڑا ہے۔''

ابراہیم۔''خاموش! رات کی آواز دور تک جاتی ہے۔''

ملاح۔''چپوؤں کی آواز بھی تو دور تک جاتی ہے۔اللہ جہاز والوں کے کان بہرے کر دے۔ملاح کشتی کو تیز چلا رہے تھے۔جو نیچے کی طرف دھار کے رخ جا رہی تھی۔مارجوری زرد ریشمی گدے پر بیہوش پڑی ہوئی تھی۔اس کے زرد اور مردنی چھائے ہوئے چہرے پر چاند کی پوری روشنی پڑ رہی تھی۔واللہ بوڑھے مکار ابراہیم فرید نے کس مکاری سے اس کو گرفتار کیا تھا کہ اگر آج عمرو عیار بھی زندہ ہوتا تو اس کی عیاری کی داد دیتا۔''

تینوں آدمی خاموشی کے ساتھ کشتی لے جا رہے تھے۔ایک ملاح منہ ہی منہ میں سلامتی کے لئے خدا سے دعا مانگ رہا تھا۔کہ اتنے میں ان کو جہاز پر کچھ ہل چل اور شور و غل کی علامتیں نظر آئیں۔جس کو دیکھ کر وہ بہت گھبرائے۔جہاز پر لوگ گھبرائے ہوئے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔عربی زبان میں بھی شور و غل کی آواز سنائی دیتی تھی۔

بات یہ ہوئی کہ جس چوکیدار نے چلتے وقت مارجوری کو سلام کیا تھا۔اس کی نظر خاموشی کے ساتھ جانے والی کشتی پر پڑ گئی۔اور اس کو مارجوری کی طرف سے کھٹکا پیدا ہوا۔اس نے فوراً جہاز کے عملہ کو خبر کر دی۔تمام ملاح ادھر ادھر دوڑنے لگے اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مارجوری غائب ہے۔

فوراً جہاز کی کشتیاں دریا میں اتاری گئیں۔مسلح ملاح ان میں سوار ہوئے اور اس خاموشی

کے ساتھ جانے والی کشتی کے تعاقب میں گئے۔ یورپین مسافر بھی عرشہ پر کھڑے ہوئے گھبرا کر جانے والی کشتی کو دیکھ رہے تھے۔

ابراہیم فرید کو جس وقت معلوم ہوا کہ ان کی کشتی کا پیچھا کیا جارہا ہے۔اس نے فوراً ملاحوں کو تیزی سے کشتی چلانے کا حکم دیا۔اور اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی دعائیں مانگنے لگا۔اب وہ سچا مسلمان عرب بن گیا تھا۔تھوڑی دیر پہلے کا آفتاب پرست خداوند ہامان رع کا پرستار مصری نہیں رہا تھا۔ابراہیم کی کشتی اس شاندار بجرہ کی طرف اڑی چلی جارہی تھی جو دریا کے دوسرے کنارہ کھجوروں کے سایہ میں کھڑا تھا۔

پرنس عباس۔"جہاز کے رئیس (ناخدا) نے فراری کشتی کو چلا کر ٹھہر جانے کا حکم دیا۔لیکن اس حکم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔مگر جہاز کی کشتی زیادہ تیز رو تھی اور اس میں آدمی بھی زیادہ طاقتور اور مسلح تھے۔"

رئیس۔"(چلا کر) روکو کشتی۔تم لوگ چور ہو۔خدا تم کو غارت کرے۔ٹھہرو۔اگر نہیں ٹھہرو گے تو............"

ابراہیم۔"چلاؤ! چلاؤ!! تیزی سے چلاؤ!! دیکھو تم کو کس قدر بڑا انعام ملے گا۔"

تینوں آدمی دوگنی قوت سے کشتی چلانے لگے۔اب ان کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہوگیا تھا۔اب دونوں کشتیاں تیزی کے ساتھ چاند کی روشنی میں سطح دریا پر اڑی چلی جارہی تھیں۔جہاز کے رئیس نے پھر چلا کر کہا۔

"ٹھہراؤ کشتی کو، ایک انگریز خاتون غائب ہوگئی ہیں۔اپنی کشتی کی تلاشی دو، ورنہ میں فائر کا حکم دیتا ہوں۔"

اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا گیا۔جب یہ حالت دیکھی تو جہاز کی کشتی پر سے دفعتاً بجلی کی طرح روشنی نمودار ہوئی اور فراری کشتی کی طرف پانچ چھ گولیاں چلائی گئیں جو سن سن کرتی ہوئی کشتی والوں کے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔

دوسری مرتبہ پھر جہاز کی کشتی سے گولیاں چلائی گئیں۔اور ایک گولی ملاحوں میں سے اس کو لگی جو کسی قدر جوان تھا اور وہ ڈھیر ہو کر کشتی میں گر گیا۔ابراہیم چپو چھوڑ کر گھبرا کر اٹھا اور

دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگا۔

"الٰہی رحم کر۔"

اس شیطان پر اللہ نے فوراً رحم کیا اور ایک گولی اس کی پیشانی پر پڑ کر دماغ سے گذر گئی۔ وہ بھی ڈھیر ہو کر کشتی میں گر پڑا۔

پرنس عباس کے حبشی ملاح لڑائی کے وقت ہرگز کوئی رعایت نہیں کیا کرتے تھے۔ان میں سے کئی ایسے تھے جو مہدی سوڈانی کے جھنڈے کے تلے لڑ چکے تھے۔وہ نہایت جری اور شجاع تھے اور ان کی خدمات ایسے جنگلی ملک میں ناگزیر تھیں۔

فراری کشتی کے جب دو آدمی مارے گئے تو تیسرے نے کشتی چلانا بند کر دیا۔اور چلا کر امان طلب کی۔رئیس نے فائر بند کر دینے کا حکم دیا۔اور اس کی کشتی تیزی سے چل کر فراری کشتی کے برابر پہنچی جس میں حسین مارجوری دنیا و مافیہا سے بے خبر بیہوش پڑی ہوئی تھی۔

جہاز کی کشتی میں ثروت بے نامی ایک مصری فوجی افسر بھی تھا۔جو سوڈان کی فوج میں تعینات تھا۔اور اب جہاز میں سوار ہو کر قاہرہ سے خرطوم جارہا تھا۔یہ بھی بندوق لیکر کشتی میں سوار ہو گیا تھا۔اور وہ اس قدر قادر انداز تھا کہ آواز پر گولی مارتا تھا۔فراری کشتی کے دونوں آدمی اسی کی گولیوں کا نشانہ ہوئے تھے۔اتنے میں کشتی دوسری کشتی کے برابر پہنچی اور رئیس نے تیسرے آدمی سے ڈانٹ کر پوچھا۔

کپتان۔"کون ہے تو؟"

ملاح۔"ایک اجنبی۔"

کپتان۔"تو چور ہے۔تو نے اس انگریز خاتون کو کیوں گرفتار کیا۔اور یہ تیرے ساتھی کون ہیں۔"

ملاح۔"وادی حلفاء کے رہنے والے عرب ہیں۔"

کپتان۔"اچھا تو تم ہمارے قیدی ہو۔ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کی لاشوں کو وادی حلفاء پہنچا کر پولیس کے حوالے کر دیں گے۔"

ثروت بے اور چند اور آدمی کود کر فراری کشتی میں پہنچے اور بیہوش مارجوری کو آہستگی سے

اٹھا کر اپنی کشتی میں لے آئے۔ ثروت بے نے کئی بار مارجوری کے منہ پر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا بھی مارا مگر وہ ہوش میں نہ آئی۔ جہاز کے چند ملاح فراری کشتی میں داخل ہو گئے اور مجرم کو باندھ لیا۔اور خود چپو لیکر کشتی چلانے لگے۔ دونوں کشتیاں جہاز کی طرف روانہ ہوئیں۔

افسوس کہ اس وقت جہاز پر کوئی ڈاکٹر بھی موجود نہ تھا۔ جہاز کے منیجر نے جو اطالوی تھا۔ اپنا طبی بکس کھولا اور بعض دوائیں اندھادھند مارجوری کے منہ میں ڈالیں اور سنگھائیں۔لیکن وہ اسی طرح بے ہوش پڑی رہی۔ مسز قیطون اور دو چار اور عورتوں نے بھی ہوش میں لانے کی بہت کچھ کوشش کی، لیکن کوئی کارگر نہ ہوئی۔ اتنی بات معلوم کر کے مسز قیطون کو کسی قدر اطمینان ضرور ہو گیا تھا کہ مارجوری کے جسم پر کسی جگہ کوئی زخم نہیں تھا۔اس کا قلب اسی طرح باضابطہ حرکت کر رہا تھا اور ان باتوں سے یقین ہو گیا تھا کہ وہ کچھ دیر بعد ضرور ہوش میں آ جائے گی۔

اس اثناء میں جہاز کے عرشہ پر جہاز کا کپتان قیدی سے سوالات کر رہا تھا۔ لیکن وہ کسی بات کا قابل اطمینان جواب نہیں دے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی شخص نے ان کو بڑا بھاری انعام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ باوجود یہ کہ ان کا تمام کام بگڑ گیا تھا، لیکن وہ بھید نہیں کھولتا تھا۔ رئیس نے اس کو ہر چند ڈرایا، دھمکایا، بہلایا، پھسلایا، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ مجبور ہو کر اسکے ہاتھ پاؤں باندھ کر جہاز کی ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور دونوں لاشیں اسی طرح کشتی میں چھوڑ کر ان پر ایک ترپال ڈال کر کشتی کو جہاز کے عقب میں مضبوطی سے باندھ دیا گیا۔

پرنس عباس کے عملہ کو خبر نہیں تھی کہ یہاں سے قریب ہی ایک نہایت خوبصورت اور شاندار بجرہ (چھوٹا جہاز) بھی کھڑا ہوا ہے۔ اس جہاز پر موجود ایک شخص نے گولیاں چلتے اور کشتی قید ہوتے دیکھ لیا تھا۔ جس کی اطلاع بجرہ کے رئیس کو دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ بجرہ فوراً اپنی جگہ سے روانہ ہوا اور دھار کے مخالف جس قدر تیزی سے ممکن ہو سکا چل گیا۔ بجرہ کا رئیس جہاز کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر ہزاروں گالیاں دے رہا تھا۔ نصف گھنٹہ بعد پرنس عباس نے بھی لنگر اٹھا دیا اور وادی حلفاء کی طرف روانہ ہو گیا۔

جہاز میں جس قدر یورپین یا مصری لوگ تھے ان کے نزدیک مارجوری کا اغوا اور ملاح کی

گرفتاری کا معاملہ ایک راز تھا۔ مارجوری کے لباس سے تو یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود شب خوابی کے لباس میں کسی خاص غرض سے نکلی تھی۔ لیکن وہ حیران تھے کہ رات کے وقت کسی عورت کا بغیر نگہبان کے اس طرح پھرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ چند اور سیاح بھی شب ماہ میں آثار قدیمہ کی سیر کرنے گئے تھے۔ لیکن وہ گھوم پھر کر گیارہ بجے سے قبل واپس آ گئے پھر مارجوری کیوں ٹھہری رہی۔

مارجوری کے کمرہ میں بیٹھے ہوئے لوگ اس کو ہوش میں لانیکی گھنٹہ بھر سے تدبیریں کر رہے تھے، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تھی، لیکن اس نے کچھ دیر بعد دفعتاً آنکھیں کھول دیں۔ اور نظر جما کر کمرہ کی چھت کو تکنے لگی۔ اس کے بعد آنکھیں پھر بند کر لیں۔ وہ بے قراری سے کروٹیں لینے لگی اور منہ ہی منہ میں نہ معلوم کیا بولتی جا رہی تھی۔ جس کو سمجھنے کی مسز قیطون نے ہر چند کوشش کی، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ مارجوری کا سینہ حرکت کرتا نظر آتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر ہذیان طاری ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد مارجوری نے پھر آنکھیں کھولیں، حیران ہو کر چاروں طرف دیکھا اور زور سے کہنے لگی۔

”خداوند۔ ہامان! ہامان!! ہامان!!!“

قدیم مصریوں کا صاحب جلال و جبروت معبود۔

تم! تم! ابراہیم!!

تم اس قدیم دین آفتاب پرستی کے پیروکار جو کہ تم دنیا بھر میں واحد پرستار رہ گئے۔

”معبود یہ کیا بات ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟“

”راز! ہاں مجھے راز بتاؤ۔ قدیم اسرار“

اس کے بعد اس کی زبان پھر بند ہو گئی۔ اور وہ حیران ہو کر مسز قیطون کی صورت کو تکنے لگی۔ جب کسی قدر شناخت ہوئی تو شرمندہ ہو کر مسکرا دی۔

اس تبسم میں بھی کس قدر بجلیاں بے قرار تھیں۔

مسز قیطون۔ ”مارجوری! کیوں بیٹی کیا بات ہے؟ تم پر کیا ماجرا گزرا۔“

مارجوری۔ ''(اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے) ماجرا...... کیسا ماجرا۔''

مسز قیطون۔ ''دشمنوں نے اچھا نہیں کیا۔ تم بیہوش ہوگئی تھیں۔''

مارجوری۔ ''واقعی کب اور کہاں؟...... اور میں اس وقت کہاں ہوں۔''

مسز قیطون۔ ''جہاز کے اندر اپنے کمرے میں ہو۔ چند اجنبی تم کو ایک کشتی میں اغوا کر کے لے جارہے تھے۔ وہ تو خیر گزری کہ جہاز والوں کو خبر ہوگئی۔ اور جہاز والوں نے کشتی کا تعاقب کر کے اس کو گرفتار کیا اور تمہاری جان بچائی۔''

مارجوری حیرت سے سب کی صورتیں تکتے ہوئے۔ ''مجھے لے جارہے تھے۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ مجھے کچھ علم نہیں...... میں...... میں......''

پھر اس کی زبان بند ہوگئی۔ اور مسز قیطون پھر اسی طرح حیران اور پریشان رہ گئی۔ اس وقت جہاز کے تمام آدمیوں کو خبر ہوگئی تھی کہ مس مارجوری کولیر کو ہوش آ گیا ہے۔ چنانچہ جہاز کا کپتان کمرہ میں پہنچا اور حال دریافت کیا۔ لیکن جس طرح مارجوری نے اوروں کو جواب دیا تھا اسی طرح کپتان کو بھی یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ بیوقوفی سے شب ماہ میں آثار قدیمہ کی سیر کو نکل گئی تھی۔ واپسی میں تھکان کے باعث اس کو غش آ گیا اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔

اس کے بعد کا حال اس کو کچھ معلوم نہیں۔ اس نے پراسرار ابراہیم فرید کے طلسمی چراغ اور اس کے توڑنے اور بیہوش ہوجانے کا حال کسی سے بیان نہ کیا۔ اور اس وقت لوگوں نے بھی اس کو ان لوگوں سے متعلق کچھ نہ بتایا جو اس کو کشتی میں اٹھا کر لے جارہے تھے اور دو آدمیوں کے مارے جانے کا ذکر بھی نہ کیا کہ کہیں اس کے دل پر اثر نہ پڑے۔

الغرض صبح تک مارجوری کی حالت بہتر ہوگئی۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے پلنگ پر لیٹی ہوئی حیرانی کے ساتھ اپنی رات کی سرگذشت پر غور کر رہی تھی۔ اور سفید ریش مردود ابراہیم فرید کا اس کو اب تک اعتبار تھا۔ اور وہ اس کو بہت نیک آدمی سمجھے ہوئے تھی۔

پھر اس نے غور کیا کہ جب اس بوڑھے آفتاب پرست کی ہدایت کے مطابق طلسمی چراغ توڑا تو اس میں سے ہوا نکلی جس نے ناک کے راستہ اس کے دماغ میں جاتے ہی اس کے حواس معطل کر کے اس کو قطعی بے دست و پا کر دیا۔ کبھی وہ یہ سوچتی تھی کہ وہ لوگ اس کو کشتی میں

اغوا کر کے کہاں لئے جارہے تھے۔ وہ کون تھے۔ کیا اس کے اغوا کے لئے کوئی گہری سازش کی گئی تھی۔ الغرض وہ کافی وقت تک اسی ادھیڑبن میں پڑی رہی۔

ناشتہ کے وقت مسز قیطون نے مارجوری سے پھر دریافت کیا، لیکن وہ اس وقت بھی خاموش رہی اس کا دل ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اس کے خلاف واقعی کوئی گہری سازش کی گئی تھی۔

اس کو قدیم مصری مذہب کی نسبت ابراہیم فرید کی وسیع معلومات رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں۔ اس کا خداوند ہامان رع کے سجدے کرنا اس کا قدیم مصری زبان میں حمد و ستائش کرنا اور قدیم دیوتاؤں کے متعلق گہری باتیں بتلانا اس کو مفصل یاد تھا۔

ابھی بھی وہ ابراہیم کو کوئی دغاباز نہیں سمجھتی تھی۔

خواہ کچھ بھی ہوگیا تھا لیکن اس کے نزدیک ابھی تک ابراہیم کی شخصیت معصوم تھی۔

ناشتہ کے بعد جب وہ عرشہ پر ادھر ادھر ٹہلنے نکلی تو اس کو جہاز کے پیچھے وہ عجیب کشتی نظر آئی جو عقب میں بندھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے ایک عرب ملاح سے جو پاس کھڑا ہوا تھا یہ دریافت کیا۔

''کیا یہی وہ کشتی ہے جس میں لوگ مجھے اغوا کر کے لے جارہے تھے۔''

ملاح۔ ''جی ہاں!''

یہ کہہ کر ملاح نیچے اترا اور کشتی پر سے ترپال ہٹا کر وہ دونوں لاشیں مارجوری کو دکھلائیں جو اس میں پڑی ہوئی تھیں۔

ایک لاش کا چہرہ پھول کر کسی قدر بدہیئت ہوگیا تھا۔ مارجوری نے غور سے پہچانا تو یہ ابراہیم فرید تھا۔

مارجوری ابراہیم کی لاش کو خاموش کھڑی ہوئی حیرت زدہ تک رہی تھی۔ اور شب گذشتہ کی تمام باتیں اس کے لئے ابھی تک مبہم تھیں۔ جیسے یگر مسافروں کے لئے خداوند ہامان رع کے واحد پرستار کو نوجوان ثروت بے نے گولی کا نشانہ بنا دیا تھا۔ جو اس وقت مارجوری کے سامنے آیا اور سلام کر کے مزاج پرسی کی۔ اور ان کے بچ جانے پر مبارکباد دی۔ مارجوری نے

نوجوان افسر کا کمزور آواز میں شکریہ ادا کیا۔ اور مسکرادی، لیکن وہ سخت حیران تھی۔

لوگ اس کو چاندنی رات میں کشتی میں سوار کر کے کیوں اس تیزی کے ساتھ اغوا کر کے لے جاتے تھے۔ اور کیوں بوڑھے ابراہیم فرید نے جو خداوند ہامان رع کا دنیا میں واحد پرستار تھا اور جو اس وقت موت کی گہری نیند میں مبتلا ہے۔ اس نے کیوں دغا کی۔ لیکن اس وقت جہاز بھر میں صرف ایک شخص تھا جو مارجوری کو گہری نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس کو تمام راز معلوم ہو گیا تھا۔ کیونکہ قیدی نے علیحدگی میں اس کے سامنے اقرار جرم کر کے من وعن حال بیان کر دیا تھا اور یہ شخص جہاز کا کپتان تھا۔ مارجوری کو غور سے دیکھ بھال کر وہ اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ اور وہاں پہنچ کر ملاحوں کو جہاز کے متعلق ہدایات دینے لگا۔

اب وادی حلفاء قریب آ گیا تھا۔ اور وہ خداوند ہامان کا پرستار دنیا میں واحد آفتاب پرست شخص جس کی تمام پشتیں تین چار ہزار برس سے خداوند رع کی پوجا کرتی گذری تھیں۔ اور جو علم و دانش سے متعلق کافی معلومات رکھتا تھا۔ اب وہ مرا ہوا کشتی میں پڑا تھا۔ جو جہاز کے پیچھے پیچھے کھنچی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ لیکن تمام سرگزشت ایک راز تھا جو حل نہ ہوا۔

☆......☆......☆

وادیٔ حلفاء سے چل کر مارجوری اور اس کے رفقا نے تقریباً ۸۰۰ میل کا سفر قاہرہ تک بحری جہاز میں کیا۔ صرف ایک جگہ الصوٗان میں قیام کیا کیونکہ یہاں آبشار کی وجہ سے دوسرے بڑے جہاز میں سوار ہونا پڑتا ہے۔

پرنس عباس کے کپتان نے گرفتار شدہ ملزم اور دونوں لاشیں وادی حلفاء میں پولیس کے حوالہ کر دی تھیں۔ اور جو کچھ اس کو معلوم تھا وہ حال بیان کر دیا تھا۔ پولیس نے ملزم سے ہر چند سوالات کئے اس نے کوئی بات نہیں بتائی۔ الغرض پولیس نے صرف یہ نتیجہ نکالا کہ اس روز رات کو مارجوری کو لیر شب ماہتاب میں آثار قدیمہ کی سیر کو نکل گئی تھی اور واپسی میں اس کو تین مصریوں نے پکڑ لیا تھا۔ جب پولیس کے سوال و جواب ختم ہو چکے تو مارجوری نے نہایت شگفتہ مزاجی سے پولیس افسر سے کہا۔

''ان میں ایک شخص جو بوڑھا آدمی ہے اس سے مجھے کس قدر دلچسپی ہے۔ اگر آپ کو

تحقیقات میں صرف اس کی نسبت مزید حالات معلوم ہوں تو میں بہت ممنون ہونگی۔ آپ از راہ مہربانی ان حالات سے مجھے مطلع فرمادیجئے گا۔ لیجئے میرا یہ پتہ ہے۔'' اور اس نے اپنا کارڈ دے دیا۔

پولیس افسر۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ اس بوڑھے سے واقف نہیں ہیں۔''

مارجوری۔ ''قطعی نہیں۔ لیکن میں اس کے حالات معلوم کرنا چاہتی ہوں۔''

یہ کہہ کر بغیر مزید گفت وشنید مارجوری تھانے سے نکل آئی۔ باہر اس کی خادمہ ماریہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس رات کے واقعہ کی نسبت مارجوری کو کچھ نہ معلوم ہوا نہ اس نے کسی سے کوئی واقعہ ذکر کیا۔ اور یہ معاملہ یونہی رہ گیا۔

الصوان۔ ''پہنچ کر انہوں نے ایک ہفتہ سیوائے ہوٹل میں جو دریائے نیل کے جزیرہ الصوان (ایلیفنٹیان) پر واقع ہے۔ آرام کے ساتھ گزارا اور پھر وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر قاہرہ پہنچے۔ اب مارجوری کی طبیعت مصر سے اکتا گئی تھی۔''

وہ چاہتی تھی کہ جیسے بھی ہو سکے وہاں سے جلد نکلنا چاہئے۔

چنانچہ اسکندریہ پہنچ کر انہوں نے اطالیہ کے مشہور شہر نیقیہ کے ٹکٹ لئے۔ جہاں پر انہوں نے ایک ہوٹل میں متعدد کمرے کرائے پر لئے۔ وہ ہوٹل لب دریا واقع تھا اور اس کی کھڑکیوں سے بحیرۂ روم کا منظر خوب نظر آتا تھا۔

یہاں مارجوری نے دو تین ہفتہ قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ یہاں واقعی تفریح کے لئے بہت سی چیزیں تھیں، ایک طرف مشہور و معروف تعیش گاہ اور مرکز قمار بازی مانٹی کارلو کے قمار خانے تفریح کی جگہیں تھیں، دوسرے ہوٹل دی پیری اور ہرمیٹیج میں اعلیٰ کھانے ملتے تھے۔ شام کو ہوٹل سائٹرو میں تفریح کے لیے قابل تعریف جگہیں تھیں۔

یہاں پہنچ کر مارجوری نے آرڈر بھیج کر پیرس سے ایک نہایت اعلیٰ موٹر کار بھی خرید لی تھی۔ جو ایک فرانسیسی شوفر لیکر پہنچ گیا تھا۔ اور اس میں مارجوری اور اس کے رفقا روزانہ سوار ہو کر سیر کو نکلتے تھے۔ کبھی مانٹی کارلو جاتے کبھی کانیس پہنچتے اور الیسیٹر ٹیلس کی سیر کرتے۔

جس وقت یہ لوگ قاہرہ میں تھے تو سر ہنری قیطون بن حام کے نام مارجوری کے سالسٹر کا

خط بھی آ گیا تھا۔اس میں جو کچھ لکھا تھا وہ طمانیت بخش ضرور تھا۔لیکن مفصل حال کچھ نہیں معلوم ہوتا تھا۔مضمون حسب ذیل تھا۔

''ہماری مؤکلہ مس مارجوری کولیر ایک خاندانی لیڈی ہیں۔اور ان کے پاس بے شمار دولت ہے، ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر آپ ان کے ساتھ رہیں گے یا ان کو اپنے پاس رکھیں گے تو آپ کو مسرت ہوگی۔''

یہ اطلاع اگرچہ مفصل نہیں تھی اور ان دونوں میاں بیوی کے تعجب میں مزید اضافہ ہو گیا تھا،لیکن کسی قدر اطمینان ضرور حاصل ہو گیا تھا۔

نیقیہ میں سرہنری ان لوگوں کے ساتھ تقریباً ایک ہفتہ رہنے پائے تھے کہ ان کو پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہو جانے کی وجہ سے دفعتاً لندن جانا پڑا۔

لندن آنے سے کوئی دس دن بعد ایک رات کو وہ کھانا کھا کر ایوان پارلیمنٹ میں موجود تھے اور ایک آئرش ممبر کی تقریر سن رہے تھے۔ جو گورنمنٹ کو بہت کچھ برا بھلا کہہ رہا تھا اور انکا ارادہ بہت جلد نیقیہ واپس جانے کا ہو رہا تھا۔ اس وقت ان کے پاس ایک کارڈ پہنچا جس پر ''پرنس امین بے نسیم'' نام لکھا ہوا تھا۔

سرہنری نے انگڑائی لی۔اپنی ٹوپی اٹھائی اور ایوان سے باہر نکل ئے۔ یہاں انہوں نے ایک کشیدہ قامت، سرخ وسفید رنگ، متناسب الاعضا اور خوبصورت نوجوان کو دیکھا، جس کی عمر تقریباً ۲۴۔۲۵ برس کی ہوگی۔اس کے ادا و اطوار اور شکل سے شرافت اور امارت ظاہر ہوتی تھی۔اور اس کو دیکھتے ہی فوراً خیال ہوتا تھا کہ وہ کسی امیر کبیر کا لخت جگر ہے۔

امین بے۔''میں جانتا ہوں کہ میں جناب کے نزدیک ایک اجنبی شخص ہوں۔اور جناب سے ایک قطعی پرائیویٹ اور خاص معاملہ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں کوئین این اسٹریٹ میں آپ کے دولت خانہ پر بھی حاضر ہوا تھا، لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ آپ یہاں ہیں، اس لئے میں سیدھا یہیں چلا آیا۔''

سرہنری نے نوجوان کو گہری نظر ڈال کر سر سے پاؤں تک دیکھا۔اور یہ معلوم کر کے کسی قسم کا قرض نہیں مانگتا۔اس کو اشارہ کر کے ایک علیحدہ بڑے ہال کے کمرے میں بلایا جہاں وہ

دونوں ایک کونے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔یہاں بالکل تخلیہ تھا۔

امین بے۔''میں امید کرتا ہوں کہ اگر میں بعض باتیں دریافت کروں تو جناب مجھے معاف فرمائیں گے۔لیکن جو بات میں پوچھتا ہوں اس سے میرا بہت ہی گہرا تعلق ہے۔اور غالباً اس سے جناب کو بھی کچھ دلچسپی ہوگی۔''

سرہنری۔''(رنجیدہ پیشانی) فرمائیے۔''

امین بے۔''میں خیال کرتا ہوں کہ حال ہی میں جب آپ مصر میں تھے تو آپ کی شناسائی ایک نوجوان لیڈی مس مارجوری کولیر نامی سے ہوئی ہوگی۔''

سرہنری۔''ہاں میری بیوی سے ہوئی تھی۔''

امین بے۔''اور غالباً وہ آپ کی بیوی صاحبہ کی دوست بن گئی ہونگی۔''

سرہنری۔''(عجیب سوال ہے کسی قدر پریشان ہو کر) ہاں وہ دونوں آجکل نیقیہ میں ہیں۔اور میں بھی غالباً آئندہ ہفتہ وہیں پہنچ جاؤں گا۔''

امین بے۔''جو سوال میں کرنا چاہتا ہوں ممکن ہے وہ ناگوار خاطر گذرے، اس لئے میں اس کے لئے پہلے ہی سے معافی کا خواستگار ہوں۔سوال یہ ہے کہ اس نوجوان لیڈی نے اپنی نسبت کیا حال بیان کیا۔''

سرہنری۔(نوجوان کی طرف سختی سے دیکھ کر)''واقعی میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ مجھ سے ایسا سوال دریافت کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں۔میرے یا اس نوجوان لیڈی کے ذاتی معاملات سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔''

امین بے۔''میں جانتا ہوں کہ اس لیڈی کی نسبت کچھ دریافت کرنے کا مجھ کو حق حاصل ہے۔میرا اس کہانی سے خاص تعلق ہے جو اس نے آپ کی بیگم صاحبہ سے بیان کی ہوگی۔''

سرہنری۔''(برہمی سے)''کہانی! آپ اس لیڈی پر جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے ہیں۔''

امین بے۔''ہرگز نہیں، لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ لیڈی اپنے حالات سابقہ کو چھپانا چاہے۔''

سرہنری۔''آپ کیا فرما رہے ہیں۔''

امین بے۔ ''کچھ نہیں ایک سیدھا سادہ سوال ہے۔''

سرہنری۔ ''تو میں آپ کے اس سوال کا جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔''

امین بے۔ ''اگر جناب کو میرے سوالات سے زرہ بھر بھی ملال ہوا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اس طرح جناب کی خدمت میں حاضر ہو کر مجھ کو سوالات کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میرے نزدیک وہ لیڈی ایک دلچسپ سربستہ راز ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ سے دریافت کر کے کچھ عقدہ کشائی کروں۔''

سرہنری خود کو بہت عقلمند جہاندیدہ اور تجربہ کار سمجھتے تھے۔ انہوں نے صد ہا طریقہ سے مارجوری کا حال معلوم کرنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوئے۔

سرہنری۔ ''تو کیا میری طرح آپ بھی اس طلسم حیرت میں گرفتار ہیں۔''

امین بے۔ ''بالکل!''

یہ سن کر سرہنری کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر وہ دونوں صاف گوئی سے کام لیں تو ممکن ہے ان کو بھی اس اجنبی نوجوان سے مارجوری کا کوئی پراسرار حال معلوم ہو سکے۔ یقیناً اس شخص کو کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اس گفتگو کا سلسلہ دوسری طرح شروع کیا۔

سرہنری۔ ''سچ تو ہے پرنس امین بے نسیم مجھے اس سے قبل آپ کے ارادوں کی نسبت غلط فہمی واقع ہوئی تھی۔ اور اسی وجہ سے مجھ کو آپ کا سوال ناگوار معلوم ہوا تھا۔ بہتر ہے کہ اب ہم دونوں صاف گوئی سے کام لیں۔ میں تیار ہوں۔''

امین بے۔ ''میں بھی آپ کی خدمت میں صرف دریافت حال کے لئے حاضر ہوا تھا۔ جس طرح اس لیڈی کی نسبت آپ حیران ہیں۔ اسی طرح میں بھی حیرت زدہ ہوں، ممکن ہے جو باتیں ہم دونوں کو اب تک معلوم ہوئیں ہیں، ان سے ہماری تجربہ کاری کوئی خاص نتیجہ اخذ کر سکے۔''

''سنئے آج سے تین ہفتہ پہلے اس لیڈی نے مجھ کو مقام الصوان سے خط لکھا تھا' اور آپ لوگوں سے ملنے کی اطلاع دی تھی۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ وہ لندن آ کر آپ کے ساتھ

ٹھہرے گی۔

اس خط سے مجھ کو اور بھی زیادہ تعجب ہوا تھا۔

سرہنری۔ ''کیوں؟''

امین بے۔ ''مجھ کو خیال تھا کہ آپ اس کی نسبت کچھ ضرور واقفیت رکھتے ہونگے۔''

سرہنری۔ ''مجھے تو اس کے سالسٹر صاحبان نے اطمینان دلا دیا ہے۔ بہرحال وہ لیڈی ہیں۔''

امین بے۔ ''بے شک وہ لیڈی ہیں۔ اور ضرورت سے زیادہ دولتمند، یہ باتیں میں سب جانتا ہوں۔''

سرہنری۔ ''وہ اپنے والد کے ساتھ مصر میں بہت رہی ہے اور اس نے لندن میں تعلیم پائی ہے۔''

امین بے۔ ''یہ باتیں میں پہلے سے جانتا ہوں۔''

سرہنری۔ ''اس کے والد زبردست ماہر مصریات تھے۔ اور ایسی ہی وہ خود بھی ہے۔''

امین بے۔ ''ہاں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے والد کون تھے۔''

سرہنری نے سر ہلا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اور فرمایا۔

''اچھا پرنس امین اس وقت ہم دونوں باہمی اعتماد کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں اور سوائے ہمارے یہاں اور کوئی نہیں۔ اور دونوں افشائے حقیقت کے متمنی ہیں۔ تو کیا آپ مجھے وہ حالات نہیں بتا سکتے جن کے ماتحت آپ کی ملاقات ان لیڈی صاحبہ سے ہوئی تھی۔''

امین بے۔ ''یقیناً! لیکن پہلے میں اپنے بارے میں کچھ عرض کر دوں۔ میں نزہت نسیم پاشا کا بیٹا ہوں۔ جو خدیو مصر کے چچازاد بھائی ہیں۔ اور آجکل مصر کے وزیر امور داخلہ ہیں۔ میں مصر کی مشہور فوج نمبر ۲ خدیویہ لانسرز میں کا کپتان ہوں۔ اور یہاں لندن میں محض اس غرض سے آیا ہوں کہ جدید فنون حرب کی تکمیل کروں۔ میرے سوا میرے باپ کے اور کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس لئے اپنے خاندان کی تمام دولت اور ریاست کا میں واحد مالک ہوں۔ یہ میں نے محض اس خیال سے عرض کر دیا ہے کہ آپ مجھ کو ایک مصری سمجھ کر حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ اب آگے سنئے۔ سال بھر سے کچھ زیادہ ہوا کہ میں اپنے دوست ہیری تھرسٹن کے ہمراہ جو قصر گلن گریگ واقع پرتھ شائر کے مالک ہیں، شکار کھیلنے گیا تھا۔ وہاں مس مارجوری کو

لیر سے ملاقات پہلی مرتبہ ہوئی۔ میرے دوست نے ایک شاندار پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔ اور دیگر احباب کو بھی مدعو کیا تھا۔ مس مارجوری کو لیر بھی وہاں معہ اپنی خادمہ ماریہ کے موجود تھیں۔ میں ان کے ساتھ بہت مرتبہ سبزہ زاروں میں سیر کو نکلا۔ معلوم ہوا کہ مسٹر تھرسٹن سے مارجوری کی ملاقات سوئٹزرلینڈ میں ہوئی تھی۔ اور وہ اس کو اپنے ہاں مدعو کر آئی تھیں۔ یہی اس کے آنے کا سبب ہوا۔ پارٹی میں کوئی شخص مارجوری سے واقف نہیں تھا اور اس نے بھی اپنے حالات کسی سے ظاہر نہیں کئے بلحاظ عادات، خوش پوشی، خوش مذاقی اور حسن و جمال وہ تمام پارٹی کی جان تھی۔ اس کے ہاتھ میں منگنی کی انگشتری بھی تھی، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی کسی شخص سے منگنی ہو چکی ہے۔ لیکن اس نے کسی سے اپنے آئندہ شوہر کا حال بیان نہیں کیا۔ اس سے تمام پارٹی کو حیرت تھی۔ لوگوں نے باتوں باتوں میں معلوم بھی کرنا چاہا لیکن اس نے ٹال دیا۔''

ایک روز رات کے وقت ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ لیکن یہ قصہ آپ اپنے ہی دل میں رکھیں۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد میں اور وہ دونوں قلعہ کے پرانے پشتہ پر سیر کو نکلے۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اور میں اس بات کی کوشش میں تھا کہ مارجوری کے ماضی کے کچھ حالات معلوم کروں۔ مجھے اس کے حسن و جمال اور اچھی عادتوں نے گرویدہ کر لیا تھا۔ یہی حال دیگر لوگوں کا بھی تھا۔ الغرض اس پر میری طبیعت آ گئی تھی۔ اور چونکہ وہ بھی عربی زبان خوب جانتی تھی اور مصر اور اہل مصر سے محبت کرتی تھی۔ اس لئے وہ بھی میری طرف سب سے زیادہ مائل تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے تھوڑی دور چل کر اس نے مجھ سے کہا کہ ''پرنس امین میرا بھید معلوم کرنے کی کوشش کرنا قطعی فضول ہے۔ آپ کو اس میں ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔ اس سے بہتر ہے کہ آپ اس خیال کو ہی دل سے نکال ڈالیں۔ میں یہاں صرف آج ہی آج کی مہمان ہوں اور میں آج ہی کی فکر بھی کرتی ہوں۔ گذرے ہوئے یا آنے والے کل کی مجھ کو کبھی فکر نہیں ہوتی۔ آپ مجھ سے اپنی چاہت جتانے کی بھی کوشش نہ کریں کیونکہ میری منگنی قرار پا چکی ہے۔

سر ہنری۔ ''یہی بات اس نے مجھ سے بھی کہی تھی۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ شادی کس شخص سے ہوگی۔''

خیر ہم دونوں ٹہل رہے تھے۔ اور میں اب بھی اس کا حال معلوم کرنے کی کوشش کر رہا

تھا۔ کہ دفعتاً اس کا رنگ بدل گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور مجھے یہ بھی بتایا کہ یہ شادی اس کی مرضی کے خلاف قرار پائی ہے اور وہ اس شخص سے وہ سخت نفرت کرتی ہے۔

سر ہنری۔ ''پھر کیا ہوا۔''

امین بے۔ ''ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ہم دونوں پشتہ کے کنارے کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ مجھ کو دفعتاً ایک عجیب وغریب آواز سنائی دی۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی مسلسل سیٹی بجاتا ہو۔ وہ آواز ہم دونوں نے سنی۔ مارجوری کانپ رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس نے وہ آواز پہچان لی ہو۔ اور اس کا مطلب سمجھ گئی ہے۔ آواز بہت ہی سخت اور تیز تھی۔ مارجوری کے چہرہ پر مردنی چھا گئی تھی۔ اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ میں نے جلد ہی مزاج پرسی کی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آواز دوسری مرتبہ پھر سنائی دی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سبزہ زار کے اس طرف جو صنوبر کے درختوں کا تاریک جھنڈ کھڑا ہے وہاں سے آتی ہے۔ میں نے آواز کی نسبت پھر پوچھا، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ مارجوری کی زبان سے صرف یہ نکلا کہ تم یہیں ٹھہرو! میں ابھی آئی، اور یہ کہتے ہی وہ دوڑ کر پشتہ کے دوسرے سرے پر پہنچی اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ تیسری مرتبہ وہ عجیب وغریب آواز پھر سنائی دی۔ لیکن اس مرتبہ کسی قدر مختلف تھی۔ میں نے دیکھا کہ مارجوری نے ایک چیخ ماری اور عربی زبان میں کچھ بڑبڑائی۔ اور وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ اس وقت نہایت خوفزدہ تھی۔ کہنے لگی کہ ''للہ! آج کا واقعہ کسی سے بیان نہ کرنا، دیکھو میں تمہاری منت کرتی ہوں۔'' میں نے بھی خاموش رہنے کا وعدہ کیا اور اس کو لیکر قصر میں چلا گیا۔ جب ہم پرانی سنگین غلام گردش میں پہنچے تو اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور دوڑ کر محل میں گھس گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی ہیبت ناک بھوت سے ڈر کر بھاگی ہے۔''

سر ہنری۔ ''(جو غور سے سن رہے تھے) نہایت عجیب واقعہ ہے۔ نہ معلوم وہ آواز کیسی تھی۔''

امین بے۔ ''خدا ہی جانے۔ لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ اس نے وہ آواز پہچانی۔ اور اس نے اس کے دل میں ہیبت بٹھا دی۔ آواز ایسی تھی جیسے افریقہ میں شکار کے وقت وہاں کے نیم وحشی لوگ جانور ہنکانے کے لئے نکلتے ہیں۔ اگلے روز صبح کو ناشتہ کے وقت ہماری میزبان مسز

تھرسٹن نے بتایا کہ رات کے وقت مس مارجوری کولیر کی خادمہ نے تمام سامان درست کرلیا تھا اور وہ صبح ساڑھے سات بجے کی ٹرین سے مقام پرتھ کی طرف روانہ ہوگئی ہیں۔اور یہ کہہ گئی ہیں کہ لندن میں میری بہن بہت بیمار ہے۔لیکن میرا یہ خیال ہے کہ اس طرح دفعتاً چلے جانے کا باعث وہی عجیب وغریب آواز تھی۔"

☆......☆......☆

سرہنری۔"واقعی عجیب واقعہ ہے۔"

امین بے۔"جی ہاں۔لیکن اسی مہینہ کے اندر اس نے مجھے نہایت پرلطف اور جذبات سے مملوک خطوط لکھنا شروع کیئے۔جو اکثر اشاروں کنایوں سے پر ہوتے تھے۔یہ خط کبھی بلجیم سے،کبھی فرانس سے،کبھی جرمنی سے،کبھی روس سے،کبھی رومانیہ سے،کبھی یونان سے اور کبھی قسطنطنیہ سے آتے تھے۔جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جلد جلد ایک مقام سے دوسرے مقام پر نقل وحرکت کررہی ہے۔اور اس میں اس بات پر بھی اظہار افسوس کیا گیا تھا کہ وہ گلن کریگ اس غیر متوقع طور پر چلے آنے پر مجبور ہوئی۔اس خطوط سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی گزشتہ زندگی رنج وملال میں گزری ہے۔اور اس کا مستقبل بھی تاریک نظر آتا ہے۔خطوط اس قدر عالمانہ اور فاضلانہ ہوتے تھے کہ کوئی معمولی عورت ایسا نہیں لکھ سکتی تھی۔"

سرہنری۔"اور آپ کہتے ہیں کہ اس کا آخری خط الصوان سے آیا ہے۔جس میں ہم لوگوں سے ملاقات ہونے کی اطلاع دی گئی ہے۔"

امین بے۔"جی ہاں۔"

سرہنری۔"تو میں یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہوں کہ آپ اس کو اور وہ آپ کو چاہتی ہے۔"

امین بے۔(جھینپ کر)"خیر میں تو ضرور چاہتا ہوں۔اور یہی وجہ ہے کہ میں اس کے حالات معلوم کرنے کا اس قدر اشتیاق ہوں۔"

سرہنری۔"لیکن اس کی تو منگنی ہو چکی ہے۔"

امین بے۔"ہاں کسی فرضی ہستی سے۔"

سرہنری۔"ایسے شخص سے جس کو وہ بقول خود نفرت وحقارت سے دیکھتی ہے لیکن جو دنیا میں ہے ضرور۔اور اسی سے غالباً اس کی شادی بھی ہوگی۔"

امین بے۔"اجی میں ایسی منگنی ونگنی کا قطعی اعتبار نہیں کرتا۔جب کسی لڑکی کی منگنی ہوجاتی ہے تو وہ اپنے آئندہ شوہر کا نام بتانے سے کبھی نہیں ہچکچاتی۔"

سرہنری۔"یہ بالکل صحیح ہے۔لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی خاص وجہ سے وہ دونوں اپنی منگنی کو مخفی رکھنا چاہتے ہوں۔کیا اس وقت آپ کی محبت اور عشق بازی فضول نہ ہوگی۔وہ تو خود آپ سے کہہ چکی ہے۔"

امین بے۔"بیشک کہہ چکی ہے۔لیکن میں کیا کروں میرے دل کو کیونکر قرار آئے۔یہ تو مارجوری کے دام گیسو میں بری طرح گرفتار ہو رہا ہے۔"

سرہنری۔"میں خوب جانتا ہوں کہ دل کی لگی کیا ہوتی ہے اور یہی دل لگی آپ کی پریشانی کی وجہ ہے۔لیکن چونکہ اب ہم دونوں کی ملاقات ہوگئی ہے۔اس لئے مارجوری کے راز کا جلد کھل جانا بہت ممکن ہے۔وہ ہر بات کو نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے چھپاتی ہے۔حتیٰ کہ اپنی بے شمار دولت کا بھی کسی پر اظہار نہیں کرتی۔پہلے تو ہم کو بھی خیال تھا کہ اس کے پاس اپنی ضروریات کے لئے کافی روپیہ ہے۔لیکن اب اس کی شاہ خرچی دیکھ کر آنکھیں کھلیں۔"

امین بے۔"بیشک وہ اسقدر دولت مند ہے کہ اگر پھونکنا بھی شروع کرے تو بھی ختم نہ ہو۔لیکن جناب میں اس کی دولت کا خواہاں نہیں، میں تو خود اس کا عاشق ہوں۔دولت تو خدا نے مجھے بھی بے قیاس عطا فرمائی ہے۔مجھے تو مارجوری چاہیئے۔دولت نہیں چاہیئے۔"

سرہنری۔"پرنس امین تم میرے بیٹے کے برابر ہو۔میں تو تم کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ تم صبر وضبط سے کام لو اور اس بات کا تجسس کرو کہ وہ پراسرار کون شخص ہے جو مارجوری کا خاوند ہونے والا ہے۔"

امین بے۔"جی وہ مردود کوئی بھی ہو۔مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔میں تو مارجوری کا عاشق ہوں۔اس سے ملنا اور اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔چنانچہ اب میرا ارادہ ہوگیا ہے کہ نیقیہ جا کر اس سے ملاقات کروں۔جب وہ مجھ کو بار بار خط لکھتی ہے تو مجھ کو بھی یقین ہے کہ اس کے

دل کے کسی کونے میں میری چاہت ضرور ہے۔''

سرہنری۔ ''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کرتا۔ ضبط سے کام لو پہلے کچھ مکمل معلومات کرلو، پھر کچھ کرو۔ ایسا نہ ہو وہ بگڑ جائے۔''

امین بے۔ ''صبر تو ہو چکا اور اب اس سے دوری میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔''

''لیکن ایک بات بظاہر بہت آسان معلوم ہوتی ہے۔ یعنی مارجوری کے والد کا پتہ لگانا کہ وہ کون تھے۔ وہ بہت بڑے ماہر مصریات تھے اور چونکہ دنیا میں ایسے زبردست ماہرین صرف چند گزرے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ انگریز تھے۔ اس لئے پتہ لگالینا دشوار نہیں۔''

سرہنری۔ ''میرا بھی ارادہ اس بات کی تحقیقات کرنے کا ہے۔ میرے چند دوست ماہرین مصریات ہیں، ان سے دریافت کروں گا اگر وہ کسی مسٹر کولیر ماہر مصریات سے واقف ہونگے تو حال ضرور معلوم ہوجائے گا۔ اس وقت خود مارجوری اس فن میں اس قدر زبردست ماہر ہے کہ کوئی مشہور پروفیسر بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اس کی گواہی میں خود دے سکتا ہوں۔''

امین بے۔ جی ہاں وہ نہایت ذہین ہے۔ اور ساتھ ہی بلحاظ حسن و جمال خدا نے اس کو اپنے ہاتھوں سے نور کے سانچہ میں ڈھالا ہے۔ پہلی نظر پڑتے ہی میرے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

سو بار بنا کر مالک نے سو بار مٹایا ہو گا
تب جا کر یہ حسن مجسم اس رنگ پہ آیا ہو گا

اتنے میں پارلیمنٹ کی گھنٹی بجی اور سرہنری کو ایوان میں جانا پڑا۔ لہٰذا انہوں نے امین بے سے مصافحہ کرکے اجازت چاہی اور تقاضا کیا کہ وہ پھر کبھی ان کے مکان پر آ کر ملیں۔

رات کا وقت تھا۔ مطلع ابر آلود لیکن بادل پھٹے ہوئے تھے۔ اور چاند کا منور چہرہ نقاب ابر سے کبھی کبھی نظر آنے لگتا تھا۔ پرنس امین بے نسیم نے ایوان پارلیمنٹ سے چل کر کچھ سوچا اور پھر وہائٹ ہال کی طرف روانہ ہوگیا۔ پال مال اور سینٹ جیمس اسٹریٹ ہوتا بائیں طرف مڑ کر وہ کچھ دور چلا اور ایک مکان کے سامنے رک کر گھنٹی بجائی، جس کی آواز پر ایک خادم نے دروازہ کھولا۔

امین بے۔ ''جونس! کیا مسٹر مارشمون گھر میں ہیں۔''

خادم۔ ''(سلام کرکے) ''جی حضور اندر تشریف رکھتے ہیں۔''

پرنس امین ایک بے تکلف دوست کی طرح مکان کے اندر پہنچا اور خوب آراستہ و پیراستہ کمرہ میں داخل ہوا جہاں آگ کے قریب ایک لاغر جسم، دبلے چہرے کا ۳۵ سالہ جوان آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا پائپ پی رہا تھا۔

مسٹر مارشمون۔ ''ہیلو! پرنس امین!! کہئے کیا خبر ہے۔''

امین بے۔ ''کوئی خاص بات نہیں۔ فرمایئے آپ الجزائر سے کب واپس آئے۔''

مارشمون۔ ''گزشتہ چہارشنبہ کو یہاں بڑی سخت سردی ہے۔ اگر میں نہ آتا تو بہتر تھا۔ اب پھر چلے جانے کا ارادہ کررہا ہوں۔ آج رات کہاں گذاری۔ کیا کلب میں رہے۔''

مارشمون ایک متمول شخص تھا۔ اس کے والد بہت سی دولت چھوڑ گئے تھے۔ وہ لورپول کی ایک جہاز ران کمپنی کے حصہ دار تھے۔ آمدنی کافی تھی اور مزے سے گزرتی تھی۔

امین بے۔ ''نہیں میں ایک صاحب سے ملنے گیا تھا۔ کسی کے بارے میں معلومات کرنی تھیں جس سے تم کو بھی بہت دلچسپی ہے۔''

مارشمون۔ ''مجھے؟ وہ کون شخص ہے؟''

امین بے۔ ''تم کو یاد ہوگا کہ جب ہم مسٹر تھرسٹن کے یہاں شکار کھیلنے گئے تھے۔ وہاں ایک نہایت حسین و جمیل تیز طرار لڑکی دیکھی تھی۔ کچھ یاد ہے؟''

مارشمون۔ ''مس مارجوری کولیر، ہاں وہ عجیب پراسرار لیڈی تھی۔ اس کا کچھ بھی بھید نہیں کھلا تھا۔ کوئی سوتا ہوا اٹھنے بھی نہ پایا اور وہ صبح ہی صبح دفعتاً غائب ہوگئی تھی۔''

امین بے۔ ''ہاں وہی۔ تم بھی تو اس کی طرف بہت گھور گھور کر دیکھتے تھے یہی حالت میری تھی۔''

مارشمون۔ ''کیوں! کیا آپ کو اس کی بابت کچھ معلوم ہوا۔''

امین بے۔ ''صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ وہ آجکل سرہنری قیطون بن حام ممبر پارلیمنٹ اور ان کی بیوی کی سرپرستی میں ہے۔ اور نیقیہ کے رائل ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہے، کچھ

عرصہ تک مصر کی سیر کر کے اب وہ لندن واپس آ رہی ہے۔ میں آج اسی معاملہ میں سر ہنری سے ملنے گیا تھا۔''

مارشمون۔ ''انہوں نے کچھ بتایا۔''

امین بے۔ ''کچھ نہیں۔ صرف یہ کہا کہ مارجوری کی منگنی ہو چکی ہے۔''

مارشمون۔ ''اور یہ نہیں بتایا کہ منگنی کس شخص سے ہوئی ہے۔''

امین بے۔ ''میں خود حیران ہوں کہ وہ کون مردود ہے۔''

مارشمون۔ ''حیران ہونے کی کچھ ضرورت نہیں۔ یہ بات تم کو شادی کے دن تک معلوم نہ ہو سکے گی۔ اور ممکن ہے، اسوقت بھی پتہ نہ چلے۔''

امین بے۔ ''اس وقت بھی نہیں۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟''

مارشمون۔ ''بس جو کچھ میں کہتا ہوں۔''

امین بے۔ (غور سے دیکھ کر) ''تو تم یہ بھید ضرور جانتے ہو۔ تم کو مارجوری کی بابت کچھ ضرور معلوم ہو گیا ہے۔''

مارشمون۔ (پہلو بدل کر) ''یہ تم کو کیونکر معلوم ہوا کہ وہ سر ہنری اور ان کی بیگم کے ساتھ ہے۔''

امین بے۔ ''اس نے مجھ کو خط لکھا تھا۔''

مارشمون۔ ''تم کو خط لکھا تھا۔ کیا تمہارے ساتھ خط و کتابت رکھتی ہے۔''

امین بے۔ ''ہاں کبھی کبھی خط بھیج دیتی ہے۔''

مارشمون۔ ''تو میری طرح تم بھی شک کے منجدھار میں پھنسے ہوئے ہو۔''

امین بے۔ ''بس میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ ایک مکمل اسرار ہے۔''

مارشمون۔ ''کیا یہ درست ہے کہ تم مارجوری کو چاہتے ہو۔ سچ بتاؤ۔''

امین بے۔ ''واقعی یہی بات ہے۔ میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ میری اس پر جان جاتی ہے۔''

مارشمون۔ ''تو بس جاؤ اور منہ دھو رکھو۔ اور اس کا خیال بھی دل سے نکال ڈالو۔''

امین بے۔ ''یہ کیوں؟''

مارشمون۔ ''اس لئے...... اس لئے...... بہر حال میں خوب جانتا ہوں کہ وہ ایک پوشیدہ اسرار ہے۔ حقیقت کا معلوم کرنا تمہاری قابلیت سے باہر ہے۔''

امین بے۔ ''لیکن آخر کسی نہ کسی دن اس غیر معلوم شخص کی حقیقت معلوم ہو ہی جائیگی۔ جس سے اس کی منگنی قرار پائی ہے۔''

مارشمون کی آنکھوں سے بھی اس وقت کچھ عجیب قسم کے جذبات ٹپک رہے تھے۔

مارشمون۔ ''میرے خیال میں تم ہرگز معلوم نہ کر سکو گے۔''

امین بے۔ ''تو تم اس کے راز سے ضرور واقف ہو۔ تمہارا چہرہ کہہ رہا ہے۔''

مارشمون۔ ''تمہاری طرح مجھے بھی مارجوری سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ کئی مہینہ صبرو ضبط کے ساتھ تحقیقات کر کے میں نے صرف ایک بات معلوم کی اور وہ بات قطعی حیرت انگیز ہے اور مارجوری کی تمام باتیں مخفی رہنے کا وہی سبب ہے اور اس کی وجہ سے اس کے دل پر ایک قسم کا خوف سوار رہتا ہے۔''

امین بے۔ (اشتیاق کے ساتھ) ''اچھا وہ کیا بات ہے۔''

مارشمون۔ ''جناب وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اور راز کی بات ہے۔ دیکھو میں تم کو صلاح نیک دیتا ہوں۔ میری سنو اور اس کا خیال دل سے نکال ڈالو۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے اور مارجوری دونوں کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔''

یہ کہہ کر مارشمون نے ایک آہ سرد بھری۔ اور پھر آگ کو کرید کر اپنا پائپ پینے لگا۔ امین بے۔ ''تو تم پر اس کی تمام حقیقت منکشف ہو گئی ہے۔''

مارشمون نے سر ہلا کر اثبات کا اشارہ کیا اور پھر زبان سے بھی کہا۔ مارشمون۔ ''ہاں پرنس امین مجھے تمام راز معلوم ہیں۔''

☆......☆......☆

ایک ہفتہ بعد ہم نے پرنس امین بے نسیم کو مقام مانٹی کارلو کے عظیم الشان ریویرہ پیلس ہوٹل میں دارالمطالعہ کی بڑی کھڑکی کے سامنے کھڑا دیکھا۔ جہاں سے وہ اپنے خیالات میں محو

گردونواح کی خوبصورت چمن بندیوں کو جو گل دریاحین سے لہلہا رہی تھیں دیکھ رہا تھا۔ کچھ فاصلہ پر بحیرۂ روم کی نیلگوں سطح نظر آرہی تھی۔ جو فصل بہار کی روح پرور فضا میں فیروزہ رنگ دکھائی دیتا تھا۔ وہ گزشتہ شب کو بہت رات گئے پیرس ایکسپریس میں سوار ہوکر یہاں پہنچا تھا۔ اوراب ضروریات سے فراغت پاکر وہ قہوہ نوش کر کے یہاں کھڑا ہوا۔ اپنے آئندہ طرز عمل اور تدابیر کی بابت غور کررہا تھا۔

یہ مقام اگرچہ یوروپ بھر میں سب سے زیادہ دلفریب اور قابل دید ہے، لیکن نہ معلوم امین بے کن خیالات میں غرق تھا کہ اس کو گردونواح کے مناظر گیسوئے عروس کی طرح معطر بادنسیم کے جھونکے اپنی طرف قطعی متوجہ نہیں کرتے تھے۔ وہاں تو صرف ایک بات تھی یعنی یہ کہ۔ میرے دل ودماغ پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے کوئی

اور وہ مس مارجوری کولیرتھی۔

اس روز رات کو جب وہ اپنے دوست مارشمون کے کمرہ میں بیٹھا ہوا باتیں کررہا تھا تو اس نے اپنے دوست کی ہرچند منت وخوشامد کی کہ کسی طرح وہ مارجوری کے متعلق اصل راز بتلادے۔ لیکن اس نے اس قدر سخت دلی اختیار کی کہ باوجود زیادہ کہنے سننے کے وہ ہرگز ٹس سے مس نہ ہوا۔ بلکہ سختی کے ساتھ کورا جواب دے دیا۔

مارشمون۔ ''نہیں جناب ہرگز نہیں۔ یہ بات شان مردانگی کے خلاف ہے کہ ایک صاحب عصمت وعفت خاتون کا کوئی راز کسی سے بیان کیا جائے۔ دوسرے اگر میں نے وہ راز تم کو بتا بھی دیا تو تمہاری فکریں اور تمہارے دل کا درد اور بھی زیادہ بڑھ جائے گا۔ اس لئے میرے پیارے پرنس امین اس مقام پر خاموشی ہی سب سے بہتر بات ہے۔ جاؤ دوست اور ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ کہ تم کبھی مس مارجوری سے ملے تھے۔''

الغرض جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو پرنس امین بے نسیم نے کوشش کر کے اپنے دفتر سے چھٹی لی اور وہ دیدار جاناں کی خوشگوار توقع میں مانٹی کارلو چلا آیا۔ پچھلے دنوں جب وہ مصر واپس گیا تھا تو اپنے چچا کے ساتھ مصر علوی کی سیر کو نکل گیا تھا۔ اور وہاں اس نے بمقام الاقصر میں مارجوری کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ لیکن چچا کی موجودگی میں بات چیت کرنے کا کوئی موقع

نہیں ملا تھا۔ اور اگلے روز ہی اس کو قاہرہ اور پھر وہاں سے فوراً انگلستان جانا پڑا تھا۔ اس طرح

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
حیف ہے اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

انگلستان پہنچ کر اس کو مارجوری کا وہ خط ملا تھا جو اس نے الصوان سے بھیجا تھا۔ اب وہ اس فکر میں غلطاں پیچاں کھڑا تھا کہ اس بت طناز سے ملوں تو کیوں کر اور کہاں ملوں۔

لندن میں سرہنری قیطون بن حام سے اس کو اتنی بات ضرور معلوم ہوگئی تھی کہ مارجوری اور مسز قیطون اکثر موٹر میں بیٹھ کر نیقیہ سے مانٹی کارلو چلی آتی ہیں اور وہاں کاسینو میں کھانا کھا کر گھنٹہ دو گھنٹہ تفریح کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں مسز قیطون کا جان پہچان والا خاندان غلمان بھی ان دنوں ریویرہ ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اور دونوں خاتون اکثر شام کو ان سے ملنے آجایا کرتی تھیں۔ ان تمام باتوں کا خیال کر کے امین بے نے ارادہ کیا کہ مارجوری سے وہیں ملنے کا موقعہ تلاش کیا جائے اور وہ بھی اس طرح گویا اتفاق سے ملاقات ہوگئی ہے۔

یہ سوچ کر پرنس امین باہر آیا اور پانچ فرانک کا ایک نوٹ ہوٹل کے ایک خادم کی نذر کیا جس نے ایک شخص کی طرف جو اس وقت ہوٹل کے سامنے لان میں ٹہل رہا تھا اور اس کے ساتھ ایک اور نوجوان شخص تھا۔ اشارہ کر کے بتلایا کہ وہ مسٹر غلمان ہیں اسی اثناء میں مسٹر غلمان کی بیوی جو ایک خوش مزاج اور ادھیڑ خاتون تھیں مسکراتی ہوئی آئیں اور اپنے شوہر سے مل گئیں۔ خادم نے یہ بھی بتایا کہ مسز قیطون اور ایک نوجوان حسینہ اکثر آ کر خاندان غلمان کے ساتھ کھانا کھاتی ہیں۔ لیکن اب تین چار دن سے نہیں آئیں۔ اس لیے قوی امید ہے کہ آج ورنہ کل شام کو وہ ضرور یہاں آئیں گی۔

الغرض یہ تمام باتیں معلوم کر کے پرنس امین نے دن بھر ادھر ادھر پھر کر گزارا اور اس کی آنکھیں چاروں طرف کسی کے روح پرور دیدار کو ترس رہی تھیں۔ شام کے وقت وہ اس برقی ریلوے میں بیٹھ کر کاسینو سے ریویرہ ہوٹل کے سامنے تک آتی ہے، اور وہ سیدھا منیجر کے پاس گیا۔ وہاں اس کو معلوم ہوا کہ خاندان غلمان کے لوگ گلگشت سے واپس آگئے ہیں اور انہوں نے چار شخصوں کے لئے کھانا طلب کیا ہے۔

اس مژدہ جانفزا کے سننے سے جو حالت امین بے کی ہوئی اس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو چاروں طرف سے مایوسی نے گھیرا ہوا اور ان کو اتفاق سے کسی جگہ امید کی کوئی جھلک نظر آ جائے۔

پرنس امین فوراً اپنے کمرہ میں گیا۔ دوسرا جوڑا پہنا اور پھر صدر دروازے کے قریب ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ جہاں سے وہ مسز قیطون اور اس حسینہ دلنواز کو آتے وقت دیکھ سکتا تھا۔ اس کے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا اگر اس کافر ادا نے اس کو دیکھ لیا تو وہ کیا کہے گی۔ یا اگر اس سے خود ملا گیا تو وہ کیونکر پیش آئے گی۔ اسی شش و پنج میں اس کے ۲۰ منٹ نہایت بے قراری سے گزرے۔ اس نے جیب سے ایک ماہوار میگزین نکال لیا اور لوگوں کو دکھانے کے لئے پڑھنے لگا۔ لیکن جس وقت کوئی نئی موٹر کار آتی تھی تو اس کا دل بلیوں اچھلنے لگتا تھا اور اس کی آنکھیں دور سے آنے والوں کا استقبال کرتی تھیں۔

بالآخر بعد انتظار صبر شکن ایک شاندار موٹر کار آئی اور صدر دروازے کے سامنے کھڑی ہوئی۔ اور اس میں سے ایک قتالۂ عالم حسین و مہ جبیں لڑکی بنفشی رنگ کا ہلکا ریشمی جوڑا پہنے بصد ناز و انداز برآمد ہوئی۔ پرنس امین کا دل بے قرار ہو کر اچھل رہا تھا۔ حسینہ کو دیکھتے ہی تاب نظارہ نہ لا سکا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ دل پکڑ کر رہ گیا۔ یہ مس مارجوری کولیر تھی۔ وہ طاؤس طناز کی طرح ہوٹل کی طرف بڑھی اور اس کے پیچھے مسز قیطون تشریف لائیں۔

ہوٹل کے دربان نے جھک کر سلام کیا۔ اور مسٹر غلمان آمد آمد کی خبر سن کر مسکراتے ہوئے استقبال کو نکلے۔ پرنس امین بھی جو اس وقت انگریزی لباس پہنے پورا فرنگی نظر آتا تھا۔ بے قرار ہو کر نقد دل نذر کرنے آگے بڑھا اور جھک کر سلام کیا۔

مس مارجوری اس عاشق مضطرب کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی۔ اس کے لبوں پر تبسم نمودار ہوا اور سفید رخساروں پر مسرت کی سرخی نے ظاہر ہو کر عارض گلگوں بنا دیا اس وقت دونوں کی عجیب حالت تھی۔ دونوں کے دل مچلنے لگے تھے اور بہت ممکن تھا کہ دونوں لپٹ کر رونے لگتے، لیکن موقعہ نہ تھا۔ مارجوری نے ضبط و خودداری سے کام لیا اور بولی۔

''پرنس امین! آپ یہاں کہاں۔ میں تو سمجھتی تھی کہ آپ فن سپاہ گری سیکھ رہے ہوں

گے۔''

امین بے۔ ''ہاں اب تک تو اسی شغل میں تھا، لیکن اب میں چھٹی لے کر ذرا دل کی دوا کرنے نکلا ہوں۔''

اس وقت مسز قیطون اپنی میزبان خاتون مسز غلمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ اس لئے پرنس امین نے آہستہ سے کہا۔

''میں آج رات آپ سے ضرور ملنا چاہتا ہوں۔ ضرور، نہایت ہی ضروری کام ہے فرمایئے کہاں ملاقات ہوگی؟''

اس فوری مطالبہ کو سن کر مارجوری کسی قدر گھبرائی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

امین بے۔ ''مس کولیر میں آپ سے ضروری ملنا چاہتا ہوں۔ نہایت سخت ضرورت ہے آیا خیال شریف میں۔''

مارجوری۔ ''(آہستہ سے) اچھا! آج رات کو ہم کاسینو تو جائیں گے نہیں، اس لئے اگر ملاقات کرنا نہایت ہی سخت ضروری اور لازمی ہے تو میں رات کو ساڑھے نو بجے ہوٹل کے پشتہ کی طرف چلی آؤں گی۔ (پھر بلند آواز سے) واللہ پرنس امین میں آپ سے مل کر بے حد خوش ہوئی۔''

اور اس کے بعد وہ امین بے کو ہمراہ لے کر مسز قیطون کے پاس پہنچی اور مسکرا کر دونوں کی ملاقات کرائی۔ ان مراسم کے بعد اس نے ایک معنی خیز نگاہ پر کشش انداز سے امین بے پر ڈالی اور ہوٹل میں گھس گئی۔

پرنس امین بھی خوشی خوشی ہوٹل کے کمرہ میں گیا۔ اور اگرچہ فرطِ مسرت سے بھوک اڑ گئی تھی، لیکن محض رسم ادا کرنے کی غرض سے کھانا طلب کیا۔ دو چار لقمہ کھائے اور واپس کر دیا۔ یہاں تو دل بے قرار تھا۔ کھاتا تو کون، وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اب تھوڑی دیر بعد اس محبوبۂ دلنواز سے پھر ملاقات ہوگی۔ شکوہ شکایت اور حرف و حکایات کے دفتر کھلیں گے۔ وہ یہ کہے گی تو میں وہ۔ اور میں وہ کہوں گا تو وہ یہ فرمائے گی۔ الغرض وہ اس وقت بھی عالم خیال میں اپنی معشوقہ سے باتیں کر رہا تھا۔ خدا خدا کر کے وقت گذرا۔ اور پرنس امین بے ہوٹل سے

نکل کر اس بلند پشتہ پر جا کر ٹہلنے لگا جو ہوٹل کی عمارت کے سامنے تقریباً نصف میل تک چلا گیا ہے۔ تمیم روح پرور کی لپٹیں ہوا کے دوش پر سوار چلی آتی تھیں۔ بھینی بھینی خوشبو سے مشام جان معطر ہو رہا تھا۔ سامنے کی طرف کسی قدر پستی میں مانٹی کارلو کی برقی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ اور دوسری طرف عیش پسندوں کے متعدد جوڑے زرق برق لباس پہنے ادھر بنچوں پر بیٹھے مصروف گفتگو تھے۔ الغرض اس ''فردوس بروئے زمین'' کے دروازہ میں زندگی کی روح امنگیں لے رہی تھی۔

امین بے کا دل بے قرار کسی کی آمد کا منتظر تھا اور اسکی آنکھیں بار بار کسی کو ڈھونڈھتی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ وہ محبوبۂ وفادار حلقۂ احباب کی نظر بچا کر کھسک آئیگی۔ کہیں یہ خیال آتا تھا کہ ممکن ہے اس کو موقعہ نہ ملے اور وہ نہ آسکے تو اس کا دل ڈوب جاتا تھا۔ ساڑھے نو بج گئے اور ابھی تک کسی کا پتہ نہیں۔ رستہ تکتے تکتے آنکھیں پتھرا گئیں، لیکن ابھی تک جلوۂ جانانہ سے چشم منتظر محروم ہے۔ پونے دس بج گئے۔ مگر ہنوز آس در کاسہ۔ مگر اسی حالت امید وبیم میں اس کو دفعتاً ایک طرف کسی کی جھلک نظر آئی اور ایک لمحہ بعد مارجوری اس کے پاس کھڑی تھی۔ اس کا نازک ہاتھ امین بے کے ہاتھ میں تھا۔

امین بے۔

عشق میں مر کے زندگانی کی
اب بھی پوچھا تو مہربانی کی

مارجوری۔ ''کیا کروں موقعہ نہیں ملتا تھا۔''

امین بے۔ ''ذرا یہاں سے تھوڑی دور چلو۔ نہ معلوم ادھر ادھر کون کون لوگ بیٹھے ہیں۔''

مارجوری۔ ''مگر میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی۔ مجھے نہ دیکھ کر وہ لوگ کیا شک کریں گے۔ میں صرف یہ بہانہ کر کے آئی ہوں کہ میں ایک خط لکھنے کے بعد آتی ہوں۔ اور ان کو گانا سنتا چھوڑ آئی ہوں۔''

دونوں دل بے قرار ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے خراماں خراماں ایک طرف کو چلنے لگے۔ لیکن امین بے پر اس قدر رعب حسن چھایا ہوا تھا کہ نہیں جانتا تھا سلسلہ حرف و حکایات

کیونکر شروع کرے۔

امین بے۔ ''میرے پاس آپ کے تمام خط پہنچے اور ان سے مجھ کو اس قدر مسرت حاصل ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔''

مارجوری۔ ''یہی کیفیت آپ کے جوابات سے میری ہوئی۔ آپ کو میرا حال کیونکر معلوم ہوا۔''

امین بے۔ ''ایک تو میں پہلے ہی بے قرار تھا۔ دوسرے مجھ کو سر ہنری قیطون بن حام سے معلوم ہوا کہ آپ ان کی بیوی کے ساتھ نیقیہ میں مقیم ہیں۔ یہ معلوم کر کے تاب مفارقت نہ رہی اور میں سر کے بل دوڑتا ہوا یہاں پہنچا اور محض آپ سے ملنے کے لئے۔''

مارجوری۔ (اظہار تعجب کر کے) ''مجھ سے۔''

امین بے۔ ''جی ہاں صرف آپ سے۔''

مارجوری۔ ''یہ کیوں؟ آپ کو مسٹر قیطون بن حام سے معلوم ہو ہی گیا تھا کہ ہم لندن آرہے ہیں۔ آپ مجھ سے وہاں ملاقات کر سکتے تھے۔''

امین بے۔ یہ سب درست ہے لیکن..........

مارجوری۔ ''لیکن کیا؟''

امین بے۔ ''لیکن میرا دل میرے قابو میں نہیں رہا اور یہ آپ کے لیے مچلنے لگا تھا۔ یعنی کیا بتاؤں حال دل بے قرار کا۔''

مارجوری۔ (مسکرا کر) ''خوب۔''

امین بے۔ ''میں نے آپ کو چند روز ہوئے مصر میں بھی دیکھا تھا۔''

مارجوری۔ ''مصر میں! کہاں؟''

امین بے۔ ''الاقصر میں۔ میں آپ کے پاس سے گذرا۔ میرے چچا میرے ساتھ تھے اس لئے بات نہ کر سکا۔ آپ نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ چاہتا تھا کسی اور وقت ملاقات کروں گا۔ لیکن اسی وقت ہم کو قاہرہ واپس جانا پڑا۔ اور ملاقات کا کوئی موقعہ نہ مل سکا۔''

مارجوری یہ سن کر خاموش ہوگئی اور پھر کچھ دیر تک اسی طرح عالم سکوت طاری رہا۔ لیکن

چونکہ امین بے کے دل میں جذبات گونا گوں موجیں مار رہے تھے۔ اس لئے اس سے خاموش نہ رہا گیا۔

امین بے۔ (آہستگی سے) ''مارجوری آج کی رات مجھ کو وہ خوفناک وقت یاد آ رہا ہے جو گلن گریگ میں گزرا تھا۔ جب ہم دونوں ساتھ تھے۔ اور جب ہم نے وہ پراسرار آواز سنی۔ وہ عجیب قسم کی لرزیدہ آواز جس...... جس نے ہم دونوں میں اس قدر عرصہ دراز تک جدائی ڈال دی۔''

مارجوری۔ ''پرنس اب وہ باتیں یاد نہ دلاؤ۔ اس کی یاد سے میرا دل دہل جاتا ہے۔''

اسی طرح باتیں کرتے کرتے وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں کہ گل داؤدی کے پھوپ اپنی معطر خوشبو کو فضا میں بکھیر کر عاشقوں کو بے خود کر دیتے تھے۔ گل داؤدی انسان کے حسن عارضی اور عیش فانی پر ہنس رہے تھے۔

امین بے۔ ''للہ بتاؤ تو سہی اس عجیب وغریب آواز کا کیا مطلب تھا اور تم اس کے سنتے ہی اس قدر بدحواس ہو کر بھاگی تھیں اور پھر یورپ بھر میں کیوں سفر کرتی پھریں۔''

مارجوری جواب دیتے ہوئے کس قدر ہچکچائی۔ اس کی آنکھیں نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں اور وہ امین بے سے آنکھ ملانا نہیں چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

''وہ ایک حکم تھا۔ لیکن نہیں۔ اب اس کا میں نے خیال دل سے نکال دیا کیونکہ یہ سوچ کر ذہن پر خوف مسلط ہو جاتا ہے۔'' مارجوری نے کہا۔

امین بے۔ ''خوف! کیوں؟''

''اس لئے کہ وہ آواز نہیں تھی بلکہ میری تمام امیدوں، میرے تمام جذبات اور میری تمام خواہشات کے لئے پیغام مرگ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اس مقام سے اس طرح اچانک فرار ہوگئی۔ اور دنیا بھر میں ماری ماری پھری۔ لیکن افسوس...... سب بیکار......'' مارجوری غمزدہ لہجے میں بولی۔

امین بے۔ ''مارجوری تمہارے اس طرح چلے جانے سے میری تمام خوشیاں اور امیدیں

خاک میں مل گئیں۔''

مارجوری۔ ''آپ کی خوشیاں، امیدیں! کیوں کر؟''

امین بے۔ ''اس لئے کہ جب تم اس طرح اچانک بغیر کچھ کہے سنے چلی گئیں تو مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمہارے بغیر دنیا کی ساری رنگینیاں ختم ہوگئیں اور جیسے پوری دنیا خالی ہوگئی۔''

مارجوری۔ ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔''

امین بے۔ ''اپنا چہرہ قریب لا کر'' تم نہیں سمجھیں؟ کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ تم پر میری جان بھی قربان ہے؟ کیا تم یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ تمہاری ایک ذات میرے لئے پوری دنیا ہے؟ نہ پوچھو یہ مفارقت کی گھڑیاں کس طرح کٹی ہیں اور آج اس قدر عرصہ بعد تم کو دوبارہ دیکھ کر جان میں جان آئی ہے۔ لاؤ ہاتھ بڑھاؤ جسے بوسہ لوں۔''

اور یہ کہہ کر امین نے نہایت نرمی سے مارجوری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر آنکھوں سے لگایا اور پیار کیا۔

☆......☆......☆

مارجوری نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے دل میں تلاطم جذبات پیدا ہوا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اور وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''نہیں! نہیں!!! اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ ہائے اللہ! آج رات میں تم سے ملی ہی کیوں؟''

امین بے۔ ''کیونکر نہ کروں۔ تمہارے بغیر میری تو دنیا تاریک ہے۔ میرے خیال میں تم ہو، میرے خواب میں تم ہو۔ اور یہی کہنے میں یہاں آیا ہوں۔ یعنی میں تم کو چاہتا ہوں۔ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔''

مارجوری۔ ''پرنس! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کی باتوں کا کیا جواب دوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ سے کہہ دیا تھا۔ یعنی یہ کہ میری منگنی ایک شخص سے ہو چکی ہے اور اب شادی ہونے والی ہے اور......''

امین۔ ''کس سے ہونے والی ہے؟''

مارجوری۔ ''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ یہ آپ دریافت نہیں کر سکتے۔''

"للہ مارجوری! میرے حال پر رحم کرو۔ میرا دل، میری جان، میری تمام امیدیں اور میرا تمام مستقبل تمہارے ہاتھ میں ہے۔" امین نے بے افسردہ اور غم لہجے میں بولا۔

مارجوری۔ "نہیں! نہیں!! اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ میں آپ کی منت کرتی ہوں۔ (گھبرائی آواز میں) آپ کو معلوم نہیں میرے دل میں کس قدر طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اگر آپ حقیقت میں مجھے چاہتے ہیں تو آپ ہی مجھ پر رحم فرمائیں۔ اور اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ آئندہ ہم دونوں نہایت عزیز دوست رہیں گے۔ آج کی یہ تکلیف دہ گفتگو آئندہ کے لئے خواب وخیال سمجھ لی جائے۔"

امین بے۔ "اوہ! میرا دل ٹوٹ گیا۔ میری دنیا برباد ہوگئی۔ کیا میں تم سے کوئی امید نہ رکھوں۔ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟"

مارجوری نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے خوبصورت لبوں پر اور اس کی نشیلی آنکھوں میں اس وقت کسی خاص جذبہ کی جھلک تھی۔ دفعتاً اس کا دل بھر آیا اور آنکھیں اشک آلود ہوگئیں۔ امین بے نے فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر جوش میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور متوجہ کر کے بولا۔"

امین بے۔ "کہو، مارجوری خدا کے لئے کچھ تو کہو۔"

مارجوری خاموش تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ بھی نہ چھڑایا۔ لیکن وہ سر سے پاؤں تک لرزہ براندام تھی۔ اور اس وقت خود پرنس امین کو نظر آ رہا تھا کہ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔ جو پھول تھوڑی دیر قبل گلاب کا تھا اب وہ یاسمین بن گیا ہے۔ بلکہ یاسمین کے اندر تو کچھ رنگ ہوتی بھی ہے وہ تو بالکل چاندنی بن گئی تھی۔ وہ ایک مجسمۂ مرمریں کی طرح شہر مونا کو برقی روشنی کی طرح دکھ رہی تھی جو دور فاصلہ پر چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ امین بے نے بے اختیار ہو کر مارجوری کا ہاتھ اوپر اٹھایا اور خود سر جھکا کر چومنا شروع کر دیا۔ وہ اس پنجۂ نگاریں کو کبھی آنکھوں سے لگاتا تھا اور کبھی لبوں سے، لیکن مارجوری اسی طرح بت کی مانند ساکت کھڑی رہی۔

امین بے۔ کہو! خدا کے لئے کچھ تو کہو۔ کیا تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے؟ تمہیں بھی مجھ محبت ہے اور ضرور ہے۔

پھر خاموش کیوں ہو؟ کہو اور تمام باتیں آج سچ سچ کہہ دو۔ سب حقیقت کھول دو۔"

مارجوری۔ عالم کیف سے سرشار ہو کر۔ "کیسی حقیقت؟"

امین بے۔ "یہی حقیقت کہ میں تم کو ایک قسم کے پراسرار بے چینی میں گرفتار دیکھتا ہوں۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس رات کو جو وہ عجیب وغریب آواز سنائی دی تھی۔ اس نے تمہیں خوفزدہ کر کے تم کو دنیا بھر میں پھرایا۔ کیا یہ بات صحیح نہیں؟"

مارجوری نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

امین بے۔ "اچھا اس آواز کے کیا معنی تھے؟"

مارجوری۔ "اس آواز نے مجھ سے ایک حقیقت۔ ایک ہولناک حقیقت بیان کی اور میں اس وقت سے اب تک پریشان ہوں، میرا خیال ہے میرے اس طرح دفعتاً چلے جانے سے لوگوں میں خوب چہ میگوئیاں ہوئی ہوں گی۔ کیوں لوگ کیا کہتے تھے؟"

امین بے۔ "ہر شخص حیران تھا اور میں بھی صدہا قسم کے خیالات دل میں لاتا تھا۔ لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ تمہارے اچانک چلے جانے کی اصل وجہ وہی آواز تھی اور وہ ایسی آواز معلوم دیتی تھی جیسے افریقہ کے حبشی، شکار کا جانور ہنکاتے ہوئے لگاتے ہیں۔ کیا درختوں کے اس جھنڈ میں کوئی شخص چھپا ہوا تھا؟"

مارجوری سر ہلا کر۔ "پرنس! ایسی باتیں بیان کرنے کے لئے اصرار نہ کرو۔ جو خاص میری ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ بس اب چھوڑ دو۔ میں اپنے احباب کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

امین بے۔ "نہیں! ابھی نہیں!! ہرگز نہیں، پہلے میرے دل کو مطمئن کر دو، اور میں کوئی امید کی کرن دکھلا دو۔ ممکن ہے جس شخص سے آپ کی مفروضہ منگنی بتائی جاتی ہے، اس سے آپ شادی نہ کریں۔ کیا اس وقت میں کوئی امید رکھ سکتا ہوں؟"

مارجوری۔ "آپ خود جانتے ہیں کہ میری نسبت ایک شخص سے قرار پا چکی ہے۔ پھر کسی قسم کی امید دوسرے شخص کو دلانا ایمانداری سے بعید ہے۔"

امین بے۔ "ہاں کسی فرضی شخص سے منگنی ہو چکی ہے۔ جس کی حقیقت کسی فسانہ کے ہیرو سے زیادہ نہیں۔ پھر ایسے شخص کا میرے دل میں کیا احترام ہو سکتا ہے۔ جس کا نام ونشان تک کسی کو معلوم نہیں۔"

مارجوری۔ ''ایک دن وہ بھی معلوم ہو جائیگا۔''

امین بے۔ ''کیا آپ اس حقیقت سے بھی انکار کریں گی کہ جو آگ میرے دل میں لگی ہوئی ہے وہ آپ کے دل میں بھی ہے۔''

مارجوری نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سامنے کی برقی روشنی کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

امین بے۔ ''اچھا کہہ دو! صرف اتنا کہہ دو کہ امین میں بھی تم کو دل سے چاہتی ہوں۔'' یہ کہتے ہی اس نے ہاتھوں کو بوسے دینے شروع کر دیئے۔''

مارجوری۔ ''جب آپ جانتے ہیں کہ میں دوسرے شخص کی ہو چکی ہوں تو پھر آپ مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہیں؟''

امین بے۔ ''یہی کہ دل میں جو بات ہے اسے صاف صاف کہہ دو۔

مارجوری۔ ''افسوس! مجھ کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہے، جو الم انگیز تماشہ میرے دل کے اسٹیج پر ہو رہا ہے۔ اس کا ڈراپ سین نظر نہیں آ سکتا۔ آپ مجھ سے میری محبت کی نسبت سوال کرتے ہیں؟ تو سن لیجئے اگر اس روز رات کو وہ آواز سنائی نہ دیتی تو آج معاملہ ہی دوسرا ہوتا۔ اس وقت ممکن تھا کہ میں آپ کو چاہنے لگتی۔ افسوس!'' اس نے بہت ہی آزردہ اور غمگین لہجے میں بتایا۔ اس کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

امین بے۔ ''میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم چاہتی تو مجھ کو اب بھی ضرور ہو۔ محض اس منحوس منگنی کی وجہ سے زبان پر نہیں لاتیں۔

مارجوری۔ ''دل کی دنیا ہی نرالی ہے۔ میں تمہاری محبت سے انکار نہیں کرتی، لیکن کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میاں بیوی بننے کے بجائے ہم دونوں دوست اور پیارے دوست بنے رہیں۔''

امین بے۔ ''نہیں میری جان ایسا نہ کہو۔ میں تمہارا قدر دان ہوں، تمہارا پرستار ہوں، تمہارا پجاری ہوں۔ میرا دل نہ توڑو۔ میری محبت سے انکار نہ کرو۔ ورنہ میں جیتے جی زندہ در گور ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاؤں گا، کیا تم چاہتی ہو، میں گھٹ گھٹ کر آہیں بھرتے بھرتے مر جاؤں۔''

مارجوری۔ ''نہیں مجھے آپ کی محبت سے انکار نہیں، لیکن مجبور ہوں۔''

امین بے۔ ''آپ مجھ پر ظلم کر رہی ہیں۔''

مارجوری۔ ''ظلم تو آپ کر رہے ہیں۔ جانتے بوجھتے کہ میں دوسرے کی ہو چکی اور پھر آپ مجھ سے مطالبۂ محبت کر رہے ہیں۔''

امین بے۔ ''پھر کیا کروں۔ مجھے بھی میرے اس دل نے مجبور کر رکھا ہے۔ کیا سچی محبت کسی کے دبائے دب سکتی ہے؟''

یہ کہہ کر امین نے بہ نظر استفسار مارجوری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ نہ معلوم ان ''خاموش گویا'' نظروں نے آپس میں کیا باتیں کر لیں کہ مارجوری کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

یہ حالت دیکھتے ہی امین بے نے بے قرار ہو کر اس کی کمر میں ہاتھ حمائل کر دیئے اور چشم زدن میں اس کے لب مارجوری کے غنچۂ دہن سے مس ہوئے۔ دو طرف سے مثبت و منفی بجلیاں دوڑیں اور پھر دونوں کے دلوں پر ایک پر اسرار کیف طاری ہو گیا۔ وہ ننھے ننھے دل تھے، لیکن ان میں جذبات کا ایک طوفان برپا تھا۔ محبت اور وفاداری میں صف آرائی ہونے لگی۔ دونوں طرف سے خوب خوب جوہر دکھائے گئے۔ لیکن بالآخر جذبۂ محبت غالب آیا اور صفِ مروت کو پسپا ہونا پڑا۔ مارجوری کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس نے امین بے کے گلے میں اپنے ہاتھ ڈال دیے۔ تشنہ و خشک لب سیراب ہونے لگے اور عہد نامۂ محبت پر دستخط ثبت کر دیے۔''

کچھ دیر تک اسی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر تبادلۂ جذبات ہوتا رہا۔ وہ اس وقت اندھیرے میں کھڑے تھے۔ کوئی دوسرا شخص قریب نہیں تھا۔ اور ہوتا بھی تو کسے پروا تھی۔ وہ دونوں اس وقت عالم بالا کی سیر کر رہے تھے۔

دفعتاً مارجوری کو کچھ خیال آیا اور وہ تڑپ کر علیحدہ ہو گئی۔ اور امین بے، جذبات سے کسمساتے ہوئے فرطِ محبت سے بولے۔

امین بے۔ ''جان من! میں بیان نہیں کر سکتا، اس وقت مجھ کو کس قدر خوشی حاصل ہوئی ہے۔ بس اب تم میری ہو۔ تم کو مجھ سے کوئی شخص نہیں چھین سکتا۔

ان الفاظ نے مارجوری کو عالم کیف سے سرشار کر دیا۔ وہ اپنی حالت درست کر کے کھڑی ہوئی اور امین بے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

’’نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں تمہاری کبھی نہیں ہوسکتی۔‘‘

’’لیکن آپ کو میرا ہونا پڑے گا۔ ہم دونوں باہم محبت کرتے ہیں۔‘‘ امین بے نے ایک عظم سے بولا۔

’’یہ ناممکن ہے یہ عشق ومحبت فضول ہے۔ آج مجھ سے بڑی بیوقوفی ہوئی۔‘‘

امین بے۔ ’’کیسی بیوقوفی؟‘‘

مارجوری۔ ’’ایسی کہ میں نے خواہ مخواہ اقرار محبت کرلیا۔ اب اس حرکت کا نتیجہ سوائے رنج وملال کے اور کچھ نہ ہوگا۔‘‘

امین بے۔ ’’کیوں؟‘‘

مارجوری۔ ’’اس لئے کہ عشق ومحبت کی یہ بات سرسبز نہیں ہوسکتی۔‘‘

امین بے۔ ’’وجہ؟‘‘

مارجوری۔ ’’انگریز ہوں۔ اور تم عرب، میں عیسائی ہوں اور تم مسلمان۔ تمہارے والدین مجھ سے شادی کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیں گے۔‘‘

امین بے۔ ’’تمہارا یہ خیال قطعی غلط ہے، قانون عشق میں تعصبات نسلی اور عقیدہ ومذہب کی کوئی حقیقت نہیں۔ علاوہ ازیں ہمارے مذہب میں اہل کتاب لڑکیوں سے شادی کرنا جائز ہے۔ مشترک سے نہیں اور ہندوستان کے کئی بادشاہ تو راجکماریوں کو بھی بیوی بنا چکے ہیں۔ مجھ کو صرف تم درکار ہو۔ تمہارے مذہب سے کچھ سروکار نہیں، رہا والدین کی رضامندی کا سوال۔ تو یہ بھی فضول ہے۔ اس لئے کہ ان کو میری خاطر ہر طرح منظور ہے۔ میری والدہ خود ایک فرانسیسی نواب زادی ہیں۔ وہ ہماری شادی سے ہرگز انکار نہیں کریں گی۔‘‘

مارجوری۔ ’’خیر! اگر ایسا ہے تو میں بھی آپ کو ایک راز کی بات بتائے دیتی ہوں اور وہ یہ کہ میں خود بھی مسلمان ہوں۔ عیسائی نہیں ہوں۔ میرے دو نام ہیں۔ ایک اپنے والد کے نام پر مارجوری کولیر، دوسرا ریحانہ لیکن پھر بھی یہ جوڑی پروان نہیں چڑھ سکتی۔‘‘

امین بے۔ ’’وہ کیوں؟‘‘

ریحانہ۔ ’’افسوس! تم کو تمام باتوں کی خبر نہیں۔‘‘

امین بے۔ ’’جب تک آپ کچھ بتائیں گی نہیں تو مجھے حال کیونکر معلوم ہوسکتا ہے۔ اگر آپ پوشیدہ راز سے پردہ ہٹائیں گی تو کچھ علاج کیا جائے گا۔‘‘

ریحانہ۔ ’’کہنا بے مقصد ہے۔ اور علاج محال۔ اگر آپ نے میری خاطر ذرا بھی قدم اٹھایا تو ہم دونوں سے سخت ترین انتقام لیا جائیگا۔‘‘

امین بے۔ ’’آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ ڈرتی کس بات سے ہیں؟‘‘

☆......☆......☆

ریحانہ التفات نظر ڈالتے ہوئے۔ ’’میں صرف آپ کی وجہ سے ڈرتی ہوں۔‘‘

امین بے۔ ’’تمہاری محبت کی وجہ سے میں کسی سے نہیں ڈرتا۔‘‘

ریحانہ۔ ’’ڈر کی تو بات یہی ہے کہ تم مجھ سے اور میں تم سے محبت کرتی ہوں۔‘‘

امین بے۔ ’’پھر جب تم ہو تو کیا غم ہے۔‘‘

پھر گھبراتے ہوئے ریحانہ بولی۔ ’’مگر نہیں...... آج کے بعد ہم دونوں میں جدائی ہو جانی چاہئے۔ اور بہتر ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو بھول جائیں۔‘‘

امین بے۔ ’’بہت خوب! جس کو میں اس طرح چاہتا ہوں۔ کیا اس کو کبھی دل سے بھلا سکتا ہوں؟ ہرگز نہیں۔‘‘

’’مگر ایسا کرنا لازمی ہے۔‘‘ ریحانہ افسردگی سے بولی۔

امین بے۔ ’’ایسا کیونکر ہوسکتا ہے؟‘‘

ریحانہ۔ ’’میں بھی یہی سوال کرسکتی ہوں...... لیکن نہیں۔ آج کے بعد فراق...... اور پھر فراموشی......‘‘

یہ کہتے ہی مارجوری نے آبدیدہ ہوکر امین بے کو سینہ سے لگا لیا اور بھینچ لیا۔

ریحانہ۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) ’’کیا کیا جائے یہ تمام تقدیر کی خوبیاں ہیں کہ ملنا نصیب نہیں ہوا، اور مفارقت کی مصیبت نازل ہوگئی۔ میں نے تم سے ذکر تو کیا ہوگا کہ اب سے ایک سال بعد میری شادی ہو جائے گی۔‘‘

امین بے۔ ’’لیکن اب اس کو بھول جاؤ۔ اب وہ شادی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ ہم دونوں ایک

دوسرے کے دیوانے ہیں۔ کیوں میری جان، کیا تم مجھے نہیں چاہتیں، پھر تم کسی دوسرے شخص سے شادی کیوں کرو؟"

ریحانہ۔ "کیا کروں۔ کرنی پڑے گی...... میں بہت مجبور ہوں، میں......"

یہ کہتے ہی ریحانہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ امین بے نے بے قرار ہو کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور بوسہ لیکر بولا۔"

"نہیں، تم اس شخص سے ہرگز شادی نہیں کرو گی۔"

ریحانہ۔ "امین میں مجبور ہوں۔"

امین بے۔ "میں نہیں سمجھتا آپ کو کوئی مجبوری ہو سکتی ہے؟"

ریحانہ۔ "آہ! کچھ نہ پوچھو۔" "دل کو جو روگ لگا ہے مرا دل جانتا ہے۔"

امین بے۔ بغیر بتائے کوئی کیسے معلوم کر سکتا ہے؟ آپ کو مجھ سے محبت کا دعویٰ بھی ہے اور مجھ سے راز بھی چھپاتی ہیں۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ عاشقِ جان نثار سے تو اس قدر راز داری اور مسٹر مارشمون کو آپ نے سارا حال دل بتا دیا۔"

مارشمون کا نام سنتے ہی مارجوری کا منہ فق ہو گیا۔ مردنی چھا گئی، وہ گھبرا کر بڑھی اور امین بے کا بازو پکڑ کر جلدی سے اپنی طرف متوجہ کیا۔

ریحانہ۔ "مارشمون، مسٹر مارشمون!! سچ بتاؤ اس نے میری نسبت کیا بیان کیا، کیا کوئی ایسی بات ظاہر کی جس میں میری رسوائی ہو۔ اوہ میں یہ بات بھول گئی تھی کہ تم میں اور مارشمون میں دوستی ہے۔ بیشک! اس نے تم سے ضرور کچھ کہا ہوگا۔ خدا کے لئے بتلاؤ۔ بتاتے ہوئے ڈرو نہیں۔ اوہ! اب مجھ کو خیال آیا۔ اس کمبخت نے تم سے تمام راز فاش کر دیا ہوگا۔ آہ! وہ ہولناک راز...."

ریحانہ اپنے محبوب صادق کا منہ چہرہ یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے لجاجت اور شرمندگی ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور اس کی پیشانی سے ایسا ظاہر ہوتا تھا گویا اس پر بدقسمتی کی مہر لگی ہوئی ہے۔

☆.....☆.....☆

گزشتہ واقعات کے تین دن بعد سر ہنری قیطون بن حسام بھی سرکاری فرائض سے فرصت پا کر بذریعہ ایکسپریس ٹرین نیقیہ پہنچ گئے۔ اس وقت مارجوری اور مسز قیطون دونوں تھیٹر گئی ہوئی تھیں۔ جہاں ایک نہایت عمدہ فرانسیسی اسٹیج ڈرامہ ہو رہا تھا۔

نصف گھنٹہ بعد دونوں خاتون واپس آ گئیں اور سر قیطون کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ بعد مزاج پرسی انہوں نے کپڑے چینج کئے اور چائے کے درمیان لندن کی باتیں پوچھنے لگیں جسے سر ہنری نے تفصیل کے ساتھ بیان کیں۔

دنیا میں بہت سے مقدر کے دھنی ایسے ہیں جن کی صورتیں دیکھ دیکھ کر تقدیر مسکراتی ہے۔ جن کی تقدیر میں لکھنے والے نے چین ہی چین لکھا ہے۔ ان کو اتنی پروا نہیں کہ آفتاب کس طرف سے طلوع اور کس طرف سے غروب ہوتا ہے اور دنیا کا کوئی بدنصیب طبقہ ایسا بھی ہے جو صبح سے شام تک محنت شاقہ کر کے خون پسینہ کی کمائی سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا، جو بدقسمتی سے عموماً زیادہ ہوتے ہیں، تنور شکم بھرتا ہے اور پھر بھلا نہیں ہوتا۔ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا میں لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی ایسے ہیں جنہوں نے کھانا تو درکنار کبھی نان گندم کی صورت بھی نہیں دیکھی جن کو مہینوں دو وقت پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا۔ جس طرح یہ مقدر کا سکندر عیش پسند اور آرام طلب طبقہ ہندوستان میں بزمانہ گرما شملہ، منصوری، نینی تال دارجیلنگ، ٹولہوزی، مری، آبوز، پچھمڑی، یا اوٹاکمنڈ، کشمیر کی دلفریب اور روح پرور فضا میں رنگ رلیاں مناتا ہے۔ اسی طرح یورپ کا دولتمند اور عیش پسند طبقہ گرمیوں میں سوئزرلینڈ اور جاڑوں میں بحیرۂ روم کے شمالی ساحل کے پرفضا مقامات میں دادِ عیش و کامرانی دیتا ہے۔ اس پرغرور اور سرکش پتلۂ خاک کو جو تمول کے نشہ میں چور، بگلوں کی طرح فضائے عیش میں اڑا اڑا پھرتا، اور زمین پر قدم نہیں رکھتا، یہ خیال نہیں کرتا کہ زندگانی کا مقصد صرف عیش اڑانا اور غربا اور مساکین کو بنظر حقارت و نفرت دیکھنا ہی نہیں کیونکہ وہ تو

خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے، والا معاملہ ہے۔ بلکہ ملک و ملت کی خدمت بھی کوئی چیز ہے۔ آہ! دنیا تو بھی عجیب جگہ ہے۔

اس تاروں بھری رات کے بعد سے جب مارجوری اور پرنس امین بے نے عہد نامہ راز د

نیاز پر مہر محبت ثبت کی تھی۔ مارجوری کا دل ٹھکانے نہیں تھا۔ اب نہ وہ ہوٹل کے پشتہ پر چہل قدمی کرتی تھی۔ نہ تھیٹر جاتی تھی، نہ کسی دوسرے مقام پر جا کر سیر وتفریح میں دل بہلاتی تھی۔

اس کا مشغلہ اب رات دن صرف یہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنے کمرہ میں لیٹی لیٹی عشقیہ غزلیں اور ناول پڑھا کرتی تھی یا جس وقت زیادہ جی گھبرا جاتا تھا تو کھڑکی کھول کر بحیرہ روم کی فضائے نیلگوں کا منظر دیکھنے لگتی تھی، اور اگرچہ وہ بظاہر ہر وقت کمرہ میں موجود نظر آتی تھی، لیکن اس کا دل ہمیشہ کہیں غائب رہتا تھا۔ جس وقت سے وہ دونوں عاشق ومعشوق جدا ہوئے تھے، اس وقت سے دونوں کو ایک دوسرے کا دیدار میسر نہیں آیا تھا۔ اس پرلطف وقت کی یاد رہ رہ کر دل میں آتی تھی۔ جب وہ دونوں دادِ عشق ومحبت دے رہے تھے، وہ پرنس امین پر دل سے فریفتہ تھی۔ لیکن اس کو کسی شخص سے محبت کرنے کا حکم نہیں تھا۔ بلکہ وہ کسی کو دل دینے کا حق ہی نہیں رکھتی تھی۔ وہ دیگر عورتوں کی طرح آزاد وخود مختار نہ تھی جس وقت پرنس امین کا بے ساختگی کے ساتھ اظہار عشق کرنا اور ولولہ انگیزی کے ساتھ بوسے لینا یاد آتا تھا تو اس کی آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ اور جب اس کا یہ کہنا اور زور دے کر کہنا کہ ''تم میری ہو'' یاد آتا تھا تو وہ وقتاً فوقتاً گھبرا کر پھر آنکھیں کھول دیتی تھی، کیونکہ وہ اپنے دل میں جانتی تھی کہ وہ قانوناً پرنس امین کی نہیں ہوسکتی۔

ایک اہم بات کا اس کو خیال نہیں رہا تھا اور وہ یہ کہ پرنس امین اور مسٹر مارشمون میں دوستی تھی۔ جس وقت مارشمون کا نام اس نے امین بے کی زبان سے سنا محض اس وقت خیال آیا کہ وہ ایک بہت بڑی غلطی کر گزری ہے۔ مگر چٹکی سے نکلا تیر اور ہاتھ سے گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے، لیکن وہ پچھتا رہی تھی کہ میں نے امین بے سے کیوں اظہار محبت کر دیا۔ دل میں اگر محبت تھی تو رہتی، لبوں تک نہیں آنی چاہئے تھی۔

مارجوری کی طبیعت کے اس زبردست تغیر کو مسز قیطون بھی غور سے دیکھ رہی تھی۔ اور کئی بار ٹوک بھی چکی تھی کہ اس قدر تنہائی پسندی کا اثر صحت پر خراب پڑے گا۔ لیکن مارجوری کی طرف سے وہی پرانا عذر پیش کر دیا گیا جو گرفتاران محبت اکثر کیا کرتے ہیں یعنی ''سر میں درد ہے، اور جلد پیرس یا کسی اور جگہ چلی جانا چاہتی ہے۔''

اس روز صبح کو سیر کو جانے سے قبل سرہنری نے اپنی بیوی سے یہ ذکر بھی کر دیا تھا کہ ان کے

پاس لندن میں ایک مصری شہزادہ پرنس امین بے نسیم بھی آیا تھا اور اس نے ایسے ایسے واقعات بتائے تھے۔

سرہنری۔ مس مارجوری پر امین بے بری طرح فریفتہ ہے۔ اور جب ہم لندن چلیں گے تو آپ سے اس کی ملاقات ضرور ہوگی۔ اگرچہ وہ مسلمان اور مصری عرب ہے، لیکن مغرب کی تعلیم سے آراستہ نہایت شائستہ ہے۔ خوبصورت اور وجیہہ نوجوان ہے۔ میں اس کو بہت پسند کرتا ہوں۔''

مسز قیطون۔ ''حیرت ہے کہ مارجوری نے اس کا ذکر مجھ سے کبھی نہیں کیا۔ لیکن وہ آواز والا واقعہ نہایت عجیب ہے، میرے خیال میں وہ مارجوری کے لئے ایک پراسرار انتباہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اچانک وہاں سے روانہ ہوگئی تھی۔

سرہنری۔ ''واقعی تمام واقعہ ایک راز سربستہ ہے، اور وہ خود بھی ایک مکمل راز ہے۔

مسز قیطون۔ ''خیر ہمیں کیا، جن باتوں کا تعلق ہم سے نہیں ہے، انہیں معلوم کرنے میں ہم کیوں سر کھپائیں، ممکن ہے کہ کوئی پرانی خاندانی بات ہو، اور مارجوری کا اس سے کچھ بھی تعلق نہ ہو۔''

سرہنری۔ ''مجھے تو بیچارے امین بے کی حالت پر رحم آتا ہے۔ آدمی بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔'' اس گفتگو کے بعد سرہنری ہوٹل سے نکل کر شہر کی طرف چہل قدمی کے لئے نکل گئے۔ اور ابھی وہ کوشک الاجارے کے قریب ہی پہنچے تھے کہ انہوں نے ایک اخباری پوسٹر پڑھا جس میں موٹے حروف سے حسب ذیل الفاظ تحریر تھے۔

''نیقیہ میں ایک ہولناک واقعہ۔ انگلستان سے آئے ہوئے ایک مصری کا پراسرار قتل۔''

سرہنری نے فوراً اخبار خرید کر جیب میں ڈال لیا۔ اور تھوڑی دیر کی چہل قدمی کے بعد وہ ہوٹل واپس آگئے۔ اس وقت مارجوری نیا جوڑا پہنے موٹر میں سوار ہو کر ہوا خوری کو جانے کے لئے تیار تھی۔ اس نے سرہنری کو دیکھ کر سلام کیا۔ انہوں نے دعا دی۔

مارجوری۔ ''آج ذرا مانٹی کارلو کی سیر کا ارادہ ہے۔ میں مسز قیطون کا انتظار کر رہی ہوں۔ دوپہر کا کھانا ریزرد ہوٹل میں چل کر کھانے کا ارادہ ہوگیا۔ آپ بھی تشریف لے چلیں گے۔''

سرہنری نے چلنے پر آمادگی ظاہر کی اور بر سبیل تذکرہ فرمایا۔

سرہنری۔ ''آج ایک اخبار فروش چلا چلا کر آواز لگا رہا تھا کہ نیقیہ میں ایک ہولناک پر سرار قتل۔ کہتے ہیں شخص مقتول کوئی مصری امیر زادہ تھا جو انگلستان سے یہاں آیا تھا۔ دیکھئے وہ اخبار میری جیب میں ہے۔''

یہ کہہ کر سرہنری نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرچہ نکالا اور مارجوری کے حوالہ کر دیا۔

مس مارجوری نے لاپروائی سے اخبار کھولا۔ اور ابھی دو تین کالم ہی پر نظر ڈالنے پائی تھی کہ دفعتاً اس کو ایک فوٹو نظر آیا یہ مقتول کا فوٹو تھا۔ نظر پڑتے ہی مارجوری نے صاحب تصویر کو فوراً شناخت کر لیا۔ وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ پھر اس کا دل گھبرایا اور آہستگی سے ایک آہ اس کے منہ سے نکل گئی۔ غنیمت سمجھئے کہ اس وقت سرہنری کی پشت مارجوری کی طرف تھی اور وہ اپنے نقرئی کیس میں سگریٹ بھر رہے تھے۔ مارجوری نے فوراً خود کو سنبھالا۔ اور بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرہ میں پہنچتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا اور قفل لگا دیا۔ اس وقت اس کا رنگ اڑا ہوا تھا، اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے، اور وہ سخت حیران و پریشان تھی۔ اس نے فوراً اخبار نکال کر حسب ذیل رپورٹ پڑھی۔

''بدھ کے روز انگلستان سے ایک مصری امیر زادہ نیقیہ پہنچا اور ہاؤس ایجنٹ کی معرفت ڈاکخانہ کی سڑک پر مکان نمبر ۶۸ کی دوسری منزل کے آراستہ و پیراستہ کمرہ، امین بے نسیم کے نام سے تین ماہ کے لئے کرایہ پر لیا اور تین مہینوں کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا۔ اسی روز سہ پہر کو تین بجے کے قریب وہ اپنا تمام سامان جو ریلوے اسٹیشن کے ایک کمرہ میں امانت رکھا ہوا تھا، لے آیا، ہاؤس ایجنٹ کی معرفت اس نے ایک بڑھیا خادمہ مسماۃ بالین بھی ملازم رکھی۔ اور تنہائی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

اس کے پاس کوئی بھی شناسائی ملاقات کے لئے نہیں آتا تھا۔ اور وہ خود بھی بظاہر بہت کم باہر نکلتا تھا۔ صرف شام کے وقت ٹہلتے ٹہلتے تھیٹر کی عمارت تک چلا جایا کرتا تھا، اور نہ کبھی کاسینو یا جیٹی کے قمار خانوں میں دیکھا گیا۔ اس کا تمام وقت کتب بینی اور خطوط لکھنے میں صرف ہوتا تھا اس کی نسبت میڈم بالین نے بھی ایک مرتبہ کہا تھا کہ ایسی روکھی پھیکی زندگی بسر کرنے سے کیا

فائدہ، جس کا جواب مقتول نے یہ دیا تھا کہ بے یار و مددگار لوگوں کی زندگی اگر بد مزہ نہ ہو تو اور کیا ہو۔''

مقتول کے پاس خطوط بھی کہیں سے نہ آتے تھے۔ لیکن اتنی بات ضرور معلوم ہوئی ہے کہ وہ ڈاکخانہ سے خطوط لے کر آیا کرتا تھا۔ لیکن ''امین بے نسیم'' کے نام سے کوئی خط نہ آتا تھا۔ نیقیہ میں آنے کے بعد تین دن خاموشی سے گذر گئے۔ لیکن تیسرے روز سہ پہر کے وقت جو میڈم بالین دروازہ کھول کر کمرہ میں گئیں تو انہوں نے مقتول کو نہایت پژمردہ خاطر اور ملول و غمگین حالت میں بیٹھا دیکھا۔ واقعی ایک نوجوان آدمی کے لئے جو صاحب دولت بھی ہو اس قدر افسردہ مزاجی کے ساتھ زندگی بسر کرنا حیرت انگیز تھا۔ ورنہ جنوبی یورپ کے عیش خانوں میں آ کر نوجوان آپے میں نہیں رہتے۔

شنبہ کے روز تین بجے سہ پہر کو میڈم بالین نے ایک رات کی رخصت طلب کی، کیونکہ وہ اپنی لڑکی سے جس کی شادی ہو چکی تھی، ملنے جانا چاہتی تھی۔

مصری امیر زادہ نے کوئی عذر نہ کیا اور کہا کہ اچھا وہ ہوٹل میں کھانا کھا لے گا، لیکن اتوار کی صبح کو ضرور چلی آنا۔

معلوم ہوا ہے کہ واقعی مقتول نے اس روز شب کا کھانا جیٹی ہوٹل میں کھایا تھا۔ اور وہاں کے خادم یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ تنہا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جب وہ کھانا کھانے کے بعد قہوہ پی رہا تھا، تو ایک ادھیڑ عمر انگریز لیڈی جس کے ساتھ نو برس کی ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی ہوٹل میں آئی، مقتول ان کو دیکھ کر اٹھا اور گفتگو کرنے لگا۔ اور جب وہ کھانا کھانے بیٹھیں تو وہ خود بھی اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا اور باتیں کرنے لگا۔

اس کے بعد تینوں ٹہلتے ہوئے اس بڑے ہال میں پہنچے، جہاں محفل رقص و سرود گرم تھی، اور آدھی رات سے پہلے ہی تینوں ساتھ چلے گئے۔ کل صبح ساڑھے نو بجے میڈم بالین واپس آئیں، لیکن آقا کے کمرہ کو مقفل دیکھا۔ وہ خاموش رہیں اور یہ خیال کر کے کہ شاید وہ سوتے ہوں گے۔ اپنے کام دھندے میں لگ گئیں، لیکن ۱۰ بجے انہوں نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ وہ پھر واپس چلی آئیں۔ پھر گیارہ بجے جا کر دروازہ کھٹ

کھٹایا۔اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ آیا۔پھر انہوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کمرہ کے قفل
کی چابی بھی غائب ہے۔میڈم بالین کو شک گزرا،انہوں نے شور وغل مچایا۔پولیس مین ہرٹن
جو اس وقت وہاں تعینات تھا،آواز سن کر موقع پر پہنچا۔اور خود بھی دروازہ کھٹکھٹا کر دیکھا،لیکن
جب اس وقت بھی کوئی آواز اندر سے نہ آئی تو وہ دروازہ توڑ کر کمرہ میں داخل ہوگیا۔کیا دیکھتا
ہے کہ کمرہ کا تمام سامان ادھر ادھر بکھرا پڑا ہے۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں خوب کشتی ہوئی
ہے۔

مقتول شام کا لباس پہنے ہوئے کمرہ کے ایک گوشہ میں مردہ پڑا ہوا تھا۔اور دیکھنے سے یہ
بھی معلوم ہوا کہ کسی نے کمرہ کو آگ لگا دینے کا بھی اقدام کیا ہے۔کیونکہ پلنگ کے بستر کا ایک
حصہ بھی جلا ہوا پایا گیا۔اور قریب ہی ایک پیٹرول کا ڈبہ بھی دیکھا گیا جو باورچی خانہ سے لایا
گیا تھا۔

اس واقعہ کی اطلاع فوراً پولیس کمشنر کو دی گئی جو اپنے ساتھ ایک ڈاکٹر کو لیکر موقع پر پہنچے۔
ڈاکٹر تفتیش کو وجہ مرگ کی تو کوئی زخم یا جراحت جسم مقتول پر نظر نہ آئی۔بجز ایک خفیف سی خراش
کے جو بائیں رخسارہ پر تھی،جس جگہ لاش پڑی ہوئی تھی وہیں ایک چھوٹی سی شیشی کے ٹوٹے
ہوئے ٹکڑے پڑے نظر آئے۔ممکن ہے اس شیشی میں کوئی زہریلی چیز ہو۔خودکشی کا خیال پیدا
ہوسکتا تھا،لیکن اس واقعہ نے یہ خیال رفع کردیا کہ کمرہ کے فرنیچر اور دیگر اشیاء پر جو دھینگا مشتی
کرتے وقت ادھر ادھر پڑی تھیں،انگلیوں کے نشانات پائے گئے جو متوفی کی انگلیوں سے قطعی
مختلف تھے،علاوہ ازیں کمرہ میں تین دیگر مقامات پر بھی باریک شیشی کے ٹکڑے پائے گئے۔جو
پولیس نے اٹھا کر حفاظت سے اپنے پاس رکھ لئے تاکہ کیمیاوی معائنہ کرایا جائے۔اس وقت
تک پولیس کا یہ خیال ہے کہ قاتل کو یا تو کمرہ میں خود مقتول نے بلایا ہوگا یا اس کے پاس کمرہ کی
دوسری چابی ہوگی۔

ہوٹل کے دربان جون مارٹن نے بھی کسی غیر شخص کو اندر آتے نہیں دیکھا،لیکن وہ نصف
رات گئے سونے چلا گیا تھا۔لہٰذا مقتول بھی اس کے سامنے واپس نہیں آیا تھا۔لیکن اس کو اتنا
خیال ضرور ہے کہ اس نے دو آدمیوں کے آنے کی آہٹ سنی تھی۔بہرحال یہ صاف ظاہر ہے

کہ مقتول کے کمرے میں سخت ہاتھا پائی ہوئی،کیونکہ تمام سامان بکھرا پڑا تھا۔اور قاتل نے کمرہ کو
آگ دینے کی بھی کوشش کی تھی۔کمشنر پولیس نے جس قدر آدمی وہاں موجود تھے سب سے
دریافت حال کیا،لیکن اب تک وہ انگریز لیڈی اور وہ انگریز لڑکی جو مقتول سے جیٹی ہوٹل میں ملی
تھیں معلوم نہیں ہوسکا کہ کون تھیں۔نہ ان کا کہیں پتہ ہے،اسی لئے ہم مقتول کا فوٹو اپنے خبار
میں شائع کرتے ہیں۔تاکہ اس کو دیکھ کر وہ عورت اور لڑکی اگر کوئی بات ظاہر کریں،ابھی تک
ایک راز سربستہ ہے۔ڈاکٹر کی تصدیق صرف یہ ہے کہ موت قلب کی حرکت بند ہوجانے سے
واقع ہوئی،لیکن واقعہ کے عجیب وغریب حالات اور اس امر کا کامل یقین رکھتے ہوئے کہ بد
قسمت امیرزادہ کو واقعی کسی نے قتل کیا ہے۔یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس عمدگی سے ارتکاب قتل
جیسے کہ یہ قتل وقوع میں آیا صرف وہی شخص کرسکتا تھا جو فن جرائم میں زبردست شاطر ہو۔طرہ یہ
ہے کہ ڈاکٹری معائنہ سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مقتول کی موت کسی غیر طبعی طریقہ سے واقع
ہوئی ہے۔

جو شخص اس پراسرار اور چالاک قاتل کا پتہ لگائے گا۔اس کو حکومت کی طرف سے ہزار
فرانک انعام دیا جائیگا۔اس لئے امید واثق ہے کہ لوگ بہت جلد جدوجہد کرکے قاتل کا پتہ
لگائیں گے تاکہ قانونی کارروائی کے بعد مجرم کیفر کردار کو پہنچے۔

مارجوری نے اس واقعۂ قتل کی رپورٹ شروع سے آخر تک پڑھی۔اور پھر دوبارہ اس فوٹو
کو جو مقتول کا تھا نہایت غور سے دیکھا۔اور کئی منٹ تک دیکھتی رہی۔آخر اس کے دل میں کچھ
خیال آیا،اس کا ہاتھ کانپا اور اخبار ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔

اس نے پھر اخبار اٹھایا،پھر تصویر دیکھی،آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھی پھر دفعتاً اس کے منہ
سے ایک عجیب لہجہ میں حسب ذیل الفاظ نکلے۔

''یہ عورت اور لڑکی کون ہوسکتی ہے......ہاں میں سمجھ گئی......میں جان گئی اور......اور اب تو
وہ ملک عدم گیا۔ہمیشہ کے لئے گیا......

☆......☆......☆

مسز قیطون نے مارجوری کو آواز دی اور وہ گھبرا کر اٹھی۔آئینہ کے سامنے گئی۔دیکھا کہ اس

کا رنگ بالکل فق ہے۔اس نے فوراً اپنے نازک رخساروں پر تھوڑا سا پوڈر لگایا۔سر کے بال اور ٹوپی درست کی۔تن کر کھڑی ہوئی اور لباس ٹھیک کیا،اور اپنی حالت نہ معلوم کس قدر مشکل سے درست کر کے وہ باہر آئی،اور جہاں سرہنری اور ان کی بیوی بیٹھے تھے وہاں پہنچی۔

سرہنری۔''وہ اخبار کہاں ہے ذرا میں بھی تو دیکھوں میں تو پڑھنا بھول ہی گیا۔

مارجوری نے فوراً اخبار بغیر کچھ کہے حوالے کر دیا۔اور مسز قیطون کی طرف متوجہ ہوئی، جو اس وقت اپنے دستانہ میں بٹن لگا رہی تھی۔اتنے میں سرہنری بھی واقعہ قتل پر نظر ڈال چکے تھے، وہ بولے۔

''کس قدر عجیب واقعہ ہے۔میں بھی ایک مصری امیرزادہ امین بے نسیم سے واقف ہوں اور حال میں اس سے لندن میں ملاقات ہوئی،لیکن مقتول کی جو تصویر اخبار میں دی ہوئی ہے، وہ میرے دوست امین بے کی نہیں ہے اس سے قطعی مختلف ہے۔''

مارجوری چونکی اور سرہنری کی طرف دیکھنے لگی۔لیکن اس کو فوراً یاد آ گیا کہ سرہنری سے ملاقات کرنے کا ذکر خود پرنس امین نے بھی اس سے کیا تھا۔

مسز قیطون۔''بڑا دردناک واقعہ ہے۔نہ معلوم کون مصری امیرزادہ ہوگا۔ابھی یہ سب قمار بازی کے کرشمے ہیں۔مانٹی کارلو کے قمار خانے اس مقام کے لئے لعنت ہیں۔نتقیہ میں ہر سال چھ سات ایسے ہی قتل ہو جاتے ہیں۔جو لوگ بہت سا روپیہ جیت لیتے ہیں،ان کو لوگ لوٹنے کی خاطر قتل کر دیتے ہیں۔

''ہاں میں نے اس ہولناک قتل کا حال ابھی پڑھا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ پولیس اور ڈاکٹروں کو یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ارتکاب قتل کس طریقہ سے عمل میں لایا گیا۔حالانکہ اس امر کا ان کو کامل یقین ہے کہ یہ واردات قتل عمد کی ہے۔مارجوری نے تعجب سے کہا۔

سرہنری۔''ہاں!اخبار دیکھنے سے تو یہی معلوم ہوت ہے کہ مقتول کی لاش پر کوئی نشان، زخم یا خراش نہیں ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ قاتل نے کمرہ میں آگ لگانے کی بھی کوشش کی۔''

مسز قیطون۔''اے چھوڑیے ان باتوں کو۔کیوں خوہ مخواہ دل رنجیدہ کرتے ہیں۔چلو

مارجوری اگر تم تیار ہو گئی ہو تو چلو۔آج کی صبح نہایت خوشگوار ہے،اور امید ہے کہ ہم گھوم پھر کر ایک بجے تک ریز رو ہوٹل میں واپس آ جائیں گے۔میں نے وہاں بذریعہ ٹیلیفون ایک میز مخصوص رکھنے کا حکم دیدیا ہے۔''

مارجوری خاموش رہی،وہ خوش تھی کہ اس ناخوشگوار واقعہ پر گفتگو ختم ہو گئی۔اس کے بعد وہ تینوں کار میں سوار ہو کر ہوا خوری کے لئے نکل گئے۔

''امین بے نسیم۔''یہ نام تھا جس کی یاد سرہنری قیطون کو رہ رہ کر آتی تھی۔وہ حیران تھے کہ اس نام کا کوئی شخص عجیب وغریب طریقہ سے قتل کر دیا گیا ہے۔مگر اخبار میں جو فوٹو دیا گیا ہے وہ اس نوجوان مصری شہزادہ کا نہیں ہے جو ان سے لندن میں ملا تھا۔اور جس نے اس قدر صاف گوئی اور جوش کے ساتھ مارجوری کی نسبت گفتگو کی تھی۔

کار مختلف سڑکوں اور مقامات سے ہوتی ہوئی مانٹی کارلو کے خیابان زاروں میں پہنچی۔ جہاں بہت سے عیش پسند نفیس اور پر تکلف لباس پہنے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔اور اس فکر میں تھے کہ قمار خانہ کا دروازہ کھلے اور وہ قسمت آزمائی کریں۔یہ تینوں بھی کار سے اتر کر اس رنگین مزاج مجمع میں شامل ہو گئے اور ان کی کار آہستگی کے ساتھ سڑک سے ہٹ کر کار پارکنگ میں جا کھڑی ہوئی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان چمن بندیوں میں جہاں روشوں پر دو رویہ سرو یا کھجور وغیرہ قسم کے درخت لگائے گئے تھے۔آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کرتا تھا۔لیکن مارجوری کا دل غیر حاضر تھا،اور وہ بار بار مڑ مڑ کر اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں سامنے کی طرف ایک پہاڑی کی چوٹی پر ریویرہ پیلس ہوٹل نظر آ رہا تھا۔یہ وہی ہوٹل تھا جس کے پشتہ پر اس روز رات کو مارجوری اور پرنس امین بے کی ملاقات ہوئی تھی۔

دس پندرہ منٹ کی چہل قدمی کے بعد دفعتاً مارجوری مسز قیطون کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

''میرا خیال ہے کہ ہم لوگ ابھی یہاں ایک گھنٹہ یا اس سے زیادہ دیر تک رہیں گے۔میں ایک صاحب سے ملنے جانا چاہتی ہوں،کیا آپ مجھے معاف فرمائیں گی؟''

مسز قیطون۔''یقیناً ہم بھی اب جا کر کاسنیو کے سامنے بیٹھتے ہیں۔اور ہم تم کو وہیں ملیں

گے کیا ایک بجے تک واپس آ جاؤ گی؟"

مارجوری۔ "ضرور آ جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر مارجوری مسکراتی ہوئی ان دونوں میاں بیوی سے رخصت ہو کر روانہ ہوگئی۔ انہوں نے بھی مڑ کر اس کو دیکھا جو اس وقت نہایت خوبصورت لباس پہنے ہوئے نہایت شان کے ساتھ جا رہی تھی۔

سرہنری۔ "یہاں اس وقت تمام یورپ اور امریکہ کی حسین وجمیل لڑکیاں جمع ہیں، لیکن مارجوری کے مقابلہ کی کوئی بھی نہیں۔"

مسز قیطون۔ "بیشک! اور حسین وجمیل ہونے کے علاوہ خوش خلق اور نیک مزاج کس قدر ہے۔ لیکن زیادہ تعجب انگیز یہ ہے کہ اس کی ہستی ایک قطعی سربستہ راز کا حکم رکھتی ہے۔"

سرہنری۔ "واقعی یہی بات ہے۔"

مارجوری وہاں سے چل کر برقی ریلوے میں سوار ہوئی اور سیدھی ریویرہ ہوٹل پہنچی۔

دربان نے اس کو پہچانتے ہی سلام کیا۔

مارجوری۔ "پرنس امین بے نسیم یہاں ہیں؟"

دربان۔ "بیگم صاحبہ! وہ تو تشریف لے گئے، شنبہ کے روز یہاں سے چلے گئے تھے۔"

مارجوری۔ "چلے گئے؟"

دربان۔ "ہاں بیگم صاحبہ وہ پیرس گئے ہیں، میں جانتا ہوں انہوں نے چلنے سے قبل ایک ہوٹل کے نام تار دیا تھا۔"

مارجوری۔ "یہ تو عجیب بات ہوئی۔"

دربارن۔ "ہاں بیگم صاحبہ! کیا پرنس صاحب سے آپ سے شناسائی تھی۔"

مارجوری اس سوال پر کسی قدر رسٹپٹائی، لیکن پھر سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

دربان۔ "میں نے یہ سوال محض اس غرض سے کیا تھا کہ کل رات پولیس کے دو افسر یہاں آئے تھے اور انہوں نے پرنس امین کے متعلق مختلف قسم کے سوالات کیے تھے، مجھے تو جو کچھ معلوم تھا میں نے بتا دیا۔ اگر آپ چاہیں تو پولیس افسروں کی مزید امداد کرسکتی ہیں۔"

مارجوری۔ "میں! میں کچھ نہیں جانتی، مہربانی کر کے میرا نام نہ لیجئے گا...... دیکھئے میں پھر کہتی ہوں کہ میرا نام نہ لینا۔ اس کا خیال رکھنا؟"

دربان۔ "بہت اچھا، لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ نیقیہ میں ایک پر اسرار واردات ہوگئی ہے۔ اور......"

مارجوری۔ "ہاں میں جانتی ہوں، مقتول نے نہ معلوم کس غرض سے اپنا نام امین بے نسیم ظاہر کیا تھا؟"

دربان۔ "یہی بات ہے۔ اور اسی وجہ سے پولیس والے اصلی امین بے نسیم کی تلاش میں ہیں۔"

مارجوری۔ "تو وہ غائب ہوگئے؟"

دربان۔ "نہیں غائب تو نہیں ہوئے۔ پولیس کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ یہاں سے روانہ ہو کر انہوں نے مارسیلز کا ٹکٹ لیا تھا۔ اور اب پولیس ان کی تلاش وہیں کر رہی ہے۔ یہ بھی خیال گذرتا ہے کہ شاید وہ کسی انگریزی جہاز میں سوار ہو کر چل دیے ہوں۔ معاف فرمائیے میں نے حضور کا اس قدر وقت صرف کیا۔"

مارجوری۔ "نہیں مجھے تو ان باتوں سے خود دلچسپی تھی۔"

اس وقت ایک پستہ قد، سیاہ چشم، ورزشی جسم کا سیاہ ٹوپی اور خاکی اوورکوٹ پہنے قریب سے گذر کر ہوٹل میں داخل ہوا۔ جس کو مارجوری نے نہیں دیکھا، دربان نے بھی اس کو آنکھ کے اشارہ سے سلام کیا۔ لیکن کوئی بات نہ کی۔

مارجوری۔ "میں نے یہاں جمعہ کی شب کو کھانا کھایا تھا۔ اور بقول تمہارے امین بے یہاں سے شنبہ کو چلے گئے۔"

دربان۔ ہاں بیگم صاحبہ!"

مارجوری کو یاد آیا کہ یہ پشتہ جو اس وقت دھوپ میں جگمگا رہا ہے وہی جگہ ہے جو اس رات کو جب وہ اپنے عاشق جانباز سے رخصت ہوئی۔ شبِ ماہ میں دریائے نور بنا ہوا تھا۔ آہ! آج وہی محبوب دلنواز جو کچھ دن قبل اس ہوٹل کی جان تھا۔ اب اس کی نظروں سے دور ہے۔ لیکن

امین بے کے اس طرح دفعتاً اور بلا اطلاع چلے جانے سے وہ متعجب نہیں تھی۔ سوال صرف یہ تھا کہ اب وہ ہے تو کہاں ہے؟ اور پولیس والے اس کی تلاش اس قدر سرگرمی سے کیوں کر رہے ہیں اور وہ فوٹو جو اخبار میں چھپا۔ یقیناً پرنس امین کا نہیں تھا۔ بلکہ کسی اور شخص کا تھا۔ جس کی صورت سے وہ آشنا تھی۔

دربان کو بھی یہ فکر تھی کہ کسی طرح مارجوری سے کوئی ایسی بات معلوم کرے جو پولیس کے لئے مفید ہو۔ کیونکہ اس میں اس کا بھی ذاتی فائدہ تھا۔ اس لئے اس نے پھر سلسلۂ گفتگو اٹھایا۔

دربان۔ ''معاف فرمایئے بیگم صاحبہ! اگر میں یہ بات دریافت کروں کہ کیا آپ کی شناسائی یا جان پہچان ان صاحب سے پرانی تھی۔''

مارجوری۔ ''اس سے آپ کا تعلق نہیں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ بس آپ کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ وہ میرے جاننے والے، میرے دوست تھے۔

دربان۔ ''جب وہ یہاں تشریف لائے تھے تو انہوں نے اپنا پتہ رائل آٹو موبائل کلب لندن بتلایا تھا۔ کیا یہ صحیح ہے۔''

مارجوری۔ ''میرے خیال میں بہتر ہوگا کہ آپ پولیس کا کام پولیس کے لئے ہی چھوڑ دیں۔ یہ کہتے ہوئے مارجوری ایک شان دلربائی کے ساتھ دربان کی طرف دیکھ کر مڑی اور برقی ٹرین میں سوار ہو کر پھر مانٹی کارلو کی طرف روانہ ہوئی۔

اس وقت مارجوری نے یہ نہیں دیکھا کہ زرد وردی پہنے ہوئے دربان کے اشارہ سے وہی پستہ قد آدمی جو خاکی اوور کوٹ اور سیاہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ ہوٹل سے نکل کر دربان کے پاس گیا۔ آپس میں کچھ سرگوشی ہوئی اور وہ بھی مع چند دیگر مسافروں کے مارجوری کے ساتھ ٹرین میں بیٹھ گیا۔

کاسینو کے خیابان زار کے سامنے ایک اخبار فروش سے مارجوری نے اخبار خریدا اور قہوہ خانہ میں بیٹھ کر اس نے اخبار پڑھنا شروع کیا۔ اخبار میں تقریباً وہی لکھا تھا جو وہ اس سے پہلے اخبار میں دیکھ چکی تھی۔ لیکن چونکہ یہ اخبار چند گھنٹہ بعد کا چھپا ہوا تھا۔ اس لئے اس میں اتنی معلومات زیادہ تھی کہ پولیس نے دوران تفتیش یہ بات معلوم کی ہے کہ مقتول کی جان پہچان

ایک اور شخص سے بھی تھی جو مانٹی کارلو کے ریویرا ہوٹل میں مقیم تھا۔ اور یہ بات نہایت تعجب انگیز ہے کہ اس دوسرے شخص کا بھی نام وہی تھا جو مقتول کا یعنی امین بے نسیم۔ یہ شخص ہوٹل میں چند روز سے مقیم تھا، لیکن جس روز واقعۂ قتل ہوا اسی روز وہ شخص مارسیلز چلا گیا تھا۔

مارجوری۔ دل ہی دل میں۔ ''اچھا تو اتنی بات تو پولیس والوں کو معلوم ہوگئی ہے۔ لیکن کیا ان کو کبھی اصلی بات بھی معلوم ہو سکے گی یا نہیں؟''

مارجوری نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ اور شربت کا گلاس جو اس کی میز پر رکھا ہوا تھا اٹھا کر دو گھونٹ پیئے۔ اگر چہ اس وقت قہوہ خانہ کے اندر بہت کم لوگ بیٹھے تھے اور ان کے قریب ہی ہوٹل کا رومانوی طائفہ ارباب نشاط فن موسیقی کے جوہر دکھا رہا تھا۔ مارجوری کا رنگ اڑا ہوا تھا، اور وہ بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اوہ! پولیس کا شبہ اس شخص پر تھا جس کی وہ عاشق تھی۔

مارجوری نے سوچا۔ ''میں حیران ہوں کہ اصلی واقعہ کیونکر گزرا؟ پولیس والوں کو قطعی کچھ معلوم نہیں ہے۔ لیکن جب ان کو پتہ چل جائیگا تب......تب......''

مارجوری کی آواز بند ہوگئی۔ اس کا حلق خشک تھا، گلے میں آتے ہوئے لفظ اٹکتے تھے، اوہ! وہ عیش و مسرت کی گھڑیاں کس طرح پلک جھپکتے ہی گزر گئی تھیں۔ افسوس! سرور و مستی کے وہ الفاظ اب کہاں تھے جن سے اس چاہنے والے نے اظہار عشق و محبت کیا تھا، صرف اب آواز بازگشت مارجوری کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اور اس وقت عالم خیال میں صرف اس شخص کا چہرہ مارجوری کی آنکھوں کے سامنے تھا جو دنیا بھر میں اکیلا اس کی محبت کا مستحق تھا۔ یعنی پرنس امین بے نسیم۔ اپنے عاشق دلنواز سے دنیا و مافیہا سے بے خبر بوس و کنار میں مدہوش تھی۔

اوہ! لطف و سرور اور کیف کا مختصر وقت کس طرح چشم زدن میں گزر گیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد جو وقف آیا وہ کس قدر کرب و درد کے ساتھ گزرا۔ وہ دل میں سوچتی تھی۔ ''افسوس! میں نے امین بے پر ظلم کیا۔'' اس کا دل ملامت کر رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر گھٹتی ہوئی افسردہ تھی، لیکن یہ تمام ظلم و ستم اور یہ تمام سختی محبوب دلنواز کی بھلائی کے لئے تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس نے امین بے کے دریائے عشق کی رو کو بے مروتی کا بند باندھ کر روک دیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مارجوری کے خیال

میں وہ دونوں عاشق ومعشوق کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے تھے اور نہ ان میں دوستی وشناسائی کے سوا کوئی اور تعلق پیدا ہوسکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی جو اس نے امین بے سے سختی کی۔ اور اس کو اپنے پاس سے چلے جانے پر مجبور کر دیا، اور چلتے چلتے یہ بھی کہہ دیا کہ بس یہ آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد پھر کبھی ملنے کا خیال دل میں نہ لانا۔

☆......☆......☆

جوں جوں دن گزرتے رہے، مارجوری کی قسمت کا فیصلہ قریب آتا جاتا تھا۔ یعنی وہ دن قریب آرہا تھا جب اس کی تمام سیر وسیاحت، عیش ومسرت اور آزادی اور خودمختاری کا خاتمہ ہو جانے والا تھا، اس وقت وہ گلشن عالم میں ایک گل نوشگفتہ کی طرح اپنے رنگ وبو سے مشام جان حسن پرستان کو معطر کر رہی تھی۔ اور اب وہ دن آنے والا ہے کہ وہ اس افسردہ و پژمردہ پھول کی طرح ہو جائے گی جو کبھی کمرے میں گلدان کے اندر رکھا ہوا خشک ہو کر رہ گیا ہو۔ وہ جانتی تھی کہ میری زندگی تباہ ہونے والی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ امین بے کی زندگی بھی برباد کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس کو چاہتی تھی، وہ اس پر فدا تھی، وہ اس کی عاشق زار تھی، اور نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی نظروں سے کسی وقت بھی دور ہو جائے۔ لیکن اس نے بادل ناخواستہ طبیعت پر جبر کر کے اس کو اپنے پاس سے دور کر دیا تھا۔ اور محض اس خیال سے کہ شمع کی قسمت میں تو جلنا ہے ہی، کہیں یہ پروانہ بھی پھر پھڑا کر اپنی ننھی سی جان قربان نہ کر دے۔ یہ گویا امین بے کی سچی محبت تھی جو مارجوری کو اس سے دور رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ جس تباہی و بربادی کے گہرے غار میں وہ خود گرنے والی ہے اسی میں وہ ایک ناکردہ گناہ اور بے خطا نوجوان کو بھی گرادے۔ یہی وجہ تھی کہ مارجوری نے امین بے کو دھوکا نہیں دیا، اور اس سے ہمیشہ یہی کہتی رہی کہ ان کے درمیان دوستی سے زیادہ تعلق ہونا ناممکن ہے، اس کی دل کی دنیا میں طوفان رنج والم برپا تھا، جس نے بڑے بڑے ارمانوں کے تناور درخت اور بڑی بڑی حسرتوں کے عالیشان محل گرادیئے تھے اور اب وہاں یعنی معمورۂ دل میں کھنڈروں اور تمناؤں کی ٹوٹی ہوئی قبروں کے سوائے اور کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن ابھی اس کے دل میں اس قدر قوت باقی تھی کہ وہ عشق ومحبت کی ندی کو جس میں سیلاب عظیم آنے کا اندیشہ تھا۔ موسم باراں سے پہلے

ہی دور اندیشی کے بند باندھ کر روک دے۔ اس نے دل پر جبر کیا اور اپنے دلربا کو اپنے پاس سے دور کر دیا۔ اور اقرار نامۂ عشق کو جس پر حال ہی میں مہر محبت ثبت کی گئی تھی ہمیشہ کے لئے سینہ میں مقفل کر دیا۔

دنیا میں بہت کم عورتیں ایسی ہوں گی جو اپنا دل دے کر اپنی حسرتوں کا اس طرح خون کر دینا گوارا کریں گی اور بہت کم عورتیں ایسی ہوں گی جو اپنے معشوق کو جبراً اپنی نظروں سے دور رکھنے پر مجبور ہوں۔

مارجوری نے اخبار سنگ مرمر کی میز پر پڑا چھوڑ دیا۔ اور وہاں سے اٹھ کر ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ وہ کاسینو کے زینہ سے اتری اور سیدھی اس جگہ پہنچی جہاں مسز قیطون اس کی منتظر تھیں۔

کار پارکنگ قریب ہی تھا۔ فوراً گاڑی طلب کر لی گئی اور تینوں بیٹھ کر روانہ ہو گئے، اور تھوڑی دیر بعد وہ اس ریسٹوران میں بیٹھے ہوئے نظر آئے جو ریز رو کہلاتا تھا اور جو بمقام بیولو ایک پہاڑی کی چوٹی پر بنا ہوا تھا۔'' یہ ہوٹل تھا تو کسی قدر چھوٹا لیکن بلحاظ اندرجات سب سے بڑھا تھا۔ اور اس میں خاص خاص آدمیوں کے سوائے اور کسی شخص کو جانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔

یہاں بیٹھ کر انہوں نے تین آدمیوں کے لئے پرتکلف کھانا طلب کیا اور کھانے سے فراغت پانے کے بعد سر ہنری قیطون بن حسام طیاروں کی، اس دوڑ کی نسبت گفتگو کرنے لگے جو اسی روز صبح کو ہوئی تھی۔ لیکن مارجوری کا دل غیر حاضر تھا۔ نہ اس کو کھانے سے دلچسپی تھی نہ کسی قسم کی بات چیت سے۔ وہ بیٹھی ہوئی ان دونوں میاں بیوی کی گفتگو سنتی رہی۔ اور خود بہت کم بات کی۔ اس کے دل میں وہ ہولناک واقعہ قتل نئی نئی الجھنیں پیدا کر رہا تھا۔ جو نیقیہ میں واقع ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتی تھی۔

سہ پہر کو ساڑھے تین بجے کے قریب وہ اپنے ہوٹل کو واپس ہوئے لیکن ابھی مارجوری مشکل سے دوسرا جوڑا بدلنے پائی ہوگی کہ دروازہ پر کسی کے آنے کی آہٹ سنا دی اور ایک لمحہ بعد ہوٹل کا خدمتگار کمرہ میں داخل ہو کر بولا۔

''میں اس وقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے نیچے منیجر صاحب کے کمرہ میں تشریف لے چلیں کیونکہ وہ حضور سے کچھ بات دریافت کرنا چاہتے ہیں۔''

مارجوری۔ (حیران ہوکر) ''اچھا چلیے میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے جلدی سے اپنے بال درست کیے۔ ماریہ نے دوسری ٹوپی نکال کر دی۔ اور اسی وقت وہ نیچے اتر کر منیجر کے کمرے میں پہنچی۔ جس کا دروازہ خادم نے اس کے دیکھتے ہی فوراً کھول دیا۔

ہوٹل کا منیجر بہت خلیق اور شائستہ آدمی تھا اس نے اٹھ کر مارجوری کا استقبال کیا، دروازہ بند ہوگیا۔ آگے بڑھ کر وہ کیا دیکھتی ہے کہ وہی چھوٹے قد کا آدمی خاکی اوورکوٹ پہنے بیٹھا ہے جس کو اس نے ریویرہ ہوٹل میں دیکھا تھا۔

منیجر۔ (نہایت مہذب انگریزی میں) ''بیگم صاحبہ میں اس وقت آپ کو تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ لیکن ان صاحب کو آپ سے دو چار باتیں کرنے کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ میں آپ سے ان کا تعارف کراتا ہوں۔ آپ کا اسم مبارک موسیو مورے ہے۔ اور آپ یہاں کے محکمۂ پولیس کے انسپکٹر ہیں۔''

مارجوری نے حیرت زدہ ہوکر انسپکٹر کی طرف دیکھا، جس کی آنکھوں سے اشتیاق اور عیاری برس رہی تھی، اس وقت اس کا خوبصورت چہرہ پژمردہ تھا۔ مردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ خاموش انسپکٹر کو دیکھے جا رہی تھی، ممکن تھا وہ لڑکھڑا کر گر پڑتی، لیکن اس کا ہاتھ ایک کرسی پر تھا، جس کو کھینچ کر وہ بیٹھ گئی اور اپنی طبیعت درست کرلی۔

☆......☆......☆

موسیو مورے نے سپاہیانہ طریقہ سے مارجوری کو سلام کیا، اور دونوں کرسی پر بیٹھ گئے۔ عین اسی وقت ایک کشیدہ قامت، ادھیڑ آدمی جو سیاہ اوورکوٹ پہنے ہوئے تھا کمرہ میں داخل ہوا۔ اوورکوٹ اتار کر ایک طرف رکھ دیا، جو وردی اس وقت اس کے جسم پر نظر آئی اس سے معلوم ہوگیا کہ نووارد شخص پولیس کمشنر ہے۔

نووارد نے بھی مارجوری کو سلام کیا اور آگے بڑھ کر دیکھا۔ موسیو مورے نے دونوں کا تعارف کرایا، اور منیجر کمرہ سے نکل کر باہر چلا گیا۔

کمشنر پولیس نے مارجوری کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور فرانسیسی زبان میں بولا۔

''بیگم صاحبہ! میرے خیال میں آپ کو نیقیہ کے اس واقعہ قتل کی اطلاع ہو چکی ہوگی۔ جو ڈاکخانہ کی سڑک پر عمارت نمبر ۶۸ میں واقع ہوا۔ یعنی ایک مصری امیرزادہ جو انگلستان سے وارد ہوا تھا، اور جس کا نام امین بے نسیم تھا۔ عجیب و غریب صورت میں مردہ پایا گیا۔ میرے خیال میں تو یہ ضرور قتل ہے۔''

مارجوری نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا، لیکن کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا۔

کمشنر۔ ''مانٹی کارلو کے ریویرہ ہوٹل میں چند روز سے ایک شخص امین بے نسیم نامی مقیم تھا، جس کو آپ بھی جانتی ہیں۔ یہ شخص عین واقعہ قتل کے روز غائب ہوگیا۔ اور ہوٹل سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں پیرس جا رہا ہوں، لیکن برخلاف اس کے اس نے مارسیلز کا ٹکٹ لیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچتے ہی اس کا ارادہ پھر بدل گیا، کیونکہ اس نے اطالیہ جانیوالی ٹرین میں قدم رکھا اور بغیر ٹکٹ چل دیا۔ مقام نٹی مگلیا پہنچ کر اس نے یہ کہہ کر اپنا کرایہ ادا کیا کہ میں طولون سے آ رہا ہوں اور پھر اطالیہ والی ٹرین میں بیٹھ کر جنیوا تک گیا۔ وہاں جا کر وہ شخص غائب ہوگیا۔ اب آپ فرما سکتی ہیں کہ جب تک کسی شخص کے دل میں چور نہ ہو وہ اس قسم کی حرکتیں ہرگز نہیں کیا کرتا۔ اب میں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملہ میں کیا کچھ جانتی ہیں۔''

مارجوری۔ ''میں کچھ نہیں جانتی۔''

کمشنر۔ ''تو میرے لئے ضروری ہے کہ میں آپ کی یادداشت تازہ کرادوں۔''

اور یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے بعض سرکاری کاغذات نکالے، اور پڑھ کر سنائے۔

مارجوری۔ ''میں کچھ نہیں جانتی، میں اپنی رفیق مسز قیطون کے ساتھ رہی۔''

کمشنر۔ ''تو جس روز رات کو قتل ہوا اس وقت آپ کہاں تھیں۔ آپ نے تو اخباروں میں تمام حال پڑھا ہوگا، آپ کو واقعہ کا وقت خوب معلوم ہوگا۔

مارجوری۔ ''میں مسز قیطون کے ساتھ تھی۔ ہم نے برسٹل ہوٹل میں کھانا کھایا۔ دو چار دوست بھی کھانے میں شریک تھے۔ پھر ہم گیارہ بجے اپنے ہوٹل کو واپس چلے آئے اور نصف گھنٹہ بعد میں اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔''

کمشنر۔ ''اور پھر آپ صبح تک کہیں باہر نہیں گئیں، کیا آپ کو ٹھیک یاد ہے۔''

مارجوری۔ ''بالکل ٹھیک۔ میری خادمہ نے مجھ کو حسب معمول صبح ساڑھے سات بجے جگایا۔''

کمشنر۔ ''اس روز دن میں بھی آپ کی ملاقات اپنے دوست امین بے نسیم سے نہیں ہوئی؟''

مارجوری۔ ''بالکل نہیں۔''

کمشنر۔ ''سب سے آخری مرتبہ۔ آپ نے اس کو کب دیکھا تھا؟''

مارجوری۔ ''جمعہ کی شب کو۔ میں ریویرہ ہوٹل میں مدعو تھی۔ وہاں کھانا کھانے گئی تو اتفاقیہ ان سے ملاقات ہوگئی تھی۔''

کمشنر۔ ''اتفاقیہ، کیا آپ یقین کے ساتھ کہہ رہی ہیں؟''

مارجوری۔ ''کامل یقین کے ساتھ، مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں ہیں۔ میں تو انہیں انگلستان میں سمجھتی تھی۔''

کمشنر۔ ''تو آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ محض آپ سے ملنے مانٹی کارلو آیا تھا؟''

مارجوری۔ ''بالکل نہیں۔''

کمشنر۔ ''تو خیر اندریں حالات موجودہ آپ مجھے اس شخص کی نسبت کچھ بتلایئے، جس نے اپنا نام بھی وہی رکھا تھا جو مقتول کا تھا۔''

مارجوری۔ ''نام رکھا لیا تھا؟ ہرگز نہیں، ان کا اصلی نام واقعی امین بے نسیم ہے۔''

کمشنر۔ ''اور یہ شخص ہے کون؟ اور کیا کام کرتا ہے؟''

مارجوری۔ ''اس بات کی تصدیق آٹوموبائل کلب لندن سے کیجئے۔''

کمشنر۔ ''ہم نے اپنے تئیں لندن سے اس بارے میں دریافت کیا ہے، لیکن کوئی بات

معلوم نہیں ہوئی، وہ کلب کا ممبر تو ضرور ہے، لیکن وہاں اس کا اصلی پتہ کسی کو معلوم نہیں۔''

مارجوری کی طبیعت اس وقت پریشان ہو رہی تھی۔ اس کی طبیعت میں کچھ بے چینی اور اضطراب تھا، اور وہ اس جہاندیدہ پولیس افسر سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔''

کمشنر۔ ''لیکن آپ تو اس شخص کو جانتی ہیں، آپ اس شخص کے نام کس پتہ سے خط بھیجتی ہیں۔''

مارجوری۔ ''لندن اس کے کلب کے پتہ سے۔''

کمشنر۔ ''مانٹی کارلو میں اتفاقیہ ملنے سے پہلے آخری ملاقات آپ کی اس سے کب ہوئی تھی؟''

مارجوری۔ ''کوئی ڈیڑھ سال ہوا اسکاٹ لینڈ میں ایک دوست کے محل میں دونوں مدعو تھے وہیں ہوئی تھی۔''

کمشنر۔ ''اور اس دوست کا نام اور پتہ کیا ہے؟''

مارجوری۔ ''اس دوست نے اپنا پرانا محل چھوڑ دیا ہے اور اب وہ کہیں سوئزرلینڈ میں ہیں، اس وقت میں ان کا پتہ نہیں جانتی۔''

اس جواب سے اس جہاندیدہ پولیس افسر کے دل میں مارجوری کی طرف سے کچھ شبہ سا پیدا ہوا اور اس نے اس کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

کمشنر۔ ''اچھا خیر! لیکن اس کا نام کیا تھا؟''

مارجوری۔ ''اتھرسٹن! لیکن جناب میں نہیں سمجھتی کہ آپ اس قسم کے سوالات مجھ سے کیوں کر رہے ہیں۔ ویسے ہر طرح کی تحقیقات کے مدد کے لئے میں حاضر ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ لیکن حقیقت کا مجھے علم نہیں۔ آپ یقین جانیے آج میں خود ریویرہ ہوٹل میں بے نسیم سے ملنے گئی تھی۔ لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ چلے گئے تو میں خود بہت متعجب ہوئی۔''

پولیس افسر نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں کے بل میز پر رکھ لئے۔ مارجوری کی طرف تیز نگاہ سے دیکھا اور سخت لہجہ میں بولا۔

"کیا یہ صحیح نہیں کہ آپ اور وہ شخص دونوں جمعہ کی شب کو تقریباً ایک گھنٹہ تک ہوٹل کے پشتہ پر کچھ صلاح ومشورہ کرتے رہے تھے۔ کیا اس واقعہ سے شبہ نہیں گذرتا کہ آپ دونوں اس شخص کے خلاف مجرمانہ سازش کر رہے تھے۔ جو بنام امین بے نسیم دین و دنیا سے بے تعلق ڈاکخانہ والی سڑک پر رہتا تھا۔ اور اب آپ کچھ سے کچھ فرماتی ہیں۔"

مارجوری۔ "مجرمانہ سازش! خدا کی پناہ میں کیوں سازش کرتی؟"

کمشنر۔ "آپ اور وہ شخص ضرور دونوں ساتھ دیکھے گئے تھے۔ آخر دونوں میں کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"

مارجوری۔ "یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

کمشنر۔ "اور اس کا تعلق میری ذات سے بھی ہے۔ لہٰذا میں آپ سے صاف صاف دریافت کرتا ہوں کہ وہ صلاح ومشورہ کیا ہو رہا تھا۔"

مارجوری۔ "میں اس کا جواب دینے سے انکار کرتی ہوں۔"

کمشنر۔ "اللہ! اللہ!! اور اب آپ شاید یہ بھی فرمائیں کہ میں مقتول کو بھی نہیں جانتی۔" یہ کہتے ہی پولیس افسر نے اپنی نوٹ بک سے ایک تصویر نکالی۔ یہ وہی تصویر تھی، جو اخبار میں واقعہ قتل کے متعلق مقتول کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ یہ تصویر اس نے مارجوری کو دکھائی اور خود غور سے اس کی صورت تکتا رہا۔

لیکن مارجوری نے ترش رو ہو کر ہاتھ سے وہ تصویر پھینک دی۔

مارجوری۔ "یہ سب فضول باتیں ہیں، بھلا مجھے مقتول سے کیا واقفیت ہو سکتی ہے۔ اگر اس نے میرے ایک دوست کا نام خود رکھ لیا ہو تو اس بارے مین کیا کہا جا سکتا ہے۔"

کمشنر۔ "تو گویا آپ یہ فرماتی ہیں کہ مقتول کا نام امین بے نسیم نہیں تھا۔"

مارجوری۔ نہیں میں یہ نہیں کہتی، یہ نام اخباروں نے لکھا ہے۔ میں کیونکر کہہ سکتی ہوں کہ یہ نام غلط ہے یا صحیح۔ میں یہ بات تسلیم کرتی ہوں کہ جو امین بے نسیم ریویرہ ہوٹل میں مقیم تھا اس سے میری دوستی ہے، لیکن اس سے زیادہ مجھے کچھ خبر نہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔"

کمشنر۔ "اس کے پتہ کی بھی خبر نہیں؟ تو کیا آپ اس بارے میں کوئی خیال بھی قائم نہیں

کر سکتیں کہ مقتول نے آپ کے دوست کا نام کیوں رکھ لیا تھا؟"

مارجوری۔ "بالکل نہیں۔"

کمشنر۔ "(کسی قدر نرم پڑ کر) آپ سے اس طرح سوالات کرنے کی، میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، لیکن آپ جانتی ہیں کہ واقعات کی تہہ تک پہنچنا اور اس مصری کے قتل کے راز کو معلوم کرنا میرا فرض منصبی ہے۔"

مارجوری۔ "جی ہاں! میں اس بات کو خوب محسوس کرتی ہوں، لیکن جس طرح آپ حیران ہیں، اسی طرح میں بھی اپنے دوست کی پراسرار نقل وحرکت پر حیران ہوں۔ مثلاً پہلے اس نے پیرس جانے کا ارادہ کیوں کیا، اور پھر اپنا نقشہ عمل کیوں تبدیل کر دیا۔ یہ تمام باتیں شک وشبہ کے زمرے میں آتی ہیں۔ میں مانتی ہوں۔ صرف......"

کمشنر۔ "صرف کیا؟"

مارجوری۔ "یہ کہ ممکن ہے وہ اپنی چچی سے ملنے گیا ہے۔ جو ایک فرانسیسی خاتون ہیں۔ میز بان ان کا نام ہے جنھوں نے ان کے چچا ثروت پاشا سے شادی کر لی ہے۔ خاتون موصوفہ آجکل شہر وینس میں آئی ہوئی ہیں۔"

کمشنر۔ "مورے! دیکھو یہ نام نوٹ کر لو۔ اور بذریعہ تار اس کی تصدیق کرو۔"

انسپکٹر۔ "بہت اچھا حضور۔"

اس وقت درحقیقت مارجوری نے پولیس والوں کو دھوکا دیا تھا۔ اور پھر مزید غلط راہ پر لگانے کے خیال سے اس نے ایک چال اور چلی۔

مارجوری۔ "علاوہ ازیں ایک دوست شہر میلان میں بھی ہے۔ جو ریلوے کمپنی میں افسر ہے۔"

کمشنر۔ "کیا وہ بھی انگریز ہے؟"

مارجوری۔ "ہاں غالباً انگریز ہے، لیکن مجھے اس کا نام معلوم نہیں۔"

مارجوری نے سوچا کہ اگر وہ ان لوگوں کو کوئی بات نہیں بتلائے گی تو ممکن ہے، وہ لوگ خود اس کی ذات پر شبہ کریں اور خود اس کو اس واقعۂ قتل میں ملوث سمجھیں۔ اس لئے اس نے یہی

مناسب سمجھا کہ آئیں بائیں شائیں کچھ نہ کچھ بیان کر دیا جائے، لیکن پولیس والا بھی بڑا گرگ باراں دیدہ تھا۔ اگر مارجوری ڈال ڈال تھی تو وہ پات پات، وہ اس کی غلط بیانی سن کر دل ہی دل میں مسکرایا۔ اور پھر ایک پیچیدہ سوال کیا۔

''بیگم صاحبہ! میں ایک بات آپ سے اور پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن جواب دینے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لیجئے۔ یہ بتائیے کہ کیا آپ بھی کسی وقت ڈاکخانہ کی سڑک پر مکان نمبر ۶۸ میں تشریف لے گئی تھیں؟''

یہ سوال سنتے ہی مارجوری کا چہرہ بدل گیا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی اس کا منہ کھل کا کھلا رہ گیا۔

مارجوری۔ (گھبرائی آواز میں) ''میں...... میں...... مجھے اس مکان کا کوئی علم نہیں۔''

کمشنر۔ ''تو پھر وہ موچی مارٹین جو اس مکان کا نگراں کار بھی ہے جھوٹ بولتا ہو کہ آپ گزشتہ جمعرات کو شام کے وقت پونے چھ بجے اس مکان میں گئی تھیں۔''

پولیس کمشنر نے متجسسانہ نگاہ سے مارجوری کا چہرہ تکنا شروع کیا۔

مارجوری۔ (کچھ سکوت کے بعد) ''بیشک جھوٹ بولتا ہے۔''

کمشنر۔ ''وہاں ایک لیڈی وقت مقرر کر کے پہنچی تھی۔ کیونکہ مقتول نے اپنی ملازمہ میڈم بالین کو کسی جگہ کسی کام کے لئے بھیجا تھا، جو آدھ گھنٹہ بعد آئی اور اس کی غیر حاضری میں آپ اس مکان میں تشریف لے گئیں۔ مارٹین نے آپ کو دیکھا تھا۔''

یہ گویا مارجوری پر ایک صریح الزام تھا۔ جس کو سن کر وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان نے اجازت نہ دی۔ پولیس کے تجربہ کار افسر نے اس کو جال میں پھانس لیا تھا۔

کمشنر۔ کسی قدر سختی سے۔ ''سن لیجئے بیگم صاحبہ! چونکہ آپ وہاں خفیہ طور پر گئی تھیں، اور چونکہ مفرور سے بھی آپ کا تعلق ہے۔ اور آپ ریویرہ ہوٹل کے پشتہ پر اس سے گھنٹوں خفیہ باتیں بھی کرتی رہیں۔ اس لئے میں آپ سے سوال کر رہا ہوں، اور ان کے جوابات کا قانوناً مطالبہ کرتا ہوں۔ اب فرمایئے؟''

لیکن مارجوری اسی طرح سخت بنی رہی۔ اور سامنے دیکھتی رہی۔

بنت فرعون

مارجوری۔ ''میں کہتی تو ہوں کہ میں اس مکان میں نہیں گئی۔ مارٹین کو دھوکا ہوا ہوگا۔''

کمشنر۔ ''اچھا مارٹین کو بلاؤ۔''

افسر کا حکم سنتے ہی ایک پولیس والا ایک لمحہ بعد ایک بوڑھا سفید ریش شخص، پھٹے کپڑوں میں ملبوس مارجوری کے سامنے لایا، یہ مارٹین تھا۔

کمشنر۔ ''مارٹین! دیکھو کیا یہی وہ لیڈی ہیں جن کو تم نے جمعرات کی شام کو مکان کی دوسری منزل میں جاتے دیکھا تھا۔''

بوڑھے نے مارجوری کی طرف کچھ دیر تک دیکھا، لیکن کوئی رائے قائم نہ کر سکا۔

کمشنر۔ (ڈانٹ کر) ''ہاں یا نہیں، کچھ جواب دو۔''

مارٹین۔ ''ہاں حضور صورت تو وہی ہے، لیکن لباس دوسرا ہے۔''

مارجوری بگڑ کر۔ ''تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے مجھے ہرگز نہیں دیکھا۔''

مارٹین۔ ''میں نے تو کمشنر صاحب کے سوال کا جواب دیا ہے۔''

مارجوری۔ ''دیکھئے کمشنر صاحب! اس معاملہ میں شناخت کے اندر مغالطہ پڑ گیا ہے۔ ممکن ہے کوئی دوسری عورت مقتول سے ملنے گئی ہو۔ میں نہیں تھی۔''

کمشنر۔ ''پھر اگر آپ نہیں تھیں تو اور کون تھا؟''

مارجوری۔ ''اس کا جواب میں کیا دے سکتی ہوں۔''

کمشنر۔ ''لیکن یہ شخص کہتا ہے کہ اس نے آپ ہی کو دیکھا تھا۔''

مارجوری۔ ''یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ محض اس کا خیال ہے کہ اس نے مجھے دیکھا تھا'' مارٹین کی طرف مخاطب ہو کر۔ ''بتاؤ میں کیسا لباس پہنے تھی۔''

مارٹین۔ آپ سمندری شیر کی کھال کا کوٹ پہنے ہوئے تھیں۔ جس کے کالر میں خاکی رنگ کا سمور ٹکا ہوا تھا۔ علاوہ اس کے کاہی رنگ کے سمور کا گلوبند بھی آپ کے گلے میں تھا۔''

انسپکٹر۔ ''یہ وہی لباس ہے جو آج مانٹی کارلو جاتے ہوئے آپ پہنے تھیں۔''

کمشنر۔ ''کیا آپ کو اس سے بھی انکار ہے۔''

مارجوری۔ ''نہیں، میرے پاس ایسا لباس ضرور ہے۔ لیکن یہ غلط ہے کہ میں ڈاکخانہ کی

سڑک والے مکان میں گئی تھی۔"

کمشنر۔"اس شخص کو یقین ہے کہ اس نے آپ ہی کو دیکھا تھا۔"

مارجوری۔"میں اس سے انکار کرتی ہوں، لیکن اگر اس کا کہنا صحیح بھی ہو تو آپ مجھ پر کیا الزام عائد کرنا چاہتے ہیں۔"

کمشنر مسکرا کر۔"آپ میرا مطلب غلط نہ سمجھیں۔ میں آپ پر کوئی الزام نہیں لگاتا۔ میں صرف واردات کے متعلق واقعات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

مارجوری۔"اور وہ بھی جھوٹے گواہ پیش کر کے۔"

کمشنر۔"یہ کہتا ہے کہ اس نے آپ کو اس وقت جو میں بیان کر چکا ہوں، اس مکان میں جاتے دیکھا پھر میں آپ کو جھوٹا کیونکر جانوں۔"

مارجوری بگڑ کر۔"جناب! آپ اور میں دونوں جانتے ہیں کہ اس کا کہنا کہاں تک سچ ہو سکتا ہے۔ جو شخص ہر وقت گردن جھکائے جوتیاں گانٹھتا رہتا ہو۔ وہ ہر شخص کو مکان میں آتے جاتے کیونکر دیکھ سکتا ہے۔ لہٰذا میں اس کی بات ہرگز قابل اعتبار نہیں سمجھتی۔"

اس وقت مارجوری کا ضبط اور خودداری قابل تعریف تھی، اور اس کی دلیلوں سے کمشنر پولیس کا یہ خیال بھی تقریباً تذبذب ہو گیا تھا کہ اس کو مارٹین نے مکان مذکور میں جاتے دیکھا ہے۔ لیکن اس پراسرار واقعۂ قتل کے انکشاف میں وہ سخت منہمک تھا اور وہ حالات معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مارجوری۔"میرے خیال میں جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ میں آپ سے سب کچھ کہہ چکی۔ اور یقیناً کچھ عرصہ بعد مارٹین کو بھی اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑے گا۔"

مارٹین جلدی سے۔"لیکن بیگم صاحبہ! سچ تو یہ ہے کہ میں نے آپ کو وہاں ضرور دیکھا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کو مکان کے اندر گھستے دیکھا۔"

مارجوری غصہ میں بگڑ کر۔"میں پھر تم سے کہتی ہوں کہ تم صریح جھوٹ بول رہے ہو۔ تم وہاں ہرگز موجود نہ تھے۔"

الفاظ منہ سے نکل گئے، لیکن جب مارجوری کو خیال آیا کہ وہ غصہ میں کیا کہہ گئی ہے تو وہ

سخت پریشان ہوئی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا، پولیس کمشنر نے فوراً الفاظ پکڑ لئے۔

کمشنر۔"یہاں رکئے بیگم صاحبہ! یہ فرمایئے کہ جب آپ اس مکان میں گئی ہی نہ تھیں تو آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ مارٹین وہاں نہیں تھا۔ میرے سادہ سوال کا جواب ازراہ مہربانی صاف صاف دیجئے۔"

☆......☆......☆

الغرض سوال جواب کا سلسلہ اسی طرح تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ پولیس کمشنر چلا گیا اور مارجوری اپنے کمرہ میں واپس آئی۔ لیکن اس کو اطمینان تھا کہ اس نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جس سے اس کا تعلق کسی قسم کے جرم سے پایا جا سکے۔

جس وقت آئینہ کے سامنے مارجوری کھڑی ہوئی تو وہ اپنی شکل کو آپ نہ پہچان سکی، اور جب خادمہ ماریہ کمرہ میں داخل ہوئی تو وہ اپنی مالکہ کی صورت دیکھ کر حیران رہ گئی۔

ماریہ۔"ہائیں بیگم! یہ کیا ہوا؟ خیر تو ہے، آپ تو مردہ کی طرح زرد ہو رہی ہیں۔ کوئی دوا لاؤں؟"

ماجوری۔"نہیں میں اچھی ہوں، دوا وغیرہ کچھ نہیں چاہیے۔ جاؤ تم کہیں ٹہلنے چلی جاؤ۔ میں تنہائی چاہتی ہوں۔"

ماریہ۔"لیکن مسز قیطون آپ کو بار بار دریافت کر چکی ہیں۔"

مارجوری۔"ان سے کہہ دو کہ بیگم کی طبیعت کسی قدر ناساز ہے۔ سر کا درد یا کوئی اور بات بتا دینا۔ میں آج کھانا کھانے بھی نیچے نہیں اتروں گی۔ گھنٹی بجاؤ اور میرے لئے چائے طلب کرو۔"

ماریہ اپنی مالکہ کو حیرت زدہ تکتی رہ گئی۔ گھنٹی بجائی اور چائے کی فرمائش کر دی۔ بعدازاں وہ بادل ناخواستہ کمرہ سے نکل جانے کو تھی، کہ مارجوری نے روکا۔

"ماریہ میں تم سے چند باتیں صاف صاف کہنا چاہتی ہوں۔"

ماریہ۔"حضور شوق سے فرمائیں۔"

مارجوری۔"دیکھو تم نہایت محبت اور وفاداری کے ساتھ چند سال سے میری خدمت

کر رہی ہو۔''

''حضور! حق نمک ادا کیا ہے۔'' ماریہ نے جواب دیا۔

ماجوری۔ ''ایک معاملہ ہو گیا ہے جو نہایت سنگین اور پراسرار ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے اخبار جو اپنے ساتھ اوپر لیتی آئی تھی اٹھایا، کھولا اور جو شخص ڈاکخانہ والی سڑک پر مکان نمبر ۶۸ میں قتل ہوا تھا اس کا فوٹو دکھا کر پوچھا۔

مارجوری۔ ''کیا تم صاحب تصویر کو پہچان سکتی ہو؟''

ماریہ غور سے دیکھ کر۔ ''کیوں نہیں پہچانتی! یہ تو مسٹر مارشمون کی تصویر ہے۔''

مارجور۔ ''ہاں یہ وہی ہیں اور اب افسوس! وہ قتل ہو گئے ہیں۔''

ماریہ۔ ''قتل؟''

مارجوری۔ ''ہاں قتل! تم فرانسیسی زبان پڑھ سکتی ہو؟ دیکھو خبار میں کیا لکھا ہے؟''

ماریہ نے اخبار لے کر پڑھا اور جو باتیں گذری تھیں وہ معلوم کیں۔ اور پھر اخبار واپس کر کے بولی۔

ماریہ۔ ''بیگم! یہ کیا معاملہ گذرا۔ مسٹر مارشمون نے اپنا نام بدل کر امین بے نسیم ایک مسلمانی نام کیوں رکھا؟''

مارجوری۔ ''تمہیں یاد نہیں رہا کہ گلین کریگ والی پارٹی میں ایک مصری نوجوان پرنس امین بے نسیم بھی تھے۔''

ماریہ۔ ''گلین کریگ میں! ہاں خوب یاد آیا۔ ایک خوبصورت نوجوان جب......''

مارجوری۔ ''ہاں جب ہم کو وہاں سے دفعتاً بھاگنا پڑا تھا۔ ہاں تم کو وہ واقعہ میری طرح یاد ہے۔ لیکن دیکھو تم سے لوگ بعض ناگوار سوالات کریں گے۔ تو بس تم صرف یہ جواب دینا کہ میں کچھ نہیں جانتی۔ بس بالکل کورا جواب۔ میری پیاری ماریہ! اگر تم مجھے بچانا چاہتی ہو تو بس یہی کرنا۔ ورنہ میرا راز فاش ہو جائے گا۔ اور میں برباد ہو جاؤں گی۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ گویا تم نے مسٹر مارشمون کو کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ اور اس کا اصلی نام یہاں کوئی نہیں جانتا۔ یعنی پولیس والوں کو معلوم نہیں، اور نہ ہونا چاہئے، تم سمجھ گئیں؟''

ماریہ۔ ''جی حضور خوب سمجھی کہ پولیس تفتیش کر رہی ہے۔''

مارجوری۔ ''ہاں! دیکھو ممکن ہے تمہیں ڈرا دھمکا کر پوچھا جائے کہ تم مارشمون اور امین بے کی نسبت کیا جانتی ہو! تم صاف کہہ دینا کہ میں دونوں سے کسی بارے میں نہیں جانتی۔ اور نہ میں نے کبھی نام سنا ہے۔''

ماریہ۔ ''بہت اچھا حضور! لیکن کیا غضب کی بات ہے کہ مسٹر مارشمون قتل ہو گئے۔ یہ تو ایک راز ہے۔''

مارجوری۔ ''ہاں قطعی راز ہے۔ اس نے اپنا نام امین بے کیوں رکھا؟ اور خود امین بے اب کیوں غائب ہو گئے؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ایک پیچیدہ راز ہے۔ اور بدقسمتی دیکھو کہ پولیس والے مجھ پر بھی شبہ کرتے ہیں۔ اب میں تم پر بھروسہ کرتی ہوں کہ تم قطعی خاموش رہو گی۔

ماریہ۔ ''آپ مجھ پر اطمینان کے ساتھ بھروسہ رکھیں۔''

مارجوری۔ ''اگر یہ بات معلوم ہو گئی تو میں کہیں کی نہ رہونگی۔ میں رسوائی کا مقابلہ کرنے کے لئے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس وقت پولیس والے حیران ہیں۔ اور ان کو ایسا ہی رہنا چاہئے۔ امین بے تو غائب ہو کر اپنی جان بچا لے گئے۔''

ماریہ۔ ''لیکن پولیس والے ان کا پتہ ضرور نکال لیں گے۔''

مارجوری۔ ''میرے خیال میں تو نہیں نکال سکیں گے۔ امین بے کو مارشمون کی موت کا حال معلوم ہے، اور نہ معلوم کن وجوہات کی بنا پر وہ فرار ہو گئے ہیں۔''

ماریہ۔ ''پولیس والوں کو یہ تو شبہ نہیں ہو سکتا کہ امین بے کا مسٹر مارشمون کی موت سے کوئی تعلق ہے؟''

مارجوری۔ ''پولیس تو فرشتوں پر بھی شبہ کر سکتی ہے۔ ان کا شبہ مجھ پر بھی ہے۔''

ماریہ۔ ''آپ پر! کیوں؟''

مارجوری۔ ''اس لئے کہ پولیس کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ میں امین بے سے جو یہاں مانٹی کارلو میں ٹھہرے ہوئے تھے ملی تھی۔ اور آج مجھ سے یہ بھی حماقت ہوئی تھی کہ میں ان کو تلاش

کرنے اس ہوٹل میں گئی۔ چونکہ تم میری خادمہ ہو۔ اس لئے یقین ہے کہ پولیس والے تم سے ضرور سوال کریں گے۔''

ماریہ۔ ''آپ مجھ پر کامل بھروسہ رکھیں، بندی بھی کچھ ایسی ویسی نہیں۔ دوسرے کے پیٹ کا کھایا پیا معلوم کرلوں اور اپنی بات کو ہوا نہ دوں۔ لیکن کیا مسز قیطون بھی یہ بات جانتی ہیں؟ کہ آپ مقتول سے واقف تھیں؟''

مارجوری۔ ''بالکل نہیں، اور نہ ان کو معلوم ہونا چاہئے۔ بس تم خاموش رہو۔ دیکھو ممکن ہے کہ تمام سفری سامان ٹھیک کر رکھو۔ لیکن اس تیاری کا حال کسی اور کو معلوم نہ ہونے پائے۔ اگر میں تم کو اطلاع دیے بغیر بھی کہیں چلدوں تو تم گھبرا نہیں جانا۔ تم مجھے مسز فاسیٹ کے نام سے مقام پملکو خط لکھنا اور میں بذریعہ تار تمہارے پاس روپیہ بھیج دونگی۔ دیکھو! اگر میں یہاں سے اچانک روانہ ہوگئی تو میں سیدھی مادام لب لائق کے یہاں دیہات میں چلی جاؤنگی۔ جہاں ہم سال بھر گذار کر کچھ دن رہے تھے۔ لیکن تم اپنا خط ہمیشہ پملکو روانہ کرنا۔''

ماریہ اپنی مالکہ کی ہدایت خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کو اچانک اور چپ چاپ نقل وحرکت کرنے کی عادت ہوگئی تھی۔ گویا اس کی مالکہ کسی فرضی شخص سے ڈر کر ادھر ادھر بھاگتی ہے۔ لیکن اس خیالی دشمن کا نام اس کو آج تک معلوم نہ ہوا۔

ماریہ۔ ''بہت اچھا حضور!''

ماریہ نے ایک مرتبہ اخبار اٹھا کر پھر دیکھا اور جو اس نے پیشتر نہیں پڑھے تھے ان کو پڑھ کر بولی۔

ماریہ۔ ''یہ بھی کس قدر عجیب بات ہے کہ مسٹر مارشمون کی تصویر امین بے نسیم کے نام سے شائع کی گئی ہے۔''

مارجوری۔ ''بیشک! یہ معاملہ خود میری بھی سمجھ سے باہر ہے۔''

ماریہ۔ ''اب مجھے یاد آیا۔ اس روز گلین کریگ میں جب ہم چلنے لگے تو مسٹر مارشمون پہلے ہی بیدار ہوگئے تھے۔ اور آپ کو الوداع کہنے کے منتظر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ آپ کے پروگرام سے آگاہ ہیں۔''

مارجوری۔ ''ہاں وہ واقف تھے اور صرف وہی ایک شخص تھے جو اس پروگرام سے آگاہ تھے۔''

ماریہ۔ ''اور وہ یہاں نیقیہ میں آکر امین بے نسیم کے نام سے رہنے لگے۔ واقعی یہ معاملہ بہت ہی عجیب ہے۔ غالباً ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ خود امین بے بھی یہاں مانٹی کارلو میں موجود ہیں۔''

مارجوری۔ ''ہاں! بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر دیکھو ماریہ! میں چاہتی ہوں کہ یہ تمام باتیں تمہارے دل ہی میں رہیں۔ تم سمجھ لو کہ تم ان دونوں کو جانتی ہی نہیں تھیں اور نہ تم میرے ساتھ گلین کریگ میں تھیں۔ سمجھ گئیں؟''

ماریہ۔ ''جی بیگم صاحبہ خوب سمجھ گئی۔''

ماریہ واقعی ایک نہایت ہوشیار اور چست و چالاک عورت تھی۔ شکل وصورت پسندیدہ رکھتی تھی۔ کھانے پینے کا بھی شوق تھا، اور اپنے طبقہ کے لوگوں میں اس کا وہی درجہ تھا جو اعلیٰ طبقہ میں اس کی مالکہ کا۔

اتنے میں فلپا نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا اور کمرہ میں داخل ہوکر بولی۔

''حضور! میری بیگم دریافت فرماتی ہیں کہ برٹن والوں نے کانیس سے بذریعہ ٹیلیفون مدعو کیا ہے کیا آپ رات کا کھانا کھا کر تشریف لے چلیں گی؟''

مارجوری۔ ''اپنی بیگم صاحبہ سے کہہ دو کہ میری طبیعت کچھ ناسازی ہے۔ میں کھانا کھانے بھی آج نیچے نہیں آؤنگی۔ گھبرانے کی بات نہیں صرف سر میں خفیف سا درد ہے۔ صبح تک طبیعت درست ہوجائے گی۔ افسوس ہے میں ان کے ساتھ نہیں جاسکوں گی۔''

فلپا۔ ''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں؟''

مارجوری۔ ''نہیں تمہاری مہربانی ہے۔ ماریہ سب کام کر لے گی۔''

فلپا کے چلے جانے کے بعد مارجوری بولی۔ میں اس عورت کو پسند نہیں کرتی۔ یہ بنی ہوئی بہت چالاک عورت ہے۔''

ماریہ۔ ''جی ہاں، خواہ مخواہ مجھ سے بھی ہر قدم کے سوالات کرتی رہتی ہے، مغز چاٹ جاتی

ہے۔''

مارجوری۔ ''لیکن تم اس کی باتوں میں آنے والی نہیں ہو۔''

ماریہ۔ ''اجی میں اس جیسے کو ہزار برس پڑھوں۔''

ماریہ، مارجوری کے بال بنانے لگی، اور اسی حالت میں پوچھ بیٹھی۔''

تو کیا بیگم آپ نے واقعی یہاں سے جلد چلے جانے کا ارادہ کرلیا ہے؟''

مارجوری۔ ''میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس ہولناک واقعہ نے میری تمام تدبیریں درہم برہم کردی ہیں۔ افسوس! بیچارہ مارشمون مارا گیا۔ نامعلوم اس روز رات کو کیا کیا واقعات ہوئے ہوں گے۔''

ماریہ۔ ''جی ہاں، دیکھئے نہ ڈاکٹروں کو نہ پولیس کو ابھی تک یہ معلوم ہوسکا کہ اس کو کس طرح قتل کیا گیا، زخم یا چوٹ کا جسم پر نشان تک نہیں، اخبار میں تو یہی لکھا ہے۔''

مارجوری۔ ''یہ بات ان کو کبھی معلوم ہی نہ ہوسکے گی۔ طریقۂ قتل سے صرف ایک ہی شخص آگاہ ہے۔ اور وہ میں ہوں۔''

ماریہ حیرت زدہ ہوکر۔ ''آپ؟''

مارجوری۔ ''ہاں میں، بس صرف میں ہی واقف ہوں۔ اگر میں چاہتی تو پولیس کو ایک حیرت انگیز قصہ بتاسکتی تھی، اور ممکن تھا کہ اس سے ان کو کچھ پتہ چل جاتا۔''

ماریہ۔ ''لیکن کیا آپ خود کو اس جرم سے ملوث کرنا پسند کریں گی؟''

مارجوری۔ ''ہرگز نہیں، میں نے تم سے کہا نہیں کہ میں نے ہر بات سے انکار کردیا ہے۔ اب اگر پولیس والے کچھ معلوم کرسکیں تو کرتے رہیں۔''

ماریہ۔ ''لیکن اگر ان کو واقعات کا پتہ چل گیا تو کیا ہوگا۔ ممکن ہے ان کے ہاتھ آپ کا وہ خط پڑ جائے جو میں اس دن ان کو ریلوے اسٹیشن پر دے آئی تھی۔''

مارجوری۔ ''اف! غضب ہوجائے گا۔''

مارجوری کا رنگ اڑ گیا، منہ فق ہوگیا، وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹ خشک تھے۔

مارجوری۔ ''ارے وہ خط تو میں بھول ہی گئی۔ اگر مارشمون نے خط اپنے پاس رکھ لیا ہوگا، تو وہ ضرور پولیس کو مل جائے گا۔ خدایا، مجھے اس کی کیا خبر تھی؟''

ماریہ۔ ''اور اگر وہ خط پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو کیا معاملہ خراب ہوگا؟''

مارجوری۔ ''خراب! کیا ایسا ویسا، وہ پولیس کمشنر بڑا چلتا پرزہ ہے۔ اس خط سے تمام بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ اور میں تباہ ہوجاؤں گی۔

ماریہ۔ ''آپ کی دولت تو وہ چھین ہی لیں گے، وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے۔''

مارجوری۔ ''اوہ ظالم، تجھے مال کی فکر پڑی ہے۔ کسی کے دل کی خبر نہیں ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جب تم اس شخص سے جس کو تم چاہتی ہو شادی کر کے مضافات لندن میں عیش کے ساتھ بسر کرو گی دن عیدرات، شب برات ہوگی۔ تمہارے بال بچے ہوں گے اور تم پھولی نہ سماؤ گی۔ تمہارے گرد حلقۂ احباب ہوگا۔ جسے تم اپنی سیر و سیاحت کے قصے سناؤ گی۔ لیکن تم کسی سے یہ کبھی بیان نہ کرو گی کہ میں کسی زمانہ میں کسی کی خادمہ بھی تھی۔ اور میں نصیبوں جلی جو تمہاری مالکہ ہوں گوشۂ گمنامی میں چلی جاؤں گی۔''

ماریہ جھینپ کر۔ ''لیکن ابھی تو وہ میرا شوہر کسی کارخانہ میں بنایا جارہا ہے۔''

مارجوری۔ ''گھبراؤ نہیں۔ بنا بنایا مل جائے گا، اور تم مجھ سے زیادہ خوش قسمت ثابت ہوگی۔ اور میں باوجود اس تمام دولت و حشمت کے بھی ہمیشہ ملول ہوں گی''

ماریہ۔ ''بیگم آپ کا وجود بھی ایک راز سربستہ ہے، جب آپ اس قسم کی باتیں کرتی ہیں تو میری سمجھ میں خاک نہیں آتا۔''

مارجوری اس وقت اس خط کی فکر میں پریشان تھی، جو اس نے مارشمون کو بھیجا تھا، اور سوچ رہی تھی کہ اگر وہ خط پولیس کے ہاتھ پڑ گیا تو کیا ہوگا؟ اس کو اپنی غلطی کا بھی خیال آرہا تھا جو اس نے مارٹین کی تردید کرتے ہوئے کی تھی۔ پولیس کمشنر کو یقین ہوگیا تھا کہ مارجوری کو ضرور کچھ واقعات معلوم ہیں، لیکن وہ دیدہ و دانستہ بتلانے سے گریز کرتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ ہوشیار اور چالاک افسر تھا۔ اس لئے اس نے اس وقت زیادہ دباؤ نہ ڈالا اور اس نے سوچا کہ ایک نہ ایک دن وہ مارجوری سے تمام باتیں دریافت کر ہی لے گا۔ علاوہ ازیں اس وقت مارجوری کو امین

بے کا بھی بہت خیال آ رہا تھا۔

ماریہ نے دیکھا کہ اس وقت اس کی مالکہ پریشان ہے۔ اس لیے وہ بھی خاموش ہوگئی اور مسٹر مارشمون کے واقعۂ قتل پر غور کرنے لگی۔ سب سے آخری ملاقات اس کی مارشمون سے اس وقت ہوئی تھی جب وہ اسے مارجوری کا خط دینے ریلوے اسٹیشن پر گئی تھی۔ وہ اس وقت ایک سفری کوٹ پہنے ہوئے تھا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہیں باہر جانے والا ہے۔"

خط لے کر مارشمون نے ماریہ کو روک لیا تھا، مارجوری کا خط پڑھنے کے بعد اس پر کچھ ظاہر ہوا۔ اور پھر یہ کہہ کر اس نے ماریہ کو رخصت کر دیا تھا کہ "اپنی بیگم سے کہہ دینا کہ اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے۔ میں ان کو پھر کسی وقت لکھوں گا۔"

اس وقت مارجوری بھی ایک سنگین بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی تفکرات میں غلطاں و پیچاں تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر پولیس کو یہ معلوم ہوگیا کہ میں اس روز مقتول کے پاس اس کے مکان میں گئی تھی تو کیا ہوگا۔ مارٹین نے اس کو دیکھ لیا تھا، لیکن چونکہ وہ ایک نشہ باز سا آدمی تھا اس لئے پولیس اس کی شہادت پر زیادہ توجہ نہ کرے گی۔ لیکن خواہ کچھ ہو اس کا وہاں جانا ثابت نہ ہونا چاہئے۔

دوسری فکر یہ تھی کہ وہ بالکل بے یار و مددگار عورت تھی، اور امین بے جس کو وہ چاہتی تھی خود کہیں فرار ہوگیا تھا۔ وہ حیران تھی کہ اس کے فرار کی وجہ کیا ہوئی؟ اس نے ہر چند اپنی الجھن دور کرنا چاہی لیکن ناکام رہی۔

☆......☆......☆

دو ہفتے اس قدر حالت امید و بیم میں گذرے کہ مارجوری کا دل ہی جانتا ہوگا۔ لیکن سر ہنری قیطون بن حام اور ان کی بیوی کو کسی قسم کی بالکل خبر نہ ہوئی۔

مارجوری کا خیال صحیح نکلا، پولیس والوں نے ماریہ کو تھانہ میں بلا کر بہت ڈرایا دھمکایا پریشان کیا اور ہر چند پوچھا کہ وہ مسٹر مارشمون یا امین بے نسیم کا کوئی حال بیان کرے، لیکن وہ ہر بات کی واقفیت سے انکار کرتی رہی۔

خوش قسمتی سے ایک بات یہ بھی اچھی ہوئی کہ وہ خط جو مارجوری نے مقتول کے نام روانہ

کیا تھا وہ بھی پولیس کو نہ ملا جس سے یقین ہوگیا کہ ان خطوط کو مقتول نے ضائع کر دیا ہوگا۔ لیکن مارجوری کے دل میں اس بات کا کھٹکا ہر وقت لگا رہتا تھا کہ کہیں مقتول کے مکان میں اس کا جانا ثابت نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس سے اس کی سخت رسوائی ہوتی۔

مگر جس روز سے پولیس والے مارجوری کے پاس سے ناکام واپس گئے تھے، مارجوری کو پھر کسی نے تنگ نہ کیا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس وقت یورپ بھر کی پولیس اس شخص کی تلاش میں ہے جس کو وہ دل سے چاہتی ہے۔ جس سے وہ محبت کا اقرار کر چکی ہے، اور جس کے دیکھنے کو اس وقت اس کی آنکھیں ترس رہی ہیں۔ وہ کون شخص تھا؟ وہی امین بے نسیم جو ہوٹل سے اس قدر چپ چاپ فرار ہوگیا تھا۔

وہ اپنے کمرہ میں کھڑکی کھولے گھنٹوں بیٹھی سوچتی رہتی تھی۔ تفکرات کی وجہ سے اس کے رخساروں کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا، اور اس کو پولیس کی طرف سے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ پھر تھانے میں طلب کر کے پریشان سوالات کا نشانہ بنائی جائے اور اس کی خوب رسوائی ہو۔

ملک میں اس پراسرار واقعۂ قتل کی وجہ سے کہرام مچا ہوا تھا۔ خبار والے جو ہمیشہ "سنسنی خیز" باتوں کی فکر میں رہتے ہیں وہ مقتول کی نسبت صدہا قسم کے نظریے قائم کر رہے تھے۔ بلکہ کبھی کبھی تو خود سر ہنری قیطون بھی جو اخبار بینی کا خاص شوق رکھتے تھے، امین بے نسیم کے نام پر مختلف قسم کے خیالات کا اظہار فرمانے لگتے تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں وہ بھی اسی نام کے ایک شخص سے واقف تھے جو ان سے مارجوری کے متعلق لندن میں ملا تھا۔

لیکن سر ہنری اور ان کی بیوی کے سامنے مارجوری ہمیشہ خودداری اور ضبط سے کام لیتی تھی، اور اپنے دل کی پریشانیوں اور الجھنوں کا راز کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتی تھی۔ وہ تینوں روزمرہ بلاناغہ کار پر سوار ہو کر ادھر ادھر سیر کرنے نکل جاتے تھے۔ کبھی گھوڑ دوڑ میں دل بہلاتے، کبھی دریائے وار کے کنارے سیر کرتے، کبھی کانیس پہنچ کر خوبصورت کشتی اور جہاز میں سوار ہو کر سمندر کی سیر کرتے۔ کبھی مونا کو جاتے اور وہاں موٹر سے چلنے والی کشتیوں کی دوڑیں دیکھتے۔ الغرض ان تینوں کی زندگی بظاہر نہایت عیش و عشرت سے گذرتی تھی۔

پہلے تو مارجوری کا ارادہ تھا کہ وہ نیقیہ سے چپ چاپ روانہ ہو جائے۔ اور اسی وجہ سے اس نے ماریہ کو تمام سامان پیک کر دینے کا حکم دیدیا تھا۔ لیکن اب اس کو خیال آیا کہ اس قسم کی خفیہ نقل و حرکت سے لوگوں کا شبہ اس کی طرف سے قوی ہو جائے گا۔ اس لئے اس نے پھر ماریہ سے مشورہ کیا اور اس کے مشورے سے تمام پیک شدہ سامان پھر کھلوا دیے۔

اس کا دل دنیا کی عیش پرستیوں سے بیزار ہو گیا تھا، اور وہ جس قدر جلد ہو سکتا تھا۔ نیقیہ اور اس کے قرب و جوار سے چلا جانا چاہتی تھی۔ دن بھر وہ خاموشی کے ساتھ اور بظاہر وہ خوش و خرم نظر آ کر اپنے دوستوں کے ساتھ رہتی تھی، لیکن رات کے وقت اس کی یہ حالت ماہئی بے آب ہوتی تھی۔

آخر مجبور ہو کر اس نے لنچ کے وقت اپنے احباب سے کہہ ہی دیا کہ اب اس کا دل ساحل بحیرۂ روم کے نشاط خانوں کی سیر سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ اور اب یہ دل چاہتا ہے کہ بذریعۂ موٹر پیرس جائیں اور وہاں ہفتہ عشرہ قیام کر کے لندن چلی جائے۔ سرہنری اور ان کی بیگم نے بھی اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ فوراً سامان کی درستگی اور تیاری کا حکم دیدیا گیا۔

تمام سامان اگلے روز ماریہ اور فلپا کے ساتھ بذریعہ ریل روانہ کر دیا گیا۔ اور ایک دن صبح کو ناشتہ اور چائے سے فراغت پا کر وہ تینوں بھی کار میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ کانیس سے گذرتے ہوئے وہ استرلیس اور پھر وہاں سے برگنولیز پہنچے۔ جہاں انہوں نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر شہر ایوگنان کے مشہور و معروف ہوٹل دی یورپ میں آ کر ٹھہرے۔

راستہ میں ان کو بہت سی موٹریں ملیں جن پر انہوں نے انگریزی نشانات دیکھے، لیکن جان پہچان والا کوئی شخص نہ ملا، جس وقت وہ ہوٹل میں پہنچے تو کھانے کا وقت گذر چکا تھا، اس دن موسم بھی نہایت خوشگوار ہو رہا تھا اور تمام سفر نہایت عمدگی اور آرام سے ختم ہو گیا تھا۔ اور پھر انہوں نے موٹر بھی بلا لحاظ رفتار چلایا تھا۔

الغرض اس وقت وہ تینوں اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ لباس تبدیل کئے بغیر جو کچھ بھی اس وقت میسر آیا، کھانے بیٹھ گئے۔ مارجوری کی طبیعت اس وقت کسی قدر شگفتہ ہو گئی تھی اور تفکرات و پریشانیوں کا بار گراں جو اس کے دل نازک پر کچھ دنوں سے پڑا ہوا تھا وہ کسی قدر ہلکا ہو گیا

تھا۔ جب وہ تنہا ہوئی تو کھڑکی کے سامنے ایک آرام دہ کرسی بچھا کر اس پر لیٹ گئی اور اس کے دل سے اطمینان ظاہر ہونے لگا۔

جس وقت مارجوری سرہنری اور ان کی بیوی کی ہمراہی میں ہوتی تھی تو بظاہر ایسی صورت اور حالت بنالیتی تھی گویا اس کو دنیا میں کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ لیکن اس وقت تنہائی میں اس نے ایک خط نکالا جو دربان نے اس کو ہوٹل میں آتے ہوئے دیا تھا۔ مارجوری نے شروع سے آخر تک اس خط کو پڑھا۔ تین دن پیشتر اس نے لندن میں ایک خاص پتہ پر تار دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ جتنے خطوط اس کے وہاں پہنچیں وہ روانہ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ تین خط آئے تھے، ان میں سے دو خط تو چنداں اہمیت نہ رکھتے تھے، لیکن تیسرا خط جو باریک نیلگوں کاغذ پر تحریر تھا، وہ کسی قدر اہم تھا۔ اور اب وہ اسی خط کو پڑھ رہی تھی۔

خط کے لفافہ پر مصر کی مہر اور اسٹامپ تھے۔ اور اگرچہ لفافہ پر بخط انگریزی پتہ درج تھا، لیکن تمام خط کا مضمون عربی زبان میں تھا، اور تمام تحریر نہایت باریک حروف میں لکھی ہوئی تھی۔ مارجوری نے اس خط کو بار بار پڑھا، خط کے پڑھتے ہی اس کے پھول سے شگفتہ چہرے پر افسردگی چھا گئی۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا، اور وہ اس خط کو ہاتھ میں لئے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

مارجوری بڑبڑائی "کمبخت مردود! اللہ میں کب تک اس مصیبت میں گرفتار رہوں گی۔ وہ لکھتا ہے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ بھلا وہ کیا جانتا ہے؟ اور وہ جان ہی کیا سکتا ہے۔ لیکن..... نہیں..... بیشک کوئی راز اس سے چھپا نہیں رہ سکتا۔"

مارجوری کرسی پر سے اٹھ کر اسی پریشانی میں مبتلا کھڑکی کے سامنے ٹہلنے لگی، اتنے میں ایک بڑی اور خوبصورت کار جس کی سفید روشنی سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ ہوٹل کے سامنے آ کر رکی۔ دو آدمی جو بھاری اوورکوٹ اور ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔ کار سے اترے۔ ان میں سے ایک ہوٹل میں داخل ہو گیا اور دوسرا اگلی روشنیوں کو درست کرنے لگا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان مسافروں کا ارادہ ہوٹل میں ٹھہرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ وہ رات بھر سفر کرنا چاہتے ہیں۔ کار کے دیکھنے سے بھی جو اس وقت بڑی تیز برقی روشنی میں کھڑی تھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دور دراز سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں۔

جو شخص ہوٹل میں داخل ہوا تھا، وہ بظاہر کوئی بات دریافت کرنے گیا تھا۔ کیونکہ جب وہ باہر آ کر اپنے ساتھی کے پاس پہنچا تو اسے جھک کر کوئی بات اس کے کان میں کہی۔ جس پر وہ شخص سیدھا ہو گیا، اور اس کے منہ سے دفعتاً ''واللہ'' نکلا۔

عین اسی وقت روشنی کھڑے ہوئے شخص کے چہرہ پر پڑی، اور اس کے تمام خط و خال مارجوری کو پوری طرح نظر آئے۔ وہ اس شخص کی صورت دیکھ کر سخت حیران ہوئی اور اس کے منہ سے دفعتاً ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔

جو شخص کار کے پاس کھڑا ہوا تھا اور جس کو مارجوری نے پہچانا وہ پرنس امین بے نسیم تھا۔ اس وقت مارجوری کے دل کی عجیب حالت تھی۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ شاید اس کی نظر نے غلطی کی ہو۔ اس لئے اس نے خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ لیکن نہیں۔ اس کی آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ وہ شخص واقعی امین بے نسیم تھا۔ اگرچہ اس کا رنگ اور حلیہ اس وقت کسی قدر بدلا ہوا تھا، لیکن مارجوری کی محبت بھری آنکھیں کب خطا کر سکتی تھیں۔ دوسری بات یہ کہ اس نے جو امین بے کی آواز سنی تو رہا سہا احتمال بھی جاتا رہا۔

یہ بھی غنیمت ہوا کہ اس وقت تک مارجوری نے کپڑے نہیں اتارے تھے۔ اس نے فوراً ایک سموری گلوبند اٹھا کر گلے میں لپیٹا۔ سر پر اونی ٹوپی پہنی اور جس قدر جلد ہو سکا وہ زینہ سے اتر کر نیچے پہنچی، ہوٹل سے وہ اس طرح چپ چاپ اتری کہ کسی کو معلوم تک نہ ہوا۔ وہ جھپٹ کر امین بے کے پاس سے گزری اور دبی ہوئی آواز میں جلدی سے کہا۔

''امین! تم یہاں کہاں؟'' میرے پیچھے پیچھے سڑک پر نکل آؤ۔''

مارجوری کی آواز سنتے ہی نوجوان شخص چونکا۔ اور حیران و ششدر ہو کر اس کی طرف تکنے لگا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھی کے کان میں کچھ کہا اور جلدی جلدی قدم بڑھا کر اسی سمت کو روانہ ہو گیا جس طرف مارجوری گئی تھی۔ اور دونوں عمارتوں کے سایہ میں غائب ہو گئے۔

ہوٹل سے نکلتے ہی مارجوری ایک تاریک اور پرانی گلی میں گھس گئی۔ گلی تنگ و تاریک تھی اور اس وقت وہاں کسی کی آمد و رفت بھی نہیں تھی۔ اور وہاں تھوڑی دیر بعد دونوں طالب و مطلوب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے خاموش کھڑے نظر آئے۔

مارجوری۔ ''میں نے تم کو ابھی ابھی آتے دیکھا تھا تم کہاں سے آ رہے ہو؟''

امین بے۔ ''میں اطالیہ سے آ رہا ہوں۔ میرے دوست کپتان مارلیسن اس وقت رومۃ الکبریٰ سے لندن جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھ مجھے بھی لے لیا ہے، لیکن میری جان تم کہاں ہو؟''

''ہم لوگ دو تین گھنٹے ہوئے نیقیہ سے آئے ہیں۔'' مارجوری نے جواب دیا۔

امین بے۔ ''یہی میں بھی سمجھا تھا۔''

مارجوری۔ ''تو کیا تم کو معلوم تھا کہ میں یہاں ہوں؟''

امین بے۔ ''ہاں ریحانہ! جس وقت میں شہر ٹیورن میں تھا اس وقت مجھے بذریعہ تار اطلاع ملی تھی کہ تم یہاں آ رہی ہو۔''

مارجوری۔ ''یہ اطلاع کس نے دی تھی۔''

امین بے۔ ''میری جان! معاف کرنا، میں نے ایک خط تمہاری ماریہ کو لکھا تھا، اور اسی نے بذریعہ تار مجھ کو اطلاع دی تھی، میں تم کو دیکھنے کے لئے دو ہفتہ سے تڑپ رہا تھا۔ اگر ایسی حالت میں ماریہ نے ایسا کیا تو قابل معافی ہے۔''

مارجوری۔ ''لیکن پیارے امین! اس وقت تمہاری جان سخت خطرہ میں ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پولیس تمہاری تلاش نہایت سرگرمی سے کر رہی ہے۔''

امین بے۔ ''ہاں میں جانتا ہوں۔ خوب جانتا ہوں۔ نہایت افسوس کی بات ہے۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ زیادہ عرصہ نہیں گذرے گا کہ پولیس والے مجھ کو گرفتار کر لیں گے۔ آہ! کیسا اچھا ہوتا اگر میں کسی طرح انگلستان یا مصر پہنچ جاتا۔''

ریحانہ۔ ''تم نے اس مرتبہ نہایت حماقت آمیز حرکت کی، دیکھو جو تار بھی میں یا ماریہ روانہ کریں گے وہ پولیس کے ہاتھوں سے ضرور گذرے گا۔ کیا پولیس کو معلوم نہیں ہو گا کہ ماریہ نے تم کو تار بھیجا ہے؟''

امین بے۔ ''نہیں، پولیس کو معلوم نہیں کیونکہ اس نے مجھے لارنس کے نام سے تار بھیجا تھا۔ مجھے خود خیال تھا کہ پولیس تم دونوں کی ضرور نگرانی کر رہی ہو گی، اس لئے میں نے یہ چال چلی

تھی۔علاوہ ازیں اس نے یہ بھی ہوشیاری کی تھی کہ کانیس جا کر تار بھیجا تھا۔''

ریحانہ۔''لیکن تم جب تک فرانس میں ہو اس وقت تک تمہاری آزادی خطرہ میں ہے، تم نے اگر سوئزرلینڈ، جرمنی، بلجیم وغیرہ ہو کر سفر کیا ہوتا تو بہتر تھا۔تم نے یہ احتیاط کیوں نہیں برتی؟

امین بے۔''اس کی وجہ تو نہایت قوی ہے۔'' ریحانہ کو سینہ سے لگا کر۔'' اور وہ یہ کہ میں تمہیں دیکھنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔اور میں نے محض تمہیں دیکھنے کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالی۔''

ریحانہ۔''لیکن جو واقعات نیقیہ میں پیش آ چکے ہیں ان کے بعد خود کو اس طرح خطرہ میں ڈال دینا سخت حماقت ہے۔ مجھے بھی اس سے انکار نہیں کہ میرا بھی دل تمہاری صورت دیکھنے کے لئے بے قرار ہو رہا تھا، اور میں تم سے اصل واقعات دریافت کرنا چاہتی تھی، لیکن میں یہی مناسب سمجھتی تھی کہ اگر تم سے ملاقات ہو تو لندن یا کسی اور محفوظ جگہ میں ہو۔''

اس وقت یہ دونوں باتیں کرتے کرتے ایک دوسری گلی میں پہنچ گئے جو کسی قدر زیادہ وسیع تھی۔''

''مصر کے سوائے اور کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔'' امین بے نے کہا۔

ریحانہ۔''نہیں، تمہارے لئے مصر اور بھی زیادہ خطرناک ہے چھپنے کی دنیا میں اور بہت سی جگہیں ہیں۔''

امین بے۔'' خیر! اب میں بھی کوئی جگہ ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں نے اخبار پڑھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پولیس میری سخت فکر میں ہے۔ لیکن میری جان کیا کروں، تمہارے لئے میرا دل تڑپ رہا تھا۔ میں تم سے ملنا اور واقعات دریافت کرنا چاہتا تھا۔''

ریحانہ۔''واقعات! کیسے واقعات؟ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔''

امین بے۔''تم اس قدر ضرور جانتی ہو کہ مسٹر مارشمون نیقیہ میں تھے۔تم اس سے ہرگز انکار نہیں کر سکتیں۔

ریحانہ۔''نہیں اس سے تو مجھے انکار نہیں ہے۔''

امین بے۔''تو پھر بتاؤ کہ وہ نیقیہ میں کیوں آیا تھا، اور اس نے اپنا نام امین بے نسیم کیوں

رکھا تھا؟''

ریحانہ۔''اس کا جواب تو تم ہی دے سکتے ہو، میں کیا جواب دوں۔''

امین بے۔''اچھا تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ نیقیہ میں موجود ہے۔''

ریحانہ۔''اس نے مجھے بذریعہ خط اطلاع دی تھی، میں نے بھی اس کو ماریہ کے ہاتھوں جواب بھیج دیا تھا۔ جو اس نے ریلوے اسٹیشن پر مارشمون کو دیا تھا۔''

امین بے۔''لیکن جس رات کو ہماری ملاقات ریویرہ ہوٹل میں ہوئی اس وقت تم نے یہ باتیں نہیں بتائی تھیں۔

ریحانہ ہاتھ چھڑا کر۔''اور تم سے کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟''

امین بے۔''کیوں نہیں تھی مارشمون میرا دوست تھا۔''

ریحانہ۔''مجھے یہ نہیں معلوم تھا، بیشک! وہ بھی ہمارے ساتھ گلین کریگ میں تھا، لیکن مجھے یہ خیال نہیں گذرا کہ تمہاری اس سے گہری دوستی ہے۔''

اسی طرح آپس میں گفتگو کرتے کرتے وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔حتیٰ کہ وہ دریائے ہون کے کنارہ پہنچ گئے، جو نہایت تیزی سے بہہ رہا تھا۔سامنے روشنی کی ایک قطار نظر آ رہی تھی، جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کوئی پل ہے۔یہاں پہنچ کر ریحانہ دفعتاً امین بے کی طرف متوجہ ہوئی اور بولی۔

''امین بے! تم مسٹر مارشمون سے ملے تھے؟ جو کچھ واقعات گذرے اس سے تم واقف ہو، اب مجھے تمام باتیں سچ سچ بتا دو۔''

امین بے۔''سچ تو یہ ہے کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''

ریحانہ۔''پھر تم اطالیہ کی طرف کیوں بھاگ گئے تھے؟''

امین بے۔''جان من! کیا تم بھی مجھ سے میرے چلے جانے کی وجہ دریافت کرتی ہو۔ذرا سوچو غور کرو۔ ذرا ایک لمحہ کے لئے اپنے ان الفاظ پر غور کرو جو تم نے اس روز کہے تھے، جب ہم دونوں تاروں بھری رات میں ہوٹل کے پشتہ پر کھڑے ہوئے تھے۔اور میں نے تم سے سچ سچ کہہ دیا تھا کہ میں تم کو چاہتا ہوں۔اس کے بعد جو لفظ تم نے مجھ سے کہے ذرا ان کو یاد کرو۔ پھر تم

کواس کی ضرورت نہ رہی ہوگی کہ مجھ سے اطالیہ چلے جانے کی وجہ دریافت کرو۔''

☆.....☆.....☆

وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے رہے اور اب ریحانہ اور امین بے نسیم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے دریا کنارے ایک آہنی جنگلہ سے سہارا لگائے کھڑے تھے، اور دریا بہہ رہا تھا۔ رات اندھیری تھی۔ اور سڑک کا وہ لیمپ جو دور فاصلہ پر ٹمٹما رہا تھا۔ اس قدر کافی نہیں تھا کہ ان دونوں عاشق و معشوق کی ملاقات کا راز فاش کر سکے۔ اتنے میں ایک مزدور نشہ میں چور گرتا پڑتا ان کے پاس سے گذرتا ہوا چلا گیا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا، اس وقت عالم سکوت طاری تھا اور دونوں طالب و مطلوب، کھڑے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔

امین بے۔ ''مجھے کچھ معلوم نہیں، دو دن بعد جب شہر میلان کے ہوٹل میں میری آنکھ کھلی اور میں نے اخبار پڑھے تو مجھے معلوم ہوا کہ پولیس میری تلاش میں ہے۔''

ریحانہ۔ ''پھر تم واپس کیوں نہیں آ گئے تھے؟ میرے خیال میں یہ بہت زیادہ اچھا ہوتا۔

امین بے کسی قدر گھبرا کر۔ ''میں...... میں...... سچ تو یہ ہے کہ تمہاری رسوائی سے ڈرتا تھا۔

ریحانہ بگڑ کر۔ ''لیکن جناب! آپ کی واپسی سے میری رسوائی کیوں کر ہوتی؟''

امین بے۔ ''اس لئے...... اس لئے کہ میں جانتا تھا...... یا کم از کم یہ خیال تھا کہ مارشمون کا نیقیہ میں اس طرح آنا، اور دنیا سے بے تعلق ایک گوشۂ تنہائی میں رہنا محض تمہاری ملاقات کی غرض سے تھا۔''

ریحانہ۔ ''تم نے ایسا خیال کیا۔ حالانکہ میں اس امر کا اقرار کر چکی تھی کہ میں بھی تم کو چاہتی ہوں، اس کے بعد بھی یہ خیال تمہارے دل میں کیوں آیا؟''

امین بے۔ ''یہ سچ ہے کہ تم نے مجھ سے اقرار محبت کیا، لیکن تم نے مجھ سے یہ بھی تو کہا تھا کہ میری منگنی کسی دوسرے شخص سے ہو گئی ہے، اور تم نے مجھ سے یہ بھی تو کہہ دیا تھا کہ مجھ سے کسی قسم کی توقع نہ رکھنا۔ بس یہی وجہ تھی کہ میں مارشمون کے قتل کا حال سننے بھی نہ پایا اور دل شکستہ ہو کر چلا گیا۔ بلکہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ پر اسرار قتل بھی میری روانگی کے بعد ہوا۔''

ریحانہ۔ ''تمہاری یہ نقل و حرکت اگرچہ نیک نیتی پر مبنی تھی لیکن اس کا اثر مجھ پر بہت برا

پڑا۔ کیونکہ پولیس والوں کو یہ خیال گذرا بلکہ وہ جانتے تھے کہ میری تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اس بارے میں مجھ سے فوراً سوالات کئے۔''

امین بے۔ ''پھر تم نے پولیس والوں کو کیا جواب دیا؟''

ریحانہ۔ ''ہاں یہی تو وجہ ہے کہ وہ ہنوز تمہاری تلاش میں ہیں۔''

امین بے۔ ''ان کو شبہ ہوگا کہ میں نے اپنے دوست مارشمون کو قتل کر دیا ہے اور تم کو بھی مجھ پر اسی قسم کا شبہ ہے؟''

ریحانہ۔ ''نہیں ہرگز نہیں، عورت اس شخص کی نسبت کبھی ایسا خیال دل میں نہیں لا سکتی جس کو وہ چاہتی ہو۔''

امین بے۔ ''افسوس! غریب مارشمون قتل ہو گیا، لیکن یہ قتل کس نے کیا؟''

ریحانہ۔ ''پولیس کا شبہ تو تم پر ہے۔''

امین بے۔ ''پولیس کا کیا، ان کو جب اصل ملزم کا پتہ نہیں چلے گا تو وہ کسی نہ کسی کو تو ملزم بنائیں گے ضرور۔''

ریحانہ۔ ''لیکن وہ تم کو ملزم مفرور خیال کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے تمہاری تلاش میں ہیں، اور میں کہے دیتی ہوں کہ جب تک تم فرانسیسی عملداری میں ہو تمہاری جان کو ہر وقت خطرہ رہے گا۔ یہ خیال رہے کہ تمام فرانس میں کوئی ایسا تھانہ یا چوکی نہیں ہے جہاں تمہارا مفصل حلیہ چسپاں نہ ہو۔''

امین بے مسکرا کر۔ ''بندہ خوب جانتا ہے۔ لیکن ریحانہ! تم کو معلوم تھا کہ مارشموں نیقیہ میں ہے۔ لہٰذا تم کو یہ بھی ضرور معلوم ہوگا کہ اس کے وہاں آنے کا خفیہ مقصد کیا تھا، اس نے میرا نام کیوں استعمال کیا؟''

ریحانہ۔ ''اس کی خبر تو خدا کو ہوگی یا خود مارشمون کو۔''

امین بے۔ ''لیکن تم کو بھی ضرور معلوم ہونا چاہئے، کیونکہ اس نے تم کو خط لکھا، تم نے اس کو جواب دیا۔ خدا کی قسم مجھے ہرگز خیال نہیں تھا کہ اس کے تم سے اس قدر گہرے تعلقات ہوں گے۔''

ریحانہ۔ ''مارشمون سے میری جان پہچان تقریباً تین سال سے تھی۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ نیقیہ میں محض مجھ سے ملنے آیا تھا۔''

امین بے۔ ''تو تم اس بات کو تسلیم کرتی ہو؟''

ریحانہ۔ ''بیشک!''

اس وقت امین بے کو مارشمون کی وہ باتیں یاد آئیں جو اس نے اس روز رات کو لندن میں کہی تھیں جب امین بے نے اس کے گھر جا کر ملاقات کی تھی۔ اور دونوں میں مارجوری کے متعلق بہت دیر تک گفتگو ہوئی تھی۔

ریحانہ۔ ''جان پرنس امین! اب میں تم سے یہ بات چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتی کہ واقعی مارشمون شہر نیقیہ میں محض مجھ سے ملنے آیا تھا، لیکن میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ مجھ میں اور اس میں صرف شناسائی تھی۔ آشنائی ہرگز نہیں تھی۔ محض رسمی واقفیت تھی۔ عشق و محبت کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور بعض معاملات میں واقعی میں مارشمون کے دور اندیشانہ مشوروں کی احسان مند ہوں۔ وہ نہایت مہربان اور خلیق تھا۔''

امین بے۔ ''تو پھر اس کو کس نے قتل کیا؟''

ریحانہ۔ ''اس کی مجھے مطلق خبر نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روز رات کو کوئی دشمن مارشمون کے کمرہ میں پہنچا۔ اور اس پراسرار طریقہ سے اس کی جان لی کہ بڑے بڑے ڈاکٹر حیران ہیں۔''

امین بے۔ ''ایک اخبار کی خبر یہ ہے کہ قاتل اور مقتول دونوں میں ہاتھا پائی ہوئی۔ اسی دوران میں مقتول کو کسی قسم کا دورہ اٹھا اور وہ فوراً جاں بحق ہوگیا۔''

ریحانہ۔ ''نہیں جناب! وہ خود نہیں مرا بلکہ مارا گیا ہے۔ میں اگر چاہتی تو پولیس کو بتا سکتی تھی کہ ایسا خوفناک جرم کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ اور......''

امین بے حیران ہو کر۔ ''تم! تم بتلا دیتیں! تو تم کو ضرور اصلی واقعات معلوم ہیں۔''

ریحانہ۔ ''واقعات تو خاک معلوم نہیں، لیکن میں نے اس قتل کے متعلق ایک نظریہ یا خیال قائم کیا ہے، لیکن یہ نہیں بتا سکتی کہ کس کے ہاتھوں یہ آیا؟

امین بے۔ ریحانہ کی باتوں سے حیران ہو کر اس کی صورت خاموشی کے ساتھ تک رہا تھا۔

بالآخر ریحانہ کچھ دیر کے بعد بولی۔

ریحانہ۔ ''تمہاری ملاقات بھی مسٹر مارشمون سے ہوئی تھی اور تم بھی جانتے تھے کہ وہ نیقیہ میں آیا ہوا ہے۔''

امین بے کچھ توقف کے بعد۔ ''ہاں! میری ملاقات بھی اس سے اتفاقیہ ہوگئی تھی اور یہ ملاقات شنبہ کی صبح کو ہوئی تھی۔ یعنی اس روز جب ہم دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہو چکے تھے۔ میں اس غرض سے نکلا تھا کہ ایک بار پھر تمہاری منت خوشامد کروں' الغرض جب میں اسٹیشن سے ساحل کی طرف جا رہا تھا تو میں نے مارشمون کو دیکھا اور اس کو وہاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے مجھ سے معلوم کیا کہ مس مارجوری بھی رائل ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہیں۔ اور اس بات سے میں خود واقف تھا۔ اس کے بعد ہم دونوں نے ایک جگہ میں چائے پی اور پھر میں اس سے رخصت ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی کسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے لیکن اس سے رخصت ہونے کے بعد تم سے ملاقات کرنے کا خیال تبدیل ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ جب تم مجھ سے کہہ چکی ہو تو پھر تم سے ملنا بیکار ہے، بلکہ میرا ملنا تمہاری ناخوشی کا باعث ہوگا۔ الغرض میں دوسری ٹرین سے مانٹی کارلو چلا آیا۔ اور اس کے بعد فوراً طالیہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ مارشمون نے اپنا نام امین بے نسیم رکھ چھوڑا ہے۔ یا وہ بجائے ہوٹل کے کسی گوشۂ تنہائی میں خفیہ طور پر رہتا ہے۔''

ریحانہ ادھر ادھر دیکھ کر۔ ''ہاں یہی بات تو میری رسوائی کا باعث ہوتی۔ پولیس کیا ہر شخص کو یہی خیال گزرتا جو تم کو ہے۔ یعنی وہ محض میری ملاقات کے لئے نیقیہ آیا تھا۔ اور اس طرح خفیہ طور پر رہتا تھا۔''

امین بے سختی سے۔ ''اور پھر تم کو اس واقعہ سے انکار کیوں ہے؟''

ریحانہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جنگلہ کے سہارے سے لگی کھڑی سوچ رہی تھی۔

امین بے۔ ''کیا تم میرے سوال کا جواب نہیں دے سکتیں؟''

ریحانہ۔ ''میری جان! میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ جو کچھ تم نے اس روز مانٹی کارلو

میں مجھ سے کہا تھا وہ مجھ کو لفظ بہ لفظ یاد ہے، اور جو کچھ تم سے میں نے کہا تھا وہ تم کو بھی یاد ہوگا۔ یعنی جب تم نے مجھ سے اظہار عشق کیا تو میں نے بھی اقرار محبت کر لیا تھا۔''

امین بے۔ ''یہی تو کہا تھا کہ میں بھی تم کو چاہتی ہوں۔ کیا درحقیقت تم مجھے چاہتی ہو، اور اب بھی چاہتی ہو؟''

ریحانہ۔ ''میں نے جو کچھ بھی تم سے کہا تھا وہ بالکل سچ سچ کہا تھا۔ تم ہی دنیا میں وہ واحد شخص ہو جس سے میں سچی محبت کرتی ہوں، پھر تم سے جھوٹ کیوں بولوں؟''

امین بے محبت سے ہاتھ شانہ پر رکھ کر۔ ''تو میری جان! جب یہ حالت ہے تو میرے دل کو کچھ امید نو دلاؤ۔''

لیکن ریحانہ نے اپنا سر ہلا کر اس کے دل پر بجلیاں گرادیں اور دریا کے بہتے ہوئے پانی کی طرف دیکھنے لگی۔

ریحانہ۔ ''میں تو تم سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ کسی قسم کی امید دلانا یا رکھنا محال ہے۔ اب ہم دونوں کو لازم ہے کہ ہجر و فراق کی صبر شکن مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کریں۔ تمہارے لئے رنج و غم اور میرے لئے گمنامی اور تباہی لکھی ہوئی ہے۔''

امین بے۔ ''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

ریحانہ۔ ''بیشک! نہیں سمجھا ہوگا، اور سمجھتے کیونکر؟ تم کو واقعات تو معلوم ہی نہیں۔''

امین بے۔ ''تم نے مجھ سے ابھی کہا تھا کہ میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔''

ریحانہ۔ ''وہ بات دوسری تھی، میرا وہ قول مسٹر مارشمور سے تعلق رکھتا تھا۔ یعنی اس کا میری ملاقات کے لئے نیقیہ میں آنا۔''

امین بے۔ ''مارشموں کی ذات بھی ہمارے لئے ہمیشہ ایک راز سربستہ رہی۔ آج تک یہ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کام کرتا تھا۔ ہمارا یہ خیال تھا کہ وہ کسی قسم کا کاروبار کرتا ہے، لیکن درحقیقت وہ بہت امیر آدمی تھا، کیوں تھا یا نہیں؟''

ریحانہ۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔ اور میں یہ خیال کرتی تھی کہ اس کا باپ کافی دولت چھوڑ گیا ہے۔''

امین بے۔ ''اچھا تو میری جان! اب سچ سچ بتلا دو کہ وہ نیقیہ میں کیوں آیا تھا؟''

اس سوال پر ریحانہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئی۔ اس کی طبیعت پر کچھ اضطراب سا محسوس ہونے لگا، لیکن بالآخر وہ بولی۔

''وہ مجھ سے ملاقات کرنے آیا تھا۔''

امین بے۔ ''اس طرح خفیہ طور پر؟''

''ہاں خفیہ طور پر۔'' ریحانہ نے جواب دیا۔

امین بے۔ ''اور پھر وہ تم سے ملا؟''

ریحانہ۔ ''ہاں! میں جا کر اس سے ملی تھی۔''

امین بے۔ ''اس نے اپنا نام امین بے نسیم کیوں رکھا تھا؟'' امین نے سوال کیا۔

''یہ میں نہیں جانتی، تمہارے سر کی قسم مجھے اس بات کا اس وقت تک پتہ نہیں چلا جب تک میں نے اس کے قتل کا حال اخباروں میں نہیں پڑھا۔ میرے نزدیک ابھی تک یہ معاملہ ایک سربستہ راز ہے۔''

☆......☆......☆

امین بے۔ ''یہ تو ایک سربستہ راز ہوا۔ لیکن اس کی موت کا حال تمہیں معلوم ہے، یعنی تم نے مجھے ابھی ابھی بتایا تھا کہ اس کو جس طریقہ سے قتل کیا گیا وہ تم کو معلوم ہے۔''

ریحانہ۔ ''میں مکرتی نہیں۔''

امین بے۔ ''مارشمون کا اس خفیہ طریقہ پر ایک آراستہ و پیراستہ مکان کو کرایہ پر لینا اور پھر اپنا نام بدل کر امین بے نسیم رکھنا، اپنے ذہن میں ضرور کوئی مقصد خفیہ رکھتا تھا۔ ورنہ اگر وہ اپنی شخصیت بھی مخفی رکھنا چاہتا تو بغیر نام بدلے کسی ہوٹل میں ٹھہر سکتا تھا۔''

ریحانہ۔ ''اس نے یہ حرکت یقیناً اس خیال سے کی ہوگی کہ وہ یہاں اپنی موجودگی کو پوشیدہ رکھے۔ ممکن ہے کوئی اس کا دشمن اس کے پیچھے لگا ہو۔''

امین بے۔ ''لیکن اس کے دشمنوں نے اس پر بھی اس کا پتہ لگا لیا اور قتل کر ڈالا۔''

ریحانہ۔ ''بیشک!''

امین بے۔ ''لیکن کیوں؟ اور یہ بھی بتاؤ کہ وہ تم سے یوں خفیہ طور پر کیوں ملنا چاہتا تھا؟''

ریحانہ۔ ''یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا، اس نے مجھے خط لکھا، اور میں اس کے تقاضوں سے اس کے مکان پر جا کر ملی۔''

امین بے۔ ''تم خود اس کے مکان پر جا کر ملیں۔''

ریحانہ۔ ''ہاں۔''

امین بے۔ ''کیا تمہارا اس طرح چھپ چھپا کر اس کے مکان میں تنہا جانا خلاف شان نہیں تھا۔ کوئی بھی شک کر سکتا تھا، شریف زادیاں اس طرح تنہا ماری ماری نہیں پھرا کرتیں۔''

ریحانہ۔ ''اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔''

امین بے۔ ''تمہیں مجبور کر دیا تھا، کیوں؟''

ریحانہ۔ ''وہ مجھ سے مل کر کچھ بات دریافت کرنا چاہتا تھا۔''

امین بے۔ ''اور محض اتنی سی بات کے لئے اس قدر احتیاط برتی گئی؟''

ریحانہ۔ ''ہاں! وہ کہتا تھا کہ احتیاط کرنا نہایت ضروری ہے۔''

امین بے۔ ''اگر وہ چاہتا تو تم سے کہیں باہر مل سکتا تھا۔ اپنے مکان پر کیوں بلایا؟''

ریحانہ۔ ''اس کے دل میں کچھ خوف ہوگا۔ بہر حال اس نے مجھے مجبور کر کے اپنے یہاں بلایا تھا۔''

امین بے۔ ''تمہاری مرضی کے خلاف۔''

ریحانہ۔ ''ہاں! میری مرضی کے خلاف، میں نے اس سے کہا تھا کہ یہاں سے آگے کسی جگہ سڑک پر آملو، لیکن اس نے انکار کر دیا اور مجھ کو اپنے مکان پر بلایا۔ مجبور ہو کر میں وہاں گئی اور اس کو اس طرح گوشۂ گمنامی میں پڑا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ لیکن اس نے مجھے بتایا کہ اس قسم کی احتیاط کی سخت ضرورت تھی۔ اس کا تمام وقت کتابیں پڑھنے میں گزرتا تھا، لیکن یہ بات مجھے معلوم نہ تھی کہ اس نے اپنا نام امین بے نسیم رکھ چھوڑا ہے۔''

امین بے۔ ''لیکن اس طرح نام بدلنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ اس نے میرا نام کیوں غصب کیا تھا؟ یقیناً اس میں کوئی گہرا مقصد پوشیدہ تھا۔''

ریحانہ۔ ''اس وقت ہم کو یہ خبر نہیں تھی کہ تم بھی مانٹی کارلو میں ہو۔ ہم تو تمہیں انگلستان میں سمجھتے تھے۔''

امین بے۔ ''یہ سچ ہے، لیکن سوال تو وہی قائم رہا کہ اس نے میرا نام کیوں استعمال کیا؟ تم یہ کہتی ہو کہ اس نے تمہیں اپنے مکان پر جبراً بلایا۔ یقیناً اس کا یہ فعل شرافت کے خلاف تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تم پر کچھ دباؤ ضرور تھا۔''

ریحانہ۔ ''ہاں ایک معنی میں تو ضرور دباؤ تھا۔ میں اس کے اس تقاضہ سے انکار نہیں کر سکتی تھی کہ مجھ سے ملو۔''

امین بے۔ ''اور اس نے تم سے پوچھا کیا تھا، وہ بھی بتاؤ۔''

ریحانہ۔ ''خدا کے لئے وہ نہ پوچھو، اس کا تعلق میری ذات خاص سے ہے۔''

امین بے۔ ''نہیں نہیں، ریحانہ! صاف صاف اور سچ سچ بتاؤ۔ کیا مسٹر مارشمون تمہارا چاہنے والا نہیں تھا۔ یعنی کیا مارشمون وہی شخص نہ تھا جس سے تم نے شادی کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔''

اس کا جواب ریحانہ نے کچھ نہ دیا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا، لیکن رات کی تاریکی نے ان تمام تغیرات پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ وہ خاموش کھڑی تھی، اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ امین بے کے ہاتھ میں تھا، اور اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

☆......☆......☆

سر ہنری قیطون بن حام سیاسی حلقوں میں بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے، اس لئے یہ تینوں ہر جگہ مدعو کئے جاتے تھے۔ الغرض ان کو محافل رقص وسرور، جلسہ ہائے عیش ونشاط، پارٹیوں، ضیافتوں، اور سیر سپاٹے، اسے ایک دن بھی فرصت نہ ملتی تھی، اور ان کی طرف سے بھی آئے دن لوگوں کے لئے جلسے اور پارٹیاں کی جاتی تھیں۔ مارجوری کی لامحدود دولت مسز قیطون کے ہاتھ میں تھی اور وہ جس طرح جی چاہتا تھا خرچ کرتی تھی۔ الغرض ان کے لئے دن عید اور رات، شب برات تھی۔

جولائی کا مہینہ ہے۔ رات کا وقت اور آسمان کا نیلگوں شامیانہ سلمہ ستاروں سے مزین

سر پر تنا ہوا ہے۔ گراسوینز اسکوائر کی سڑک کے مغربی جانب جو آہنی جنگلہ نصب ہے، وہاں شاندار کاروں کی ایک لمبی قطار کھڑی ہوئی ہے۔ چونکہ اب ایوان پارلیمنٹ کے اجلاس ملتوی ہونے والے ہیں، اس لئے آج کاؤنٹس چلٹن ہیم اپنا آخری سیاسی جلسہ منعقد کر رہی ہیں۔ جماعت مخالف حکومت کے اکثر ممتاز ممبر مع اپنی بیویوں اور لڑکیوں کے جمع ہیں۔ اور کاؤنٹس کے عالی شان محل کا بڑا ہال راجہ اندر کا اکھاڑا نظر آ رہا ہے۔ اور میزبان کاؤنٹس نہایت مصروفیت کے ساتھ تتلی کی طرح ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر اٹھلائی ہوئی پھر رہی ہے۔

بلورین جھاڑ فانوس سے آراستہ بڑے کمرہ میں ہزاروں سیاسی مسائل پر گفتگو ہو رہی ہے، اور حکومت کے خلاف نہ معلوم کیا کیا منصوبے قائم کئے جا رہے ہیں۔ بہت سی نوجوان نواب زادیاں تاج ونیم تاج، زرق برق پوشاکیں پہنے اور زر و جواہر میں غرق فردوس نظر بنی ہوئی ہیں۔

حسین و خوب صورت خواتین کے جلسہ میں بہت سے خوبصورت نوجوان بھی شریک ہیں۔ جنہوں نے اگرچہ میدان سیاسیات میں چند روز ہی سے قدم رکھا ہے، لیکن ان کی قابلیتیں زبان زد عام ہوگئی ہیں۔ سب کے سب مہ جبینوں کی شمع حسن و جمال پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے ہیں، ان میں ایک خاص شخص ہے، جس کے حال پر آجکل وزارت خارجہ کی نگاہ کرم خاص طور پر منعطف ہو رہی ہے اور اس وقت یہ شخص تین حسین مہ جبین نواب زادیوں سے مصروف کلام ہے۔ جو مسکرا مسکرا کر اس کے خرمن دل پر بجلیاں گرا رہی ہیں۔

اس وقت یہ شخص شام کے رسمی لباس میں ہے، لیکن اس کے سر پر سرخ رنگ کی ٹوپی ہے۔ اس کا چہرہ اگرچہ بلحاظ خد و خال خوبصورت تھا، لیکن اس کا رنگ پھیکا تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ تھیں۔ جن کی ایک ایک حرکت سے سو سو معنی پیدا ہوتے تھے۔ وضع وقطع و اطوار اور گفتگو سے وہ نہایت پسندیدہ تھا اور نہایت صحیح و فصیح انگریزی بولتا تھا۔

الغرض اس سال لندن میں یہ شخص بھی خاص طور پر لوگوں کی نظروں میں چڑھا ہوا تھا۔ وہ مصری تھا اس کی کثیر دولت نے لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا اور اس وقت سوائے حذیوں مصر کے اس کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا تھا۔ یہی شخص بطرس غالی بے مصر کا قبطی سرمایہ دار تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس پر دل و جان نثار کرتی تھیں۔ اس کی زبان سے پھول جھڑتے تھے

اور اس کے لب و لہجہ میں دلفریبی تھی۔ الغرض صورت شکل، اطوار اور مال و دولت نے اس کو لوگوں کی آنکھوں کا تارا بنا رکھا تھا، آج کل جس طرح جاڑوں کے زمانہ میں انگلستان کے لوگ مصر کی سیر کو جاتے ہیں، اسی طرح گرمیوں میں لندن کے عیش خانوں میں متمول مصریوں کا بھی تپاک سے خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ الغرض نہ معلوم بطرس غالی بے میں کیا کشش ہے کہ خوبصورت عورتیں اور لڑکیاں اس پر مری جاتی ہیں۔

بطرس بے کے متعلق مختلف قسم کی روایتیں بیان کی جاتی تھیں۔ کوئی اس عالیشان محل کی تعریف کرتا تھا جو دار الشمس میں تھا اور کہتا تھا کہ مکان کیا ہے گویا الف لیلہ والے الہ دین کا محل ہے۔ کوئی اس کی اس دخانی تفریحی کشتی کی تعریف میں رطب اللسان تھا، جو بندرگاہ اسکندریہ میں لنگر انداز رہتی تھی، اور جو بلحاظ عظمت وشان حذیوں مصر کی کشتی سے بھی بڑی تھی۔ کوئی اس عزت و وقعت کا ذکر کرتا تھا۔ جو بطرس بے کی گورنمنٹ برطانیہ کے دل میں تھی۔

تینوں نواب زادیاں جن کے صراحی دار گلے جواہرات سے جگمگا رہے تھے۔ بطرس بے کے ساتھ لطف گفتگو اٹھا رہی تھیں اور اس کی بات بات پر خوش ہو کر ہنس دیتی تھیں۔ بطرس بے کا روکھا پھیکا چہرہ بھی عجیب دلکشی رکھتا تھا۔ اور خصوصاً اس کی سرخ تربوش ٹوپی کی وجہ سے تو اس پر تمام حاضرین جلسہ کی نگاہ پڑتی تھی۔

دنیا جانتی تھی کہ اگرچہ اس کو لندن میں آئے ہوئے صرف ایک مہینہ گزرا ہے لیکن اس نے آتے ہی دریائے نیل کے اس زبردست اور عظیم الشان بند کی گارنٹی دی جو مقام اصناء میں بنایا جاتا تھا۔ فن انجینئری کا یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ تھا کہ اس کے ذریعہ سے کروڑوں ایکڑ افتادہ صحرائی زمین کی آبپاشی ہو سکتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت مصر بھر میں سوائے ہز ہائینس حذیوں کے بطرس بے سے زیادہ کوئی شخص متمول اور طاقتور نہ تھا۔

اس وقت حاضرین جلسہ میں سے ہر شخص کی نگاہ بطرس بے کی طرف تھی۔ عورتیں اس کے حسن و جمال پر زلیخا وار مٹی جاتی تھیں۔ لیکن بعض بعض نسوانی حلقوں میں یہ چہ میگوئیاں بھی ہوتی تھیں کہ نہ معلوم اس کی کتنی بیویاں ہوں گی، کیونکہ افواہ تھی کہ وہ کئی حرم کا مالک ہے، لیکن جس قدر توجہ اس کی طرف صنف نازک کی ہو رہی تھی اس کو دیکھ کر بہت سے نوجوانوں کو رشک و

حسد پیدا ہوتا تھا۔

اتنے میں بطرس بے سے ایک چوتھی خاتون جو ایک لاٹ صاحب کی بیوی تھیں۔ آ کر باتیں کرنے لگیں۔ یہ چند بار مصر کی سیر کر چکی تھیں اور عرصہ تک الصوان میں قیام کیا تھا۔

خاتون۔ ''کیا آپ کا ارادہ مصر جانے کا ہے؟''

بطرس۔ ''جی ہاں بہت جلد، صرف چند روز میں مجھے مصر جانا پڑے گا، کیونکہ وہاں بند کی تعمیر کے متعلق مجھے بہت کچھ انتظامات کرنے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس جدید اسکیم سے میرے وطن عزیز کو بے حد فائدہ پہنچے گا۔ بحیثیت ایک سچے مصری کے مجھے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوتی ہے کہ اب اہل انگلستان بہ تعداد کثیر مصر جا کر سیر و سیاحت کرتے ہیں اور وہاں پہنچ کر مصریوں کے حالات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح دونوں قوموں میں محبت بڑھے گی۔ اور دونوں کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچے گا۔''

الغرض اسی قسم کی باتیں بطرس بے ان نازنینوں سے کر رہا تھا، کہ اتنے میں ایک دوسرے مشہور و معروف لاٹ صاحب کی بیگم اودالباس پہنے اس کے پاس سے گزری، اور دیکھ کر مسکرائی۔

اس وقت کم از کم تمام لڑکیاں بطرس بے کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ گزشتہ مہینہ میں جس قدر جلسے اور پارٹیاں لندن کے طبقۂ امراء میں ہوئیں ان میں وہ ضرور مدعو کیا گیا تھا۔ بعض لڑکیاں جو اس کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی تھیں، اور جن کے منہ میں اس کی دولت بے قیاس کا حال سن کر پانی بھر آتا تھا یہ بھی پوچھ بیٹھتی تھیں۔ ''کیا آپ کی شادی ہو چکی ہے؟''

اتنے میں ایک بیگم صاحبہ لچکتی مٹکتی تشریف لائیں اور اپنے ساتھ والی ایک نوخیز حسینہ کی طرف اشارہ کر کے جو اس وقت گلابی ریشمی لباس میں تھی بولیں۔

''بطرس بے! میں اپنی لڑکی کا آپ سے تعارف کرانا چاہتی ہوں۔''

بطرس نے جھک کر آداب کیا اور بڑھ کر ہاتھ ملایا اور پھر متبسم ہو کر بولا۔

''واللہ! اس وقت آپ کی دلربا صورت دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل میں سرور پیدا ہو گیا۔''

انگریزی رسم و رواج اور آداب صحبت اس شخص نے انگلستان میں رہ کر سیکھے تھے۔ بعض مرد اس ہال میں ایسے بھی تھے جو تعصبات نسلی کی وجہ سے اس وقت بطرس بے کو دیکھ دیکھ کر جل رہے تھے۔ اور اگر ان کا بس چلتا تو ضرور بطرس کو گردن سے پکڑ کر کمرہ سے باہر نکال دیتے، لیکن اس پر بھی یہ غضب تھا کہ جس قدر عورتوں کی توجہ اس متمول مصری کی طرف ہو رہی تھی اتنی اپنی قوم کے کسی مرد کی طرف نہیں تھی۔

اتنے میں اس طرف سے سر ہنری قیطون بن حام گذرے جن کو دیکھ کر لاٹ صاحب کی بیوی نے فرمایا۔

''دیکھئے جناب! آپ اب سر ہنری قیطون بن حام سے ملاقات فرمایئے۔ آپ ملک مصر سے خوب واقف ہیں۔ آپ عالم مصریات میں اور وہاں کے آثار قدیمہ کے معائنہ کا آپ کو بے حد شوق ہے۔ میں آپ سے تعارف کراتی ہوں۔''

الغرض بطرس بے اور سر ہنری نے مسکرا کر مصافحہ کیا۔

اس وقت مارجوری بھی برابر کے کمرہ میں موجود تھی، اس نے کپاسی رنگ کے ریشمی چکن کا جوڑا پہن رکھا تھا اور ان عجیب و غریب جواہرات اور قدیم تعویذوں کا ہار اس کے گلے میں تھا جو اس کے والد نے اس وقت حاصل کئے تھے جب وہ فلائی یا جزیرۂ لیریہ میں آئی سینس دیوی کا مندر کھود کر نکال رہے تھے۔ جب کبھی وہ اس ہار کو پہنتی تھی تو لوگ اس کی ندرت کو دیکھ دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے تھے۔ اور الماس و یاقوت وغیرہ کے تراشے ہوئے چھوٹے چھوٹے بتوں کی نسبت سوال کیا کرتے تھے جو اس ہار میں آویزاں تھے اور جواب سے تین چار ہزار سال پیشتر نہ معلوم کس حسین و جمیل دیوی کی داسی کے زیب گلو تھے۔

جب مارجوری کمرہ میں داخل ہوئی تو اس نے بطرس غالی بے کو نہیں دیکھا تھا، لیکن وہ دفعتاً مڑی تو دونوں کا سامنا ہو گیا۔ پہلے تو وہ کسی قدر سٹ پٹائی اور پیچھے کو ہٹ گئی۔ لیکن بطرس کی تیز نظروں نے اس کو دیکھ لیا۔ وہ سیدھا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بطرس کی صورت دیکھتے ہی مارجوری کا رنگ فق ہو گیا اور اس کا سر چکرانے لگا۔

اتنے میں سر ہنری قیطون بن حام نے مارجوری کو پکارا اور بطرس بے سے تعارف کرانا

چاہا۔ ان کی آواز سن کر اس نے سخت کوشش کر کے اپنی حالت کو درست کیا۔ آگے بڑھی جھک کر آداب کیا لیکن اس وقت بطرس بے نے بھی ایسا رویہ رکھا گویا وہ مارجوری کو قطعی نہیں جانتا تھا۔ مارجوری نے سنا تھا کہ وہ ایک ماہ سے لندن میں ہے۔ لیکن پھر کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ وہ ایک ہفتہ ہوا پیرس چلا گیا ہے۔

سر ہنری۔ ''آپ کے ملک مصر سے مس مارجوری کولیر خوب واقف ہیں، اور اسی سال موسم سرما میں تو وہ ہم میاں بیوی کے ساتھ وادی حلفاء تک پہنچی تھیں۔''

بطرس۔ ''وادی حلفاء تک! تو یہ فرمائیے کہ آپ صاحبان نے ابوسمبل کے مشہور و معروف آثار کی خوب سیر کی ہوگی۔ اور آج کل جو وہاں قدیم شہر بہینی میں کھدائی ہو رہی ہے وہاں بھی گئے ہوں گے۔''

مارجوری۔ ''جی!''

اس وقت گفتگو کرنے میں مارجوری کو اپنی تمام قوتوں سے کام لینا پڑا۔ ابوسمبل کا نام سنتے ہی وہ ہولناک واقعات اس کی نظروں کے سامنے پھرنے لگے جو اس بدمعاش بڈھے ابراہیم فرید کے ساتھ گزرے تھے۔ جو خود کو خداوند رع کا واحد پرستار اور اکیلا آفتاب کا پرستار بتاتا تھا۔

بطرس۔ ''میں گزشتہ فروری میں اپنے خوبصورت بجرے میں سوار ہو کر الصوان تک گیا تھا۔ لیکن چونکہ مجھ کو قاہرہ میں نہایت ضروری کام تھا، اس لئے مجبور ہو کر ریل میں واپس آنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی الصوان کے آبشار ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔''

مارجوری۔ ''جی ہاں! ایک مرتبہ آبشار ہوٹل میں اور دوسری مرتبہ سیوائے ہوٹل میں ٹھہرے، سیوائے ہوٹل مجھے بہت پسند آیا۔''

بطرس۔ (گلے میں قدیم ہار دیکھ کر) ''اوہو! مس کولیر صاحبہ! یہ تو آپ اپنے گلے میں پرانے زمانے کے طلسم اور تعویذ پہنے ہوئے ہیں۔ ان سے ہمارے ملک کا قدیم مذہب اور ان لوگوں کے قدیم دیوتا ظاہر ہوتے ہیں۔ واللہ دیکھئے کس قدر خوبصورت چیز ہے۔''

مارجوری کے چہرہ پر شرم سے کسی قدر سرخی دوڑ گئی اور اس نے معنی خیز نگاہ غلط انداز سے

بطرس بے کی طرف دیکھا جس کو سر ہنری قیطون نہ سکے۔

بطرس غالی بے اس ہار کو پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھ چکا تھا، لیکن یہاں وہ اپنی قطعی اجنبیت ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور کوئی بات ایسی نہیں کرتا تھا جس سے مارجوری کی بات پر کوئی حرف آئے۔ الغرض دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں گویا وہ پہلی بار ملے تھے۔

بطرس۔ (مسکرا کر) ''واللہ! ایسے اشخاص سے نیاز حاصل کر کے مجھے بے حد خوشی حاصل ہوتی ہے جو میرے وطن عزیز کو پسند کرتے ہیں۔ اور جو قدیم خزائن وہاں کروڑوں من خاک کے نیچے دفن ہیں ان میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ہر سال اتنے انگریز مصر کی سیاحت کرتے ہیں، لیکن بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو قدیم کھنڈروں اور قدیم مندروں تک پہنچنے کی تکلیف گوارا کریں۔ میرے خیال میں وہ لوگ قاہرہ الصوان، اور الاقصر کے ہوٹلوں میں رنگ رلیاں منانے اور داد عیش و کامرانی دینے جاتے ہیں۔ اور ہم اہل مصر حیران ہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں، کیونکہ جس قدر روپیہ وہ لوگ وہاں برباد کرتے ہیں اس سے وہ گھر بیٹھے بھی خوب مزے اڑا سکتے ہیں، بلکہ شاید خرچ بھی نصف برداشت کرنا پڑے۔''

سر ہنری۔ ''مصارف کی کیا پرواہ ہے، لیکن دراصل سردی کے موسم میں انگلستان کے اندر مصر جیسی خوشگوار اور روح افزا آب و ہوا میسر نہیں آ سکتی وہ الصوان کا صاف مطلع، روشن دن، تاروں بھری راتیں، نسیم عنبر کے جھونکے۔ وہ یہاں کہاں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر انگریز مرد و عورت کو آپ کے ملک کی سیر کرنے میں ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔''

بطرس بے نے اپنے ملک کی تعریف سن کر سر ہنری کو جھک کر آداب کیا۔ پھر اس کے بعد مارجوری کی طرف ایک معنی خیز نگاہ سے دیکھ کر کہا۔

''جب انگریز اہل مصر کو اچھی طرح جان جائیں گے تو وہ خود بخود ان کے مداح ہو جائیں گے۔''

لیکن مارجوری نے اس بات پر کچھ التفات نہ کی اور وہ ایک خاتون کی طرف دیکھ کر جو ایک سابق وزیر کی بیوی تھی مسکرائی۔

اس کے بعد بطرس بے نے موضوع گفتگو بدلا اور سیاسی معاملات پر بات چیت ہونے

لگی۔ موضوع بحث ایک ایسا مسئلہ تھا جو مصر کے انگریزی تسلط اور نظم ونسق سے تعلق رکھتا تھا۔ انگریزوں کے خلاف جو مظاہرے اسکندریہ میں ہوئے تھے، ان پر بھی اظہار ناخوشی کیا۔ اس گفتگو میں وہ خاتون بھی شریک تھیں جنہوں نے بطرس بے کو سر ہنری قیطون سے متعارف کرایا تھا۔

اس لیڈی نے اس وقت کی وہ گھبراہٹ اچھی طرح دیکھی تھی جو مارجوری پر بطرس بے سے تعارف کرتے وقت ظاہر ہوئی تھی۔ اور وہ اس وقت سے لگاتار مارجوری پر غور کی نگاہیں ڈال رہی تھی۔ اس وقت مارجوری کی حالت کسی قدر درست ہوگئی تھی۔ رخساروں پر قدرتی رنگ عود کر آیا تھا، لیکن اب وہ یہ چاہتی تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے وہ اپنے جائے قیام پر واپس چلی جائے۔ لیکن ساتھ ہی اس کو یہ بھی خیال آیا کہ اس طرح اچانک طور پر بھرے جلسہ سے غائب ہو جانا لوگوں کے دلوں میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کر دے گا۔ اس لئے وہ غریب مجبوراً بطرس بے کے پاس کھڑی رہی۔ اور جب کبھی کوئی بات ہوتی تھی تو اجنبیوں کی طرح جواب دے دیتی تھی۔

لیکن مارجوری کے دل میں اس وقت تلاطم خیز جذبات پیدا ہو رہے تھے اور مختلف قسم کے خیالات آرہے تھے۔ وہ سوچتی تھی کہ دولتمندی بھی کیا غضب کی چیز ہے۔ اس وقت بڑے بڑے لوگ اس مصری سے کس قدر بے تکلفانہ گفتگو کر رہے ہیں اور بڑی بڑی عزت دار اور حسین عورتیں اس کو کس قدر میٹھی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔ لیکن اگر ان کو اس شخص کی اندرونی یا معاشرتی حالت معلوم ہوتی یعنی جو کچھ مارجوری سے حسان ابن الملک نے اس نوجوان بدنصیب لڑکی کے قتل کی نسبت بیان کیا تھا، جس کو بطرس بے نے اپنے بجرہ میں سے گرا کر دریائے نیل میں غرق کر دیا تھا، تو اس وقت نہ معلوم یہ معزز لوگ اس پاجی مصری سے کس قدر نفرت کرتے نظر آتے۔

بہر حال مارجوری اس کو سخت نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ اور بنی نوع انسان کے لئے اس کے وجود کو ملعون ومردود تصور کرتی تھی۔ اس کے دل میں تو آیا کہ بھرے جلسہ میں بطرس بے کی ناشائستہ حرکتوں کا راز فاش کر دے، لیکن پھر کسی خیال سے خاموش رہ گئی۔

بطرس بے بھی سرد وگرم زمانہ چشیدہ اور گرگ باراں دیدہ تھا، اور وہ اپنی زبردست فراست

سے مارجوری کے خیالات کو سمجھ گیا، لیکن وہ ایک خاص تکبر اور نخوت کے ساتھ مسکرایا۔ وہ جانتا تھا کہ مارجوری اس کی مکاریوں کے پھندے میں اسی طرح پھنسی ہوئی ہے، جیسے کوئی خوبصورت تتلی کسی شوخ بچہ کی مٹھی میں۔

بطرس بے کے پھندے سے نکل بھاگنے کے لئے نہ معلوم مارجوری کتنی بار تڑپ چکی تھی، اور نہ معلوم وہ اس کی ناکامیوں پر کتنی مرتبہ حقارت سے ہنس چکا تھا۔ اس کے نزدیک ایک خوبصورت عورت کوئی زیادہ وقت نہیں رکھتی تھی۔ اس کے نزدیک خوبصورت نوجوان لڑکیاں محض کھلونا تھیں جن سے جب تک جی چاہا کھیلا اور جب جی چاہا توڑ دیا۔ الغرض اس کے نزدیک عورت ایک بے حس اور غیر ذی روح چیز تھی۔ مارجوری بھی خوب جانتی تھی۔ جو شخص اس وقت نہایت ملائم اور سلیقہ واخلاق سے گفتگو کر رہا ہے وہ ایک کھجور ہے، جس کے بظاہر شیریں اور ملائم خول کے اندر پتھر کی طرح سخت گٹھلی موجود ہے۔ وہ ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔

وہ جانتی تھی کہ یہ وہ ظالم شخص ہے جس نے لاکھوں مصری کسانوں کو تباہ کر کے اپنی بے قیاس دولت جمع کی ہے۔ وہ خوب جانتی تھی کہ بطرس بے دل کا قصائی ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ مصر میں اس سے زیادہ طاقتور اور متمول کوئی نہیں ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ برطانیہ کی زر پرست حکومت جو اس کی اس قدر آؤ بھگت کر رہی ہے وہ محض اس کی دولت کی وجہ سے ہے۔

مارجوری کا ارادہ ہوا کہ وہ اس کمرہ سے چپ چاپ نکل جائے۔ لیکن میزبان خاتون نے اس کو روک لیا۔ سر ہنری بھی ایک دوسرے شخص سے باتیں کرنے لگے تھے۔ لیکن وہ پھر آگے بڑھی اور زینہ کے قریب پہنچی ہی تھی کہ بطرس بے اس کے پاس سے جھپٹ کر گزرا، رکا، مسکرایا، اور جلدی سے عربی زبان میں کہا۔

بطرس آہستہ سے۔ ”کل دوپہر کے وقت، لازمی طور پر انگھم ہوٹل میں آنا۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں، دیکھو آنے میں ہرگز بھول نہ ہو سمجھ لیا؟“

اس وقت اتفاق سے ایک شخص نے یہ غیر زبان سنی تو وہ حیران ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

مارجوری نے بھی یہ نادری حکم سنا۔ یہ اس شخص کا فرمان تھا جس نے مارجوری کو غلام بنا رکھا تھا۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس حکم کے ایک ایک حرف کی تعمیل کرنی پڑے گی، وہ آگے بڑھی، زینہ سے اتری اور چشم زدن میں مسز قیطون کے پاس پہنچیں۔

☆......☆......☆

جس وقت مارجوری ہوٹل پہنچیں ہی تو خادم نے لانگھم ہوٹل کے ان کمروں کا دروازہ کھول دیا جو شاہانہ ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ بطرس غالی بے کے لئے مخصوص تھے۔ کمرہ میں داخل ہوتے ہی مارجوری نے خود کو بطرس کے سامنے پایا۔

اس وقت مارجوری سادہ لیکن عمدہ وضع قطع کا نیلگوں لباس پہنے تھی۔ اور لباس کی یہ سادگی ہی اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔

بطرس بے ایک کھلی کھڑکی کے سامنے آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا اخبار بینی کر رہا تھا۔ مارجوری کو دیکھتے ہی وہ اخبار رکھ کر کھڑا ہو گیا اور کھڑکی پر پردہ ڈال دیا۔

بطرس۔ ''میری جان ریحانہ تم آ ہی گئیں۔''

ریحانہ۔ ''جی ہاں حاضر کیوں نہ ہوتی! لیکن یہ تو فرمائیے کہ آپ مجھ سے چاہتے کیا ہیں۔''

بطرس مسکرا کر۔ ''میں صرف آپ کے دیدار پر انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرنا چاہتا تھا۔ اور جب تک میں یہاں لندن میں ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ وقتاً فوقتاً مجھ کو یہ شرف عطا فرماتی رہیں گی۔ دیکھئے کچھ عرصہ سے میں نے آپ کو کوئی تکلیف نہیں دی۔''

ریحانہ۔ ''میں سمجھتی تھی کہ آپ اپنی زبان کے پابند مرد ہوں گے۔ اور جو کچھ آپ مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں اسے وفا کریں گے۔''

بطرس۔ ''ہاں! میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کو لوگوں کی نظروں میں حقیر نہ کروں گا۔ دیکھئے میں نے کوئی حرکت ایسی نہیں کی جس سے آپ پر کوئی حرف آ سکے۔ کل رات بھی میں اجنبی بنا رہا۔''

ریحانہ۔ ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو میں دنیا بھر کے سامنے تمہارے کرتوت کا بھانڈا

پھوڑ دیتی، میں جانتی ہوں کہ تم نے مجھے یہاں صرف تنگ کرنے کے لئے طلب کیا ہے۔ تم ایک نیم وحشی مصری ہو۔ تم کو میری عزت و آبرو یا میرے نام سے کیا کام؟ اگر واقعی تمہارے دل میں میرا کوئی خیال ہوتا تو تم مجھے ہرگز یہاں اس ہوٹل میں طلب نہ کرتے۔''

''نیم وحشی مصری'' کے لفظ نے بطرس بے کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ وہ مارے غصہ کے بید کی طرح کانپنے لگا۔ اس سے زیادہ بطرس غالی بے کے لئے اور کوئی گالی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ نہایت اعلیٰ وضع کا تعلیم یافتہ، مہذب اور یورپین آداب صحبت سے واقف شخص تھا۔ اگر چہ وہ عیسائی اور قبطی تھا، عرب نہیں تھا۔ لیکن مصری تو تھا۔ اس لئے مارجوری کے الفاظ اس کے دل پر تیر و نشتر بن کر لگے۔ قومی تعصبات کو تحریک ہوئی، اور جس انگلستان کو وہ اپنے ملک کا نجات دہندہ سمجھتا تھا اب اس کو وہ نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا، اور انگریزوں کا ایسا ہی دشمن ہو گیا، جیسا کسی زمانہ میں مہدی سوڈانی تھا۔

لیکن اس وقت بھی بطرس بے نے متانت اور خودداری سے کام لیا، اور سگریٹ پیتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''سچ ہے۔ میں واقعی ایک نیم وحشی قبطی ہوں، خدا تمہارا حسن و ناز دوبالا کرے اور جو کچھ جی چاہے کہہ لو۔''

لیکن نتیجہ وہی ہوگا، اور ہمیشہ وہی ہوگا۔ تم ہر چند کوشش کرتی ہو کہ جس رشتہ نے ہم دونوں کو وابستہ کر رکھا ہے اس کو توڑ ڈالو۔ لیکن ہمیشہ ناکام رہیں۔ تم سے پہلے اور نازنینیں بھی ایسا کر چکی ہیں، لیکن سب ناکام رہیں، اسی طرح تم بھی ہمیشہ ناکام رہو گی۔''

ریحانہ۔ ''تم نے ابو سمبل میں یہ سازش کی تھی کہ مجھے دغا و فریب سے اپنے بجرہ میں لے بھاگو۔ تم مجھ سے ایک سخت انتقام لینا چاہتے تھے میں سب جانتی ہوں۔''

بطرس طنزاً ہنس کر۔ ''آخر تو میں ایک نیم وحشی مصری ہوں۔''

ریحانہ۔ ''تم کو یہاں کے لوگ فرعون مصر بلکہ مصر کا محسن اور نجات دہندہ خیال کرتے ہیں۔ تم اس بند کی تعمیر کا روپیہ ادا کرو گے جس سے ملک زرخیز ہو جائیگا۔ اور ہزار ہا مصر کے زراعت پیشہ لوگوں کو روٹی نصیب ہوگی۔ لیکن تمہارا اصل مقصد یہ ہے کہ اس بند کی آڑ میں

کروڑوں روپیہ اپنی جیب میں ڈالو۔ اور جس طرح سودی روپیہ چلا کر تم غریب کسانوں کا خون چوس رہے ہو اسی طرح فاقہ کش مزدوروں کا پیٹ کاٹ کر اپنی تجوریاں بھرو۔ لیکن یاد رہے۔ سو دن چور کے تو ایک دن شاہ کا بھی ہوتا ہے۔ تم گورنمنٹ برطانیہ کی آنکھوں میں ہمیشہ خاک نہیں جھونک سکتے۔ یہاں کے ارباب اختیار بھی چلتے پرزے ہیں۔ ہوا کو پہچانتے ہیں۔ وہ بہت جلد تمہارے فریب سے آگاہ ہو جائیں گے۔''

بطرس۔ ''میرے کاروبار کا تعلق آپ کی ذاتی بحث سے نہیں ہے۔ اور نہ آپ کو میرے کاروباری معاملات سے کوئی واسطہ۔ میں نے آپ کو صرف اس لئے طلب کیا ہے کہ میں آپ سے چند باتیں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو گالیاں سننے کے لئے نہیں بلایا۔''

ریحانہ۔ ''یاد رہے آج جو تم اس طرح فرعون مصر بنے پھر رہے ہو۔ یہ سب میرے باپ کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ انہوں نے تم پر رحم کھا کر اپنے خرچ سے تم کو انگلستان میں تعلیم دلائی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج تم مصر کی گلیوں میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے۔ یا الاقصر و الصوان کے ہوٹلوں میں خدمتگاری کرتے۔''

ریحانہ کی جلی کٹی باتیں سن کر بطرس بے غضب سے ہونٹ چبانے لگا، اس کو خیال نہیں تھا کہ آج وہ اس بری طرح برس پڑے گی۔ وہ ہمیشہ سلیم المزاجی اور متانت سے گفتگو کیا کرتی تھی۔ لیکن آج اس کے سر پر کوئی جن سوار تھا۔ وہ بہت دیر تک غضبناک نظروں سے ریحانہ کی صورت تکتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ ریحانہ قوم سے انگریز ہے، اور اکثر انگریز عورتیں آزاد، خود مختار اور بعض اوقات سرکش و گستاخ ہو جاتی ہیں۔

بطرس بہت چالاک آدمی تھا۔ وہ دفعتاً بات کا پہلو بدل گیا۔ اس کی حالت میں اچانک تغیر واقع ہو گیا، اور وہ ریحانہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا۔

بطرس۔ ''قسم سے جس وقت تم غضب ناک ہوتی ہو تو اور بھی حسین و جمیل نظر آنے لگتی ہو۔ غصہ کی وجہ سے جو یہ گلابی سرخی تمہارے گورے گورے رخساروں پر آ جاتی ہے۔ وہ تمہارے خوبصورت چہرے کو ایک شگفتہ گلاب کا پھول بنا دیتی ہے۔ واللہ! تمہارا غصہ تمہیں زیب دیتا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی گردن کسی قدر ٹیڑھی کر کے ریحانہ کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگا۔ لیکن اس نے نفرت و حقارت سے منہ موڑ لیا۔ وہ قبطیوں کی فطرت سے خوب واقف تھی۔ اس کی عمر مصر میں گزری تھی۔ وہ تمام پاشاؤں، بے اور آفندیوں کی اندرونی زندگی سے واقف تھی۔ وہ مصر کے طبقہ غربا اور کسانوں کے عادات و خصائل اور طرز زندگی سے بھی خوب آگاہ تھی۔ وہ ان کی خوبیاں اور ان کے عیوب جانتی تھی۔ اور یہ بھی جانتی تھی کہ وہ انگریزی تسلط سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔ اور قبطیوں کے مکر و فریب کا تو اس کو خاص طور پر علم تھا۔ اس لئے وہ جو کچھ برتاؤ بطرس بے سے اس وقت کر رہی تھی وہ خوب سوچ سمجھ کر کر رہی تھی۔

بطرس عربی زبان میں۔ ''میں نے سنا ہے کہ آج کل تم نئے دوستوں کے ساتھ خوب رنگ رلیاں منا رہی ہو۔ ہر طرف تمہارے حسن اور تمہارے ناز و انداز کے چرچے ہو رہے ہیں اور کل ہی میں نے تمہارا خوبصورت فوٹو ایک اخبار میں دیکھا تھا۔''

ریحانہ۔ ''تو کیا ان باتوں سے تمہارا دل دکھتا ہے؟''

بطرس۔ ''نہیں۔ بلکہ خوشی ہوتی ہے۔''

ریحانہ۔ ''میں جانتی ہوں کہ میری ہر مصیبت سے تم کو خوشی حاصل ہوتی ہے، اچھا اب یہ فرمایئے کہ آپ مجھے اس طرح کب تک پریشان کئے جائیں گے؟''

بطرس۔ ''کون مردود آپ کو تکلیف دینا چاہتا ہے۔ اور آپ کو تکلیف ہی کیا ہے بلکہ میں تو یہ سنتا ہوں کہ آپ کے لئے دن عید رات شب برات ہے۔''

ریحانہ۔ ''جو باتیں مجھے معلوم ہیں ان کو دیکھتے ہوئے میں کیونکر خوش رہ سکتی ہوں؟''

بطرس۔ ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

ریحانہ۔ ''تو پھر میں صاف ہی کہے دیتی ہوں۔ بتلایئے! میرے دل کو اطمینان کیوں کر حاصل ہو، جب میں یہ جانتی ہوں کہ اس مسٹر مارشمون نے جس کو تم نے میرے پیچھے بطور جاسوس لگا رکھا تھا محض اس وجہ سے جان گنوائی کہ وہ مجھ سے ہمدردی کرنے لگا تھا۔''

بطرس۔ ''ہمدردی!''

ریحانہ۔ ''ہاں محض ہمدردی، میں جانتی ہوں کہ وہ تمہارا ایجنٹ، تمہارا گرگا، تمہارا آلۂ کار

اور تمہارا جاسوس تھا، لیکن وہ ایک انگریز تھا۔ وہ تمہاری آنکھیں اور تمہارے کان تھا۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم اس کام کے لئے اس کو کس قدر روپیہ دیا کرتے تھے۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں تم کو پیرس اور لندن کے متعلق کس طرح اطلاعات دیا کرتا تھا۔ اور تم اس کی دی ہوئی اطلاع کے ذریعہ کس قدر دولت کماتے تھے۔ وہ ایک نواب زادہ کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن جب تم نے اس کی ہمدردی میری طرف دیکھی تو تم نے ایک خفیہ ذریعہ سے اس کو موت کی نیند سلا دیا۔''

بطرس رو کھا منہ بنا کر۔ ''نہیں حضور یہ کام میرا نہیں ہے یہ کام اس نوجوان مصری شہزادے کا ہے جو تمہارا عاشق زار ہے۔ جو تمہارے دیدار کے لئے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے، جس پر تم بھی جان دیتی ہو۔ جو تمہارے دل میں بیٹھا ہوا ہر وقت چٹکیاں لیتا ہے۔ وہ شخص جس کا نام پرنس امین بے نسیم ہے۔ یہ کام اس شخص کا ہے۔ وہی اس قتل کے راز کو جانتا ہے، میں کچھ نہیں جانتا۔''

ریحانہ۔ ''مارشمون تمہارا جاسوس تھا۔ وہ ڈھائی برس کامل میری نگرانی کرتا رہا۔ جہاں کہیں جاتی تھی وہ سایہ کی طرح میرے ساتھ ہوتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی مجھ سے اظہار محبت نہیں کیا، اور نہ کبھی مجھ سے ملاقات کی۔ لیکن خدا نے دفعتاً اس کے دل میں میرے لئے رحم پیدا کر دیا۔ اور اس نے مجھ سے مل کر چند خفیہ باتیں بتلائیں۔ اور اس نے......''

بطرس۔ ''ہاں اس نے مجھ سے دغا کیا۔ وہ تم کو چاہنے لگا تھا۔''

ریحانہ۔ ''جھوٹ! بالکل جھوٹ!! وہ ہرگز میرا عاشق نہیں تھا، بلکہ وہ میری بے کسی میں ایک شریف دوست کا کام دیتا تھا۔ اگرچہ وہ تمہارا جاسوس تھا، لیکن شریف دل رکھتا تھا۔''

بطرس۔ ''نہیں اس نے مجھ سے فراڈ کیا۔ وہ تمہارا عاشق بن بیٹھا تھا۔ اور تم بھی اس کی طرف جھکتی نظر آتی تھیں۔''

ریحانہ۔ ''تو گویا یہی وجہ اس کی موت کی ہوئی۔ بطرس غالی جو لوگ تمہارے سامنے پڑتے ہیں تم ان کو راہ سے یوں دور کر دیتے ہو۔''

بطرس۔ ''جی نہیں، اصل بات یوں ہے جیسا کہ میں نے سنا ہے۔ امین بے نسیم مسٹر

مارشمون سے جلنے لگا تھا۔ اور اسی کا نتیجہ وہ پر اسرار قتل ہوا جس نے تمام بقیہ کو حیران کر رکھا ہے۔ واقعی جس وقت مجھ کو بذریعہ تار یہ اطلاع ملی کہ مسٹر مارشمون کی موت اس طرح واقع ہوئی تو اس کا رنج مجھ کو بھی بے حد ہوا تھا۔ وہ میرے بڑے کام کا آدمی تھا۔''

ریحانہ۔ ''اور جب وہ کام کا نہ رہا تو چلتا کر دیا گیا۔ اسی طرح مصر میں بھی اور بہت سے موت کی نیند سلا دیے گئے۔ تمہارا فلسفہ ہے کہ جب کوئی شخص کام کا نہ رہے تو وہ موت کی نیند سلا دیا جائے، اور مجھ کو اپنے سالٹر صاحبان کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جو روپیہ تم نے اس مظلوم کو دیا تھا وہ ایک وصیت نامہ کے ذریعہ سے میرے نام چھوڑ گیا ہے۔''

بطرس۔ ''یہ بھی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ وہ تمہارا عاشق تھا۔''

ریحانہ۔ ''عاشق واشق کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تمہارے پھندے میں پھنسی ہوئی ایک بے کس اور مظلوم لڑکی سے ہمدردی کرنے لگا تھا۔ ذرا اس مظلوم لڑکی کا خیال کرو، جسے تم نے گزشتہ سال بجرہ پر سے گرا کر دریائے نیل میں غرق کر دیا تھا۔ اس کا خون تمہارے سر ہے۔ اس کی بے قرار روح انتقام کی خاطر تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے۔ خدا کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ اگرچہ دیر گیر ہے مگر سخت گیر ہے۔ دربار عدل و انصاف گرم ہونے والا ہے۔''

بطرس۔ ''آپ کی اس داستان امیر حمزہ کا مطلب کیا ہے؟''

ریحانہ۔ ''مطلب یہ ہے کہ تم نے اس غریب لڑکی کو عمداً دریا میں غرق کیا تھا اور تمہارے خلاف ایک گواہ بھی موجود ہے۔''

بطرس بے نے سگریٹ کا ٹکڑا کھڑکی سے نیچے پھینک دیا اور انگلیاں چٹخانے لگا، اور پھر ریحانہ کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھ کر بولا۔

''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس عورت نے اپنے آپ کو خود دریا میں گرا دیا تھا، بلکہ میں نے تو اس کی جان بچانے کی بے حد کوشش کی تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ ڈوب گئی۔''

ریحانہ۔ ''جھوٹ!! قطعی سفید جھوٹ!! وہ بیچاری مدد کے لئے چلاتی رہ گئی، لیکن تم نے نہ بچایا۔ تمہارے ایک ملاح نے اس کی آخری آہ و فریاد سنی بھی تھی۔ اور وہ جانتا ہے کہ وہ مظلوم لڑکی کس طرح تم پر لعنت بھیجتی ہوئی غرق ہوئی تھی۔''

بطرس۔ ''پھر وہ شخص پولیس میں جاکر رپورٹ کیوں نہیں کرتا؟ جائے اور مجھ پر قتل کا الزام لائے۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔

ریحانہ۔ ''انشاءاللہ ان دشمنوں میں سے ایک شخص کسی دن تمہارے خلاف کھڑا ہوگا اور تمہیں کیفر کردار کو پہنچائے گا۔''

بطرس۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ کیونکہ تم انگریز ہو، مہذب اور متمدن ہو، اور میں ایک قبطی، نیم وحشی مصری، تم یوروپین ہو اور میں افریقی، تم روز روشن ہو اور میں شب تاریک، تم حسین و جمیل ہو اور میں بدصورت زنگی اور یہی وجہ ہے کہ میری تم پر اس قدر رجان جاتی ہے۔ تم ہزاروں تو کیا، لاکھوں میں ایک ہو۔ اور یہی باعث ہے کہ میں تم پر اس قدر فریفتہ ہوں، لیکن خدا کا شکر ہے کہ تم میری ہو، کوئی دوسرا شخص تم پر قبضہ نہیں کرسکتا۔

ریحانہ۔ ''گویا تم مجھ کو اپنا مال سمجھتے ہو۔ جس طرح تمہاری تفریحی کشتی ''صباح'' تمہارا مال ہے۔ اور لوگ دیکھ کر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی طرح تم مجھ کو بھی سمجھتے ہو، تم سمجھتے ہو کہ میں حذیو مصر سے بھی زیادہ دولتمند اور صاحب قوت ہوں۔ لیکن ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جب کہ مصر کا بچہ بچہ تمہارے زوال اور تمہاری تباہی و بربادی پر تالیاں بجائے گا۔ اور میں تم کو یہ بھی جتائے دیتی ہوں کہ تم نے جو یہ جدید بند تعمیر کرنے کی اسکیم تیار کی اور جس سے تم نے برطانوی وزارت خارجہ اور انگریزی قوم کو اس طرح سبز باغ دکھایا ہے۔ یہ محض دھوکا ہے۔ ایک خیال ہے جو کسی صورت عمل اختیار نہیں کرسکتا۔ تم اور تم جیسے دیگر دھوکہ باز سرمایہ داروں نے حکومت برطانیہ کو دھوکہ دیا ہے۔ جس کا راز فاش ہوکر رہے گا۔ حقیقت آشکار ہوکر رہے گی۔''

بطرس۔ ''حقیقت! کیسی حقیقت؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

ریحانہ۔ ''اچھا سنیئے! اور مطلب سمجھئے! تم اور تمہارے دوستوں نے ایک خوبصورت فریب ایجاد کیا ہے۔ تم نے ایک اسکیم تیار کی ہے جو بظاہر نہایت عمدہ نظر آتی ہے۔ لیکن درباطن تم خود جانتے ہو کہ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ بند تعمیر بھی ہوگیا تو اس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

بطرس حیرت زدہ ہوکر۔ ''آخر کیوں نہیں ہوگا؟''

ریحانہ۔ ''اس لئے کہ والد مرحوم نے اپنی وفات سے قبل اس تمام علاقہ کی سروے کرائی تھی۔ اور یہ بات خود تم کو بھی معلوم ہے۔ سروے کرانے کے بعد والد کو معلوم ہوا کہ یہ اسکیم ناممکن العمل ہے۔ کیونکہ دریائے نیل کے مشرق و مغرب دونوں طرف کی اراضی بہت بلند ہے۔ یہ بات میرے والد نے مجھ کو بھی بتلا دی تھی۔ اور میں ان کا قول صحیح سمجھتی ہوں۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً تم نے میرے والد کی رپورٹ کہیں چھپا دی ہے۔ اور اس وقت تم کو لوگ اس اسکیم کی وجہ سے مصر کا محسن کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ تم نے اس بند کی تعمیر میں روپیہ لگانے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن تمہارا دل جانتا ہے کہ یہ اسکیم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔''

بطرس نے ریحانہ کی طرف اس بری طرح دیکھا جیسے کسی گائے کو قصائی دیکھتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس کی دشمن ہے اور بہت سخت دشمن ہے۔ لیکن اس نے اپنی قبطی فطرت سے کام لے کر اپنے جذبات کو دبایا۔ اور ہاتھ کی جنبش سے ظاہر کیا کہ ریحانہ کے تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔ لیکن وہ اسی طرح دلیرانہ کھڑی رہی۔ اس کی نظروں سے غصہ، نفرت اور حقارت برس رہی تھی۔

بطرس۔ ''کاش! خدا تم کو کسی قدر عقل دیتا۔ میں تمہارے ساتھ کس قدر اچھا سلوک کر رہا ہوں۔ میں نے تم کو ہر طرح کی آزادی دے رکھی ہے۔ تم دنیا بھر میں مزے اڑاتی پھرتی ہو اور میں کچھ نہیں کہتا، اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارا راز فاش ہو۔''

ریحانہ۔ ''تم نے مجھے یہاں آنے پر مجبور کیا۔ اگر یہی ایک واقعہ میرے حریفوں کو معلوم ہوجائے تو دنیا میں میری کافی رسوائی ہوجائے گی، اور میں لوگوں کی نظروں سے گر جاؤں گی۔''

بطرس۔ ''لیکن دوستوں کی نظروں سے تو نہیں گرو گی؟''

ریحانہ۔ ''تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔''

بطرس۔ ''یہ ہرگز تنگ کرنا نہیں ہے۔ یہ بالکل ٹھیک اور جائز ہے کہ جب تک میں لندن میں موجود ہوں تم وقتاً فوقتاً مجھ سے خفیہ طور پر ملاقات کرتی رہو۔''

ریحانہ۔ ''تم نے تو مجھے یہاں حکماً بلایا تھا۔''

بطرس۔ ''بیشک۔''

ریحانہ۔ ’’کیا مصر کے قبطی اور عرب اپنی عورتوں پر اسی طرح حکم چلاتے ہیں؟‘‘

بطرس۔ ’’خیر! میں نے تم کو یہاں اس لئے بلایا تھا کہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ بات تمہارے عاشق زار یا معشوق دلنواز پرنس امین بے نسیم سے تعلق رکھتی ہے۔‘‘

امین بے نسیم کا نام سنتے ہی ریحانہ کسی قدر چونکی، لیکن خاموش رہی۔

☆......☆......☆

بطرس ہنس کر۔ ’’اور میرے خیال میں تم تو اس نوجوان مصری شہزادہ کی نسبت کسی قسم کی گفتگو کرنا پسند نہ کرو گی، لیکن میں کرنا چاہتا ہوں، یاد ہے کچھ دن ہوئے میں نے تم سے کیا کہا تھا؟‘‘

یہ کہہ کر نہایت غیظ و غضب کے ساتھ نیلی پیلی آنکھیں کیے ہوئے بطرس بے آگے بڑھا اور اس نے زور سے ریحانہ کی کلائی پکڑ لی، اور آنکھیں نکال کر اس کی آنکھوں دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔

ریحانہ تکلیف سے تلملا کر۔ ’’میرا ہاتھ چھوڑو۔‘‘

بطرس۔ ’’میں چاہتا ہوں کہ تم میری بات ذرا غور سے سنو۔ تقریباً ڈھائی سال ہوئے کہ تم نے میرے آگے ہاتھ جوڑ کر آزادی کی درخواست کی تھی۔ میں نے تمہاری درخواست منظور کی اور اس شرط پر تم کو آزادی دی کہ تم اپنی انگریز خادمہ ماریہ کو ساتھ لے کر سیر و سیاحت کرتی پھرو کسی سے دوستی یا شناسائی نہ کرو۔ تنہا سفر کرو۔ کسی مرد یا عورت سے کوئی واسطہ نہ رکھو۔ یہ شرط تم نے قبول کر لی تھی۔ تم کو آزادی کی خواہش تھی۔ تم مصری عورتوں کی طرح پردہ میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ اور واقعی یوروپین عورتوں کے لئے پردہ میں رہنا ناممکن بھی ہے خیر! میں نے تم پر مہربانی کی۔ تمہاری تمام خواہشیں پوری کر دیں۔ میں نے تم سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں تنگ نہیں کروں گا۔ نیز یہ کہ میں تمہارا راز بھی فاش نہ کروں گا۔ اب بتاؤ کیا میں نے اپنے وعدے پورے نہیں کیے۔ یاد رہے کہ سوائے سالسٹر فنلے صاحب کے اور کسی شخص کو دنیا بھر میں تمہارا راز معلوم نہیں ہے۔‘‘

ریحانہ۔ ’’ہاں بیشک! تم نے میرا راز پوشیدہ رکھا، لیکن بڑی قیمت لی، یعنی مارشمون کی

جان۔‘‘

بطرس جل کر۔ ’’اس کی موت سے تمہارا تعلق ہے میرا نہیں۔ اگر تمہارے آشنا پرنس امین بے نسیم نے از راہ حسد و رشک اپنے دوست مارشمون کو مار ڈالا تو اس سے میرا کیا واسطہ۔ یہ سب کام تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔‘‘

ریحانہ سختی سے۔ ’’یہ بات قطعی جھوٹ ہے، پرنس امین ہرگز کسی کے قاتل نہیں ہیں۔‘‘

بطرس۔ ’’پولیس اس کی تلاش میں ہے اگر وہ مجرم نہیں ہے تو کیوں اس طرح منہ چھپائے پھرتا ہے اور لاپتہ ہے؟‘‘

ریحانہ۔ ’’میں جانتی ہوں کہ وہ قطعی بیگناہ ہے۔‘‘

بطرس۔ ’’تم کو تو اس کی باتیں سب سے زیادہ معلوم ہوں گی۔ کیونکہ تم اس کی معشوقہ ہو۔ اس حقیقت سے انکار کرو۔ اگر کر سکتی ہو۔‘‘

ریحانہ۔ ’’میرا ہاتھ چھوڑ نہیں تو میں شور مچا کر نوکروں کو بلا لوں گی۔‘‘

بطرس۔ ’’چلاؤ! چلاؤ!! میں کچھ پروا نہیں کرتا، میں نے تمہیں آزادی دی اور تم عشق بازیاں کرتی پھریں۔‘‘

ریحانہ۔ ’’اور تم نے اپنے ایجنٹ مارشمون کی جان لی۔ محض اس وجہ سے کہ وہ بیچارہ مجھ سے ہمدردی کرنے لگا تھا۔ اور مجھے تم سے بچاتا تھا۔ میں جہاں بھی جاتی تھی، مارشمون میرے پیچھے جاتا تھا۔ میری روزمرہ کی نقل و حرکت کے متعلق تم کو رپورٹ دیتا تھا۔ آخر میں اس سے تنگ آ گئی اور اس کی نظر بچا کر ایک جگہ جا چھپی۔ تمہارا خیال تھا کہ ماریہ مجھ پر جاسوسی کرے گی، لیکن وہ وفادار رہی۔ اور اگر میں اپنی پرانی جگہ چھپی رہتی تو تمہیں میرا ہنوز پتہ نہ چلتا، لیکن مارشمون نے مجھ کو پیرس میں دیکھ لیا۔ اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ مجھ پر کس قدر سختی کی جا رہی ہے۔ مقتول کو مجھ پر رحم آ گیا اور اس نے مجھ سے اقرار کیا کہ اگرچہ وہ تمہارا نوکر ہے لیکن مجھ سے ہمدردی کرتا ہے اور واقعی وہ شریف اور ایماندار آدمی نکلا۔ اس نے غالباً اس روز بھی تمہاری حرکت دیکھی تھی، جب تم مجھے بمقام الاقصر ہوٹل کے باغ میں ملے اور تم نے مجھ پر چھرا تانا تھا۔‘‘

بطرس۔ ''واقعی بڑا ہی حسن پرست اور بہادر آدمی تھا، اور اسی وجہ سے اس کی جان گئی۔''

ریحانہ۔ ''تمہارے حکم سے گئی۔ تم خوب جانتے تھے کہ وہ نوکر تو تمہارا ہے، لیکن ہمدردی مجھ سے کرتا ہے۔ اور تم نے غصہ میں آ کر اپنے کسی کمینہ آلۂ کار کو حکم دیا جس نے مارشمون کو قتل کر ڈالا۔''

بطرس۔ ''سچ تو یہ ہے کہ جب سے تمہاری ملاقات اس مصری شہزادہ سے ہوئی ہے، تمہاری حالت ہی بدل گئی ہے۔ پولیس نے کافی تفتیش کرنے کے بعد یہ بات قرار دی ہے کہ مارشمون کا قاتل پرنس امین ہے اور واقعی ہے بھی وہی۔ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ مارشمون سے تمہاری آشنائی ہے۔ یہی وجہ قتل کی ہوئی۔''

ریحانہ۔ ''اس کو کسی بات کا یقین نہیں ہوا تھا۔ اس کے نزدیک بھی مارشمون کی موت ایک سربستہ راز ہے۔''

بطرس۔ ''پھر وہ اس طرح مانٹی کارلو سے کیوں بھاگا؟ یاد رہے مجھے تمام باتیں معلوم ہیں۔''

ریحانہ۔ ''جی ہاں کیوں نہیں۔ تمہارا کاروباری جال دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ تمہارے جاسوس ہر جگہ موجود ہیں۔ تم کو حال کا نہیں معلوم ہو گا تو اور کس کو ہو گا۔ تمہاری خوشنودی کی خاطر تمہارے گرگے جو کچھ بھی کر گزریں وہ کم ہے۔''

بطرس۔ ''مجھ کو وہ سب معلوم ہے جو نیقیہ میں گزرا۔ کس طرح پرنس امین بے نے تم سے ملاقات کی۔ کس طرح دونوں میں پیار و محبت کی باتیں ہوئیں۔ قصور صرف تمہارا ہے۔ تم نے وعدہ خلافی کی، تم نے اس کو اظہار محبت کرنے کی اجازت کیوں دی۔''

ریحانہ۔ ''لیکن میں نے اس کو یہ جتا دیا تھا کہ محبت کرنا بے کار ہے۔ کوئی امید پوری نہیں ہو سکتی۔ میں نے اس کی ہمت افزائی ہرگز نہیں کی۔ رہی یہ بات کہ وہ مجھ کو کیوں چاہتا ہے اس میں میرا کیا قصور!''

بطرس۔ ''یہ سب تمہارا قصور ہے، اور میرے احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔ میں نے تم کو بعض شرائط کے ساتھ آزادی دی تھی۔ اور تم نے ان شرطوں کو ایک ایک کر کے توڑا۔ بس جو

معاہدہ ہمارے درمیان ہوا تھا اب وہ ختم ہو گیا۔''

ریحانہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس شخص کے پھندے میں کس بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے ٹھنڈی سانس لی اور بولی۔

''معاہدہ ختم ہو گیا۔ اب میں سمجھ گئی کہ تم اپنی مرضی کی زنجیریں میرے پاؤں میں پھر ڈالنا چاہتے ہو۔''

بطرس۔ ''بیشک؟''

یہ سن کر ریحانہ خاموش ہو گئی اور کچھ سوچتی ہوئی کمرہ میں ٹہلنے لگی، پھر یکا یک ہم کلام ہوئی۔

''اگر تمہارا یہی منشاء ہے تو میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے۔''

بطرس۔ ''کس بات کا؟''

ریحانہ۔ ''جس بات کا بھی کیا ہو۔ یہ میرا کام ہے تم کو کیوں بتاؤں؟ تم یہ کہتے ہو کہ میں اپنے قول پہ مسلم نہیں رہی۔ میں نے وعدہ شکنی کی۔ اور میں کہتی ہوں کہ میں نے نہیں کی۔ بہر حال میں تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتی۔''

بطرس۔ ''پرواہ نہیں کرتی؟ دیکھو میرے سامنے ایسے الفاظ منہ سے نکالنا خطرناک ہے۔ جو لوگ بطرس غالی بے کی پرواہ نہیں کرتے وہ بعد میں ہمیشہ شرمندہ ہوتے اور پچھتاتے ہیں۔''

ریحانہ۔ ''میں ہرگز نہیں پچھتاؤں گی۔''

بطرس۔ ''آج کل دنیا میں حق و انصاف عورت کے لئے کوئی چیز نہیں۔ اس زمانے میں جو کچھ ہے وہ دولت ہے۔''

ریحانہ۔ ''اور خدا کا شکر کہ وہ بھی میرے پاس ہے۔''

بطرس۔ ''بہر حال میں یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ پرنس امین بے نسیم سے تم کو کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہئے اور جس قدر تعلق ہے وہ فوراً ختم ہو جائے۔''

ریحانہ۔ ''لیکن یہ تو فرمایئے کہ جسم پر تو زور چل سکتا ہے کسی کے دل پر میرا یا آپ کا کیا زور ہو سکتا ہے۔ اگر وہ واقعی مجھ سے سچی محبت کرتا ہے تو دنیا کی کون سی طاقت اس کو روک سکتی

ہے؟''

بطرس۔ ''میں۔''

ریحانہ۔ ''کس طرح۔''

بطرس۔ ''تم کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ میں وہ طریقہ استعمال کروں گا کہ وہ اپنی عشق بازی یاد کرے گا اور پچھتائے گا۔ وہ تو کیا چیز ہے، میں اس کے چچا حذیو مصر کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔''

ریحانہ۔ ''پرنس امین تمہاری کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔''

بطرس۔ ''اس وجہ سے کہ وہ مجھے جانتا نہیں۔ اگر جانتا ہوتا تو تم پر ہرگز نظر نہ ڈالتا۔ اچھا تو تم اس سے ترک محبت کا اقرار نہیں کرو گی؟ اگر ایسا ہے تو میں بھی ایک معقول تدبیر کرتا ہوں، جو مجھے ایک شخص نے بتائی ہے۔''

ریحانہ۔ ''کس شخص نے بتائی ہے؟''

بطرس۔ ''میرے ایک تنخواہ دار ملازم نے، جو اس وقت سے جب رات کو تمہاری ملاقات پرنس امین بے سے بمقام ایوگنان ہوئی، اب تک سایہ کی طرح اس کے ساتھ ہے۔ جس ہوٹل میں تمہارا معشوق رہتا ہے، اسی میں یہ شخص بھی ٹھہرا ہوا ہے۔ اور اس وقت بھی وہ وہیں موجود ہے۔ پرنس خود کو محفوظ خیال کرتا ہوگا۔ لیکن یہ خیال خام ہے۔ تم کو اس وقت سے جب وہ تم سے ایوگنان کے ہوٹل میں پیرس جاتا ہوا، ملا تھا۔ اس کی ہر ایک نقل و حرکت معلوم ہے۔ لیکن میں نے ابھی تک کسی سے کہا نہیں۔ اور اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پولیس کو اطلاع دیدوں جو تمہارے معشوق کے ہاتھوں میں فوراً ہتھکڑی پہنا دے گی۔ گرفتاری کے بعد وہ سرکاری طور پر باضابطہ زیر حراست نیقیہ بھیج دیا جائے گا۔ اور وہاں اس پر مارشمون کے قتل کا مقدمہ چلایا جائے گا۔''

ریحانہ حیران و ششدر خاموشی کے ساتھ بطرس کے منہ کو تک رہی تھی، جس کی آنکھوں سے انتقام خون ٹپک رہا تھا۔

ریحانہ گھبرا کر۔ ''نہیں نہیں!! ایسا نہ کرو۔ خدا کے لئے ایسا نہ کرو۔ کیا تم اس قدر سنگدل

اختیار کر لو گے کہ پرنس کو پولیس کے حوالہ کر دو۔ پھر حذیو کو کیا جواب دو گے؟''

بطرس۔ ''میں حذیو کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ میں نے اس کو گرفتار کرا دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور یہی بات کہنے کے لئے میں نے آج تم کو یہاں بلایا ہے۔''

ریحانہ۔ ''لیکن میں جانتی ہوں وہ قطعی بے قصور ہے۔''

بطرس۔ ''اس کا فیصلہ عدالت کرے گی، جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوتا ہے۔''

ریحانہ۔ ''افسوس! تم یہ حرکت اس وجہ سے کرتے ہو کہ خود تمہارے گناہ پر پردہ پڑا رہے۔ میں تم کو خوب جانتی ہوں۔ مارشمون کو تم نے خود قتل کرایا۔ مارشمون کے قتل میں تمہاری غرض تھی۔ بیچارہ پرنس امین کے لئے کیا غرض ہو سکتی ہے۔''

بطرس۔ ''رشک وحسد!''

ریحانہ۔ ''پرنس کو مارشمون سے رشک وحسد بھی نہیں تھا۔''

بطرس۔ ''تھا کیوں نہیں؟ وہ جانتا تھا کہ خفیہ طور پر جا کر مارشمون سے ملا کرتی ہو۔ اس بات کا پتہ اس کو نیقیہ میں چل گیا۔ مجھے تمام باتیں معلوم ہیں۔ غیرت دار شہزادہ تھا، رقیب پر ہاتھ صاف کر بیٹھا۔''

ریحانہ۔ ''غیرت داروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ چوروں کی طرح رات کو چھپ کر مارشمون کے گھر میں گھسیں، اور پھر اس کو ایک ایسے پراسرار طریقہ سے قتل کر ڈالیں کہ دنیا بھر کے ڈاکٹر ڈھونڈتے رہ جائیں اور وجہ مرگ معلوم نہ ہو۔''

بطرس۔ ''بس اب اس معاملہ میں زیادہ چوں و چرا کی ضرورت نہیں۔ معاملہ قطعی صاف ہے۔ مارشمون میرا ایجنٹ تھا۔ تم نے اپنے حسن و جمال اور ناز و انداز کا جادو ڈال کر اس کو فریفتہ کر لیا۔ وہ تم کو چاہنے لگا۔ اس کا حال تمہارے دوسرے چاہنے والے پرنس امین بے نسیم کو معلوم ہوا۔ رشک وحسد نے مجبور کیا اور اس نے اپنے رقیب کو قتل کر ڈالا۔ اور خود فرانسیسی علاقہ سے فرار ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ بھر کی پولیس نہایت سرگرمی سے اس کی تلاش میں ہے۔''

ریحانہ۔ ''تاکہ کسی نہ کسی کو گرفتار کر لیا جائے؟''

بطرس۔ ''نہیں تمہارا عاشق آج رات کو بارہ بجے سے پہلے گرفتار ہو جائے گا۔''

ریحانہ۔ ''اچھا تو تم نے یہ بات دل میں ٹھان لی ہے۔''

بطرس۔ ''یقیناً۔''

ریحانہ۔ ''تم خود جانتے ہو کہ ایک شخص بے گناہ ہے اور پھر تم اسے پولیس کے حوالے کردو گے۔''

بطرس۔ ''کون کہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ میرے خفیہ ایجنٹ مارشمون کو قتل کر ڈالا۔ اب میرا فرض ہے کہ اس کے قاتل کا پتہ لگاؤں اور کیفرکردار تک پہنچاؤں۔''

ریحانہ۔ ''تم کس قدر مکار ہو۔ یہ حرکت محض اس لئے کی ہے کہ تمہارا جو تعلق اس خوفناک معاملہ سے ہے اس پر پردہ پڑا رہے۔ بیچارہ مارشمون نے یہ قصور کیا تھا کہ تمہارا ایجنٹ ہو کر مجھ سے ہمدردی کرنے لگا تھا اور اس کو خود تم نے کسی پر اسرار طریقہ سے قتل کر ڈالا۔''

بطرس۔ ''خیر! یوں ہی سہی۔ دیکھو! ابھی تمہاری مدت میں چند ماہ باقی ہیں۔ جاؤ مزے کرو۔ اور اس نوجوان شہزادہ کا خیال دل سے نکال ڈالو۔ اور میں بھی ایسا انتظام کئے دیتا ہوں کہ اس سے تم سے ملنے کا آئندہ موقع ہی نہ ملے گا۔''

ریحانہ گھبرا کر۔ ''نہیں نہیں ایسا نہ کرنا۔ خدا کے لئے ایسا نہ کرنا۔ دیکھو میں ہاتھ جوڑتی ہوں، تمہارے پاؤں پکڑتی ہوں۔ اور جو چاہے کرو مگر ایسا نہ کرو۔''

بطرس۔ ''اس سے پہلے بھی تم کو دو مرتبہ تنبیہ کی جا چکی ہے یاد ہے....''

ریحانہ۔ ''میں نے اس تنبیہ کی تعمیل کی۔ گلین گریک میں اس روز رات کے وقت جب میں نے وہ زفیر کی آواز سنی تو میں سمجھ گئی کہ مجھ پر نگرانی ہے اور میرا راز فاش ہو گیا۔ وہ آواز سن کر پرنس امین بے بہت حیران ہوئے تھے۔ لیکن میرا یہ خیال ہے کہ تمہارا ایک جاسوس حسن عبد اللہ میری دیکھ بھال کر رہا تھا، اور وہ اس وقت سامنے کے درختوں میں چھپا ہوا تھا، لیکن اس تنبیہ کے سنتے ہی میں فوراً کسی کے کہے سنے بغیر روانہ ہو گئی۔''

بطرس۔ ''اور مہینوں مجھ سے بھی چھپی رہیں۔ اس حرکت سے بھی تم نے وعدہ شکنی کی۔ کیونکہ تمہارا یہ وعدہ تھا کہ میں ہر ساتویں روز اپنا پتہ لکھ کر ارسال کروں گی۔''

ریحانہ۔ ''میں درحقیقت پرنس امین بے نسیم سے بھاگ گئی تھی، اور اس خوف سے چھپ رہی

تھی کہ اس کی محبت میرے دل میں نہ پیدا ہو جائے۔ اور مجھے معلوم ہو گیا کہ میں تمہارے پھندے میں ہوں۔''

بطرس۔ ''میں خوش ہوں کہ تم کو یہ خیال تو پیدا ہوا۔''

بطرس بے کا لہجہ تند اور تیز ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے غصہ برس رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریحانہ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورنے لگا۔ ریحانہ کھڑی ہوئی خوفزدہ کانپ رہی تھی۔ بالآخر وہ دوزانو ہو کر اس کے قدموں میں گر پڑی اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔

''نہیں نہیں! پرنس کو کچھ نہ کہو، اس کو نہ چھیڑو۔ اس کی جان بخشی کر دو۔ اللہ تم کو اس کا اجر دے گا۔ خدا کے لئے اس کو کچھ نہ کہو۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔''

بطرس بے بھی اس وقت غصہ سے کانپ رہا تھا۔ اس نے ریحانہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کو جھٹک کر الگ کر دیا۔ وہ زار و قطار روتی ہوئی فرش پر جا پڑی۔

بطرس زمین میں ٹھوکر مار کر۔ ''بس مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا، تم کہتی ہو کہ میں تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتی۔ اور تم اس بات کو بھول گئیں کہ تم میری ہو۔ اور میں تمہارا آقا اور مالک ہوں؟''

☆ ☆ ☆

الگھم ہوٹل میں بطرس غالی بے کے کمرہ میں پولیس کا ایک انسپکٹر بیٹھا نظر آیا۔ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہو رہی تھی۔

انسپکٹر۔ ''آپ فرماتے ہیں کہ یہ شخص امین بے نسیم جو مصری فوج کا ایک افسر ہے اور انگلستان میں کام دیکھنے آیا تھا، اب روپوش ہو کر اور نام بدل کر مقام لنشبرٹن واقع ڈیون کی سرائے میں مقیم ہے، اور ایک جرم کے سلسلہ میں فرانسیسی پولیس کو اس کی ضرورت ہے۔''

بطرس۔ ''ہاں اس نے اپنا نام بدل کر عبداللہ الفیومی رکھ چھوڑا ہے۔''

انسپکٹر۔ ''ہمارے تھانہ میں فرانسیسی پولیس کا بھیجا ہوا ایک نوٹس لگا ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک انعام کا بھی اعلان۔ ہے۔ لیکن انعام پولیس کو نہیں ملے گا۔ بلکہ آپ کو ملے گا۔''

بطرس۔ ''انعام! مجھے کسی انعام اکرام کی ضرورت نہیں۔''

انسپکٹر۔ ''جی ہاں، فرانسیسی حکومت نے اس شخص کو جس کی نشاندہی پر ملزم مذکور گرفتار ہو جائے، دو ہزار فرانک انعام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ رقم انگریزی سکہ میں تقریباً 80 پونڈ ہوتی ہے۔''

بطرس۔ ''اچھا تو یہ رقم آپ لے لیں، مجھے ضرورت نہیں۔''

انسپکٹر۔ ''نہیں جناب! ہم لوگ انعام وغیرہ قبول نہیں کر سکتے۔ ایسا کرنا ہمارے ضابطہ کے خلاف ہے۔''

بطرس۔ ''اچھا تو سنو! اگر یہ شخص گرفتار ہو گیا تو میں خود آپ کو معقول انعام دوں گا۔ آپ سمجھے؟''

انسپکٹر۔ ''خوب سمجھا۔'' مسکرایا، اور سلام کر کے چلا گیا۔

یہاں تو یہ گفتگو ہو رہی تھی، اور وہاں پرنس امین بے نسیم، عبداللہ الفیومی بنا ہوا ایشرٹن کی پرانی سرائے میں مقیم تھا۔ جو دنیا کی چہل پہل سے محروم اور ایک افتادہ مقام میں واقع تھی۔ سرائے کے متعلق جو باغیچہ تھا اس میں ایک تناور اور گنجان درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا امین بے اخبار پڑھ رہا تھا۔ دن بھی کسی قدر گرم تھا۔ سنسان کا عالم طاری تھا، اور سوائے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے جو ادھر ادھر پھولوں کا رس چوس رہی تھیں اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

لندن کے کاروباری آدمی جو رات دن کی سخت محنت و جانفشانی سے تھک جاتے ہیں اور کچھ عرصہ تک دنیا سے الگ تھلگ تنہائی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کبھی کبھی اس پرانی سرائے میں آ ٹھہرتے ہیں۔ یا بعض اوقات وہ لوگ آ جاتے ہیں جن کو مچھلی کے شکار کا شوق ہوتا ہے۔ کیونکہ تھوڑے فاصلہ پر جوڈارٹ نامی ایک ندی گزرتی ہے اس میں مچھلی کے شکار کے بہت سے مواقع ہیں۔

پرنس امین بے بھی یہاں ہفتہ میں دو چار مرتبہ دریا پر جا کر مچھلی کے شکار کا لطف اٹھاتا تھا، لیکن اب چونکہ دو چار دن سے پانی کی حالت خراب ہو رہی تھی اس لئے وہ اپنے کمرہ میں بند کتاب پڑھنے میں لگا رہتا تھا۔ یہاں بھی وہ اس قدر احتیاط سے کام لیتا تھا کہ اگر وہ کوئی خط بھیجنا چاہتا تھا تو ٹرین میں بیٹھ کر قریب کے کسی اسٹیشن سے ڈاک میں ڈال آیا کرتا تھا۔

اتنے میں سرائے کی ایک خادمہ دوڑی ہوئی آئی اور بولی۔

خادمہ۔ ''حضور! آپ کو کوئی صاحب ٹیلیفون پر بلا رہے ہیں۔''

یہ خبر سنتے ہی امین بے چونکا۔ اور اس کے دل میں مختلف قسم کے خیالات آنے لگے۔ پہلے تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ خادمہ کے ذریعہ یہ کہلا دے کہ اب وہ سرائے سے چلے گئے۔ لیکن پھر دوسرا خیال آیا اور اس نے یہی مناسب سمجھا کہ بات سن لی جائے۔ پھر جیسا کچھ مناسب ہوگا کیا جائے گا۔

لہٰذا وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ مکان میں داخل ہو کر پرانے فیشن کے کھانے کے کمرہ سے گزرتا ہوا اس ہال میں پہنچا جہاں ٹیلیفون نصب تھا۔ امین بے نے اس خیال سے کہ کوئی دوسرا شخص بات نہ سن سکے چاروں طرف کے دروازے بند کر دیئے اور بولا۔

امین بے۔ ''ہیلو۔''

آواز۔ زنانہ آواز ہیلو! ''کیا پرنس تم ہو؟''

امین بے آواز پہچان کر جو ریحانہ کی تھی۔ ''ہاں! تم کہاں ہو؟''

آواز۔ ''میں ہوں ریحانہ۔ بانڈ اسٹریٹ کے دفتر سے بول رہی ہوں۔ تم فوراً ایشرٹن چھوڑ دو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔''

امین بے۔ ''بہت اچھا میری جان!''

آواز۔ ''اچھا خدا حافظ! وقتاً فوقتاً خیریت کی اطلاع دیتے رہنا۔''

دونوں میں یہ گفتگو گویا 250 میل کے فاصلہ سے ہو رہی تھی۔ امین بے نے پھر ٹیلیفون میں ہیلو، ہیلو کیا۔ لیکن فضول۔ کیونکہ اب اس کا کہیں پتہ نہیں تھا اور علاوہ ازیں سلسلہ بھی ٹوٹ چکا تھا۔

ٹیلیفون چھوڑتے ہی وہ سوچتا ہوا کمرہ سے باہر نکلا۔ اس کو خوف پیدا ہو گیا تھا کہ پولیس والے پھر اس کی تلاش میں ہیں۔ اس لئے سوچا کہ اگر تمام سامان باقاعدہ باندھا گیا اور ٹرین میں بیٹھ کر روانہ ہوا تو وہ ضرور گرفتار ہو جائے گا۔ اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنی تمام چیزیں وہیں چھوڑ دے بلکہ سرائے والے کے دام دینا بھی ممکن ہے شبہ پیدا کرے، اس لئے

اس کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

یہ خیال کرتے ہی وہ اپنے کمرہ میں گیا اور جس قدر نقدی اس کے پاس تھی وہ سب جیب میں ڈالی، اور باقی چند چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزیں جیب میں رکھیں۔ ہاتھ میں چھڑی لی، اور تن بہ تقدیر پا پیادہ نکل کھڑا ہوا۔

گزشتہ دنوں میں وہ اس قدر پیدل پھرا تھا کہ اس کو تقریباً تمام گلی کوچوں سے واقفیت ہوگئی تھی۔ سرائے سے آٹھ دس میل فاصلہ پر ایک قصبہ میں پہنچ کر اس نے ایک کار کرایہ پر لی، اور سیدھا پالامتھ کی طرف روانہ ہوا جہاں اس کا ایک دوست تھا جو فوج میں کپتان تھا۔

کار چھوڑتے ہی وہ رائل ہوٹل میں گیا۔ اور اپنے دوست کو ایک رقعہ لکھا۔ عین اسی وقت لیشرٹن کی پرانی سرائے میں دو پولیس والے سادہ لباس میں پہنچے اور عبداللہ الفیومی کو دریافت کرنے لگے۔

پولیس والوں کے اس طرح آنے سے سرائے کے حلقوں میں کسی قدر ہلچل مچ گئی۔ منیجر سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ مسافر کہیں ٹہلنے گیا ہوا ہے۔ اگرچہ وہ دوپہر کے کھانے کے وقت بھی نہیں آیا۔ لیکن آتا ہی ہوگا۔"

پولیس والے شام تک انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔ لیکن عبداللہ الفیومی کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اسی اثناء میں امین بے کا رقعہ اس کے دوست کپتان کے پاس پہنچ گیا۔ جو خط پڑھتے ہی فوراً ہوٹل میں آیا۔ پرنس امین بے نے اس کو الگ لے جا کر تمام معاملہ بیان کر دیا۔ اور اس کے دوست نے تھوڑی دیر بعد اس کے رہنے کے لئے ایک معقول سامکان شہر کے اندر کرایہ پر لے دیا۔

امین بے کے نزدیک یہ تمام واقعات ایک سربستہ راز تھے۔ وہ سوچتا تھا کہ پولیس والوں کو اس کا پتہ کیوں کر چلا۔ اور پولیس کی بات ریحانہ کو کیوں کر معلوم ہوگئی۔ جو اس نے عین وقت پر آگاہ کر دیا۔ یہ تمام باتیں اس کے نزدیک ایک معمہ تھیں۔ جس کے حل کرنے سے اس کی عقل قاصر تھی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ مچھلی کے شکار کا شوقین ادھیڑ عمر کا شخص مسٹر کلیمنٹ جو اس کے ساتھ پرانی سرائے میں رہتا تھا، اور اکثر اس کے

ساتھ شکار کھیلنے جایا کرتا تھا، وہ کسی دشمن کا جاسوس ہے۔ وہ پیرس میں اس کے پیچھے لگا تھا۔ اور اب تک جہاں کہیں بھی وہ گیا اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ اس کی تمام باتوں کا یہ شخص روزنامچہ رکھتا ہے اور دشمنوں کو اطلاع دیتا رہتا ہے۔

حسن اتفاق سے جس روز یہ واقعہ ہوا اس روز مسٹر کلیمنٹ دو اور اشخاص کے ساتھ کسی دوسری ندی پر مچھلی کا شکار کھیلنے چلا گیا تھا۔ اگر وہ اس وقت لیشرٹن میں ہوتا تو امین بے کا فرار ہونا محال تھا۔ یہ شخص درحقیقت بطرس غالی بے کا ایجنٹ تھا جو اس نے امین بے کی نگرانی کے لئے مامور کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

جس وقت سر ہنری قیطون بن حام، ان کی بیگم صاحبہ اور مارجوری کھانا کھانے بیٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ مارجوری کچھ چپ چپ ہے۔ آج اس کے یہاں تین اور شخص بھی مہمان تھے، لیکن مارجوری نے ان میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ اس کا خیال اس وقت پرنس امین بے نسیم کی طرف تھا۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ نہ معلوم اس کے پر کیا واقعہ گزر رہا ہوگا۔

کبھی کبھی اس کو بطرس غالی بے کا بھی خیال آتا تھا۔ جس کی پرورش، تعلیم و تہذیب اور تمام دولتمندی محض اس کے والد کے صدقہ میں ہوئی تھی۔ اور جو اس وقت اس پر آقاؤں کی طرح حکومت جتا رہا تھا۔ لیکن سب سے بڑا سوال اس کے دل میں یہ تھا کہ پرنس امین بے نسیم پر کیا گزری۔ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟

اگر مسز قیطون یا سر ہنری اس سے کوئی بات کرتے تھے تو وہ ان کو اضطراری طور پر جواب دیتی تھی۔ ایک بات قابل ذکر یہ بھی ہے کہ پرنس امین بے نسیم نے کبھی مارجوری سے مسز قیطون کے ہاں جا کر ملاقات نہیں کی تھی۔ اور اس واقعہ سے وہ دونوں میاں بیوی حیران تھے۔ اور واقعی حیرت کی بات تھی کہ جس نوجوان نے سر ہنری کے سامنے مارجوری کے ساتھ اس قدر محبت کا اظہار کیا ہو وہ اس سے کبھی ملنے بھی نہ آئے۔

جب سے مارجوری اندن آئی تھی اس کے دل میں کھٹکا تھا کہ چونکہ پولیس کو پرنس امین سے اس کا تعلق معلوم ہو گیا ہے اس لئے افسران پولیس کو اس بات کا ضرور یقین ہوگا کہ ان

دونوں میں وقتاً فوقتاً خط وکتابت ہوتی ہوگی۔ اور واقعی اس کا یہ خیال درست تھا۔ پولیس اس کی ہر وقت دیکھ بھال کرتی تھی۔ لیکن وہ بھی نہایت چالاک تھی، اور ہر امر میں کامل احتیاط مدنظر رکھتی تھی۔ اس نے خود کو نوآبادیات کی رہنے والی ایک سیاح عورت مشہور کر رکھا تھا۔ اور اپنا پتہ سیاحوں کے ایک ایجنٹ کے نام سے بتا رکھا تھا۔ چنانچہ امین کے جس قدر خطوط آتے جاتے تھے وہ اسی پتے سے ہوتے تھے۔

اسی روز شام کے پانچ بجے کے قریب پولیس انسپکٹر پھر بطرس غالی بے کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ سنتے ہی وہ قبطی جس کے دل میں جوش انتقام بھرا ہوا تھا۔ غضبناک ہو کر کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس وقت مارجوری اس کو مات دے گئی۔ اور پرنس امین کو اس نے قبل از وقت اطلاع دے کر کہیں بھگا دیا۔ حالانکہ اس نے مارجوری کے اپنے یہاں سے جاتے ہی پولیس کو طلب کرایا تھا۔

پولیس انسپکٹر کے چلے جانے کے بعد وہ غصہ میں بھرا ہوا پھر میز پر بیٹھ گیا اور اپنے ایجنٹ مسٹر کلیمنٹ کے نام سخت الفاظ میں ایک تار لکھا۔ جس میں اس کو اپنے کام میں غفلت شعاری پر برا بھلا کہا اور تنبیہ کی کہ جس طرح بھی ہو وہ نوجوان شہزادہ کا پتہ لگائے۔

اسی روز رات کو بطرس بے کے فرانسیسی خادم نے اس کے ٹرنک وغیرہ ٹھیک کئے اور وہ پیرس کو روانہ ہو گیا، جہاں لین دین کے متعلق کوئی بہت ضروری کام تھا۔

اس روز شام کو مارجوری نے مہمانوں کے ساتھ سیوائے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ دوچار بازی تاش کی کھیلی، تمام وقت بے لطفی سے گزرا۔ گھر پر آکر اس نے سونے کی کوشش کی، مگر نیند کس کو آنی تھی۔ مجبور ہو کر کھڑکی کے سامنے بیٹھ گئی اور کتاب پڑھتے پڑھتے صبح کر دی۔

صبح کو ضروریات سے فراغت پا کر اس نے سر ہنری اور مسز قیطون کے ساتھ بادل نخواستہ ناشتہ کیا اور چائے پی۔ اور بعد ازاں کوئی گیارہ بجے کے قریب کار میں سوار ہو کر وہ اس دفتر میں گئی جس کے پتہ پر امین بے اور اس کے درمیان خط وکتابت ہوتی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ شہزادہ نے اپنی نقل وحرکت کی اطلاع اس کو ضرور دی ہوگی۔ چنانچہ یہ بات سچ نکلی، اور واقعی پرنس امین کا ایک خط اس کے نام کا دفتر میں موجود تھا۔

خط کو آنکھوں سے لگایا اور بے قرار ہو کر کھولا اور پڑھا۔ امین بے نے مارجوری کی قبل از وقت اطلاع دہی کا شکریہ ادا کیا تھا اور اپنے رہنے کا نیا مقام بتایا تھا۔

مارجوری کی طبیعت خط پڑھتے ہی شگفتہ ہوگئی۔ اس کے قلب کو اطمینان ہو گیا، اور وہ مسرت کے ساتھ مسکراتی ہوئی گھر واپس آئی۔ وہ خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس نے پرنس امین کو اس ظالم وخونخوار قبطی کے انتقام سے محفوظ رکھا۔ اور ایک اچھی جائے پناہ میں پہنچا دیا۔

اس طرح جب سرکاری طور پر پرنس امین کی غیر حاضری اور اس بات کی خبر مصر بھیجی گئی کہ اس کو فرانسیسی پولیس کسی قتل کے سلسلے میں تلاش کر رہی ہے تو پرنس کے والدین اور خدیو مصر کو بے حد رنج ہوا۔ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ کسی صورت سے وہ مصر چلا جائے۔ تو پھر کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ اول اول تو مصری اخباروں میں واقعۂ قتل اور اس سے پرنس امین کے تعلق کی خبریں اور نوٹ شائع ہوئے، لیکن اب چونکہ واقعہ کو گزرے ہوئے کئی ماہ ہو چکے تھے اس لئے پہلی سی دلچسپی جاتی رہی تھی۔ اس طرح محکمۂ فوج کے افسر اعلیٰ نے وزیر جنگ سے رپورٹ کر کے درخواست کی کہ پرنس مفرور کی نسبت سرکاری گزٹ میں یہ الفاظ شائع کر دیئے جائیں کہ ''اب ہز ہائنس خدیو مصر کو پرنس امین بے نسیم کی خدمات کی مزید ضرورت نہیں رہی۔ لیکن چونکہ وہ شہزادہ تھا اور بغیر استصواب خدیو ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے وزیر جنگ نے معاملہ کھٹائی میں ڈال دیا۔

اب لندن کی فصل بھی ختم ہوگئی تھی۔ اور جو لوگ باہر سے سیر کرنے اور انگریزی ہوٹلوں میں لطف اٹھانے آئے تھے وہ واپس جانے لگے۔ لندن والوں کو بھی شہر بے لطف نظر آنے لگا، اور ان میں سے بھی اکثر آدمی جو صاحب حیثیت تھے دیہات کی ہوا کھانے چلے گئے۔ لیکن وہ طبقہ جس کا تعلق سیاسیات سے تھا، ابھی تک لندن میں موجود تھا۔ اور دعائیں مانگتا تھا کہ کسی طرح پارلیمنٹ کا اجلاس ملتوی ہو جائے اور ان کو کہیں باہر جا کر سیر وتفریح کا موقع ملے۔

''اب ہوٹلوں، ریستورانوں اور تھیٹروں وغیرہ میں بھی وہ رونق نہ رہی تھی۔ چڑیاں اڑ گئی تھیں، صرف پنجرے باقی رہ گئے تھے۔ شہر کا یہ رنگ دیکھ دیکھ کر مارجوری کا بھی دل اچاٹ ہو رہا تھا۔ اور اس کو سب سے بڑی فکر یہ دامن گیر تھی کہ اب اس کی آزادی کا زمانہ بھی ختم ہونے والا

ہےاور وہ دن بہت نزدیک آ گیا ہے جب وہ بطرس غالی بے کے محل کو زینت دے گی۔ آہ! یہ خیال آتے ہی وہ لرزہ براندام ہو جاتی تھی، اور کبھی کبھی تو اس کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ اور پھر جب پرنس امین بے نسیم کا خیال آتا تھا تو دنیا اس کی نظروں میں تاریک ہو جاتی تھی۔ وہ اپنی جان سے عاجز آ گئی تھی اور اگر حرام موت نہ ہوتی تو ضرور خودکشی کر لیتی۔

مسز قیطون اور سر ہنری جب مارجوری کو اداس دیکھتے تھے تو ان کا بھی دل کڑھتا تھا۔ لیکن وہ اصل واقعات سے بے خبر تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مارجوری کثرت مشاغل سے تھک گئی ہے۔ اور اب اس کے لئے آرام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے التواء سے ایک ہفتہ قبل انہوں نے ملازموں کو سامان درست کرنے کا حکم دیا اور سب کے سب جنوبی ڈیون کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں بمقام میچل کومبے سر ہنری کا عالیشان محل تھا۔

☆......☆......☆

لیشمرٹن کی اس پرانی سرائے سے جس میں پرنس امین بے مقیم تھا تقریباً تین چار میل کے فاصلہ پر ایک خوبصورت سبز پوش پہاڑی ہے، جس کے دامن میں ایک دریا بہتا ہے۔ اور اس کے سامنے دور تک سبزہ زاروں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ اسی پہاڑی کی چوٹی پر میچل کومبے واقع ہے جو کہ ایک عالیشان قدیم محل ہے جو اپنی طرز کا تمام ڈیون میں سب سے زیادہ خوبصورت محل ہے۔

جب یہ لوگ اس جگہ پہنچے تو مارجوری محل اور گاؤں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ محل کے چاروں طرف ایک پر فضا باغ تھا۔ جس میں پھل دار درختوں، سبزہ اور خوبصورت پھولوں کے خوشنما تختے دور تک پھیلے ہوئے تھے اور دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ باغ کی آراستی اور درستی کا اہتمام نہایت سلیقہ اور شوق سے کیا جاتا ہے۔ باغ کے آگے دور تک جنگل چلا گیا تھا۔ جس میں یہ لوگ کبھی کبھی جا کر شکار بھی کھیلتے تھے، اور چونکہ یہاں سے ساحل سمندر قریب تھا، اس لئے گرمیوں میں جو ہوائیں دن کے وقت سطح سمندر سے مس ہو کر آتی تھیں وہ نہایت خوشگوار ہوتی تھیں۔

مارجوری کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی تھی کہ پرنس امین بے نے میچل کومبے سے اس قدر

قریب آ کر پناہ لی تھی۔ کاش! اگر آج وہ یہاں موجود ہوتا تو کبھی کبھی بات چیت کرنے کا تو موقع نکلتا۔ لیکن جب اس پہاڑی کی چوٹی کے سامنے میدان میں نظر ڈالی تو اس کو خیال آیا کہ وہ جگہ بھی کچھ دور نہیں ہے جہاں پرنس امین نے اس وقت پناہ لی ہے۔ یعنی **24** میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور وہاں تک ایک نہایت عمدہ اور صاف سڑک جاتی ہے اور وہاں بذریعہ کار باآسانی پہنچا جا سکتا ہے۔''

لیکن اب سوال صرف ملنے یا نہ ملنے کا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ رقیب روسیاہ کے جاسوس اس کی ضرور نگرانی کرتے ہوں گے۔ اور اگر وہ پرنس امین سے جا کر ملی تو ضرور اس کی خبر بطرس بے کو ہو جائے گی۔

اس وقت مارجوری جنگلہ کے سہارے سے لگی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں پہاڑوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ نسیم عنبر بیز کے خوشگوار جھونکے اس کے گیسوئے مشکیں سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے، اور دیہات میں چاروں طرف عروس بہار کی عشوہ طرازیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ سوچتی تھی کہ انگلستان اور مصر کی گرمیوں میں کس قدر زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جہاں انگلستان میں گل دریاچین کی فردوس پرور خوشبو دوش نسیم پر سوار ہو کر آتی اور مشام جاں کو معطر بنا دیتی ہے، وہاں مصر میں بادسموم کے جھلسنے والے جھونکے لوگوں کی آنکھوں میں صحرا کا ریگ لا کر جھونک دیتے ہیں۔

وہ جانتی تھی کہ اس کی آزادی سلب ہو چکی ہے اور اب اس کو بہت جلد مصر جا کر بطرس غالی بے کے نفس پرور آغوش میں رہنا پڑے گا۔ آہ! اس وقت پرنس امین بے نسیم کا کیا حال ہوگا، اور خود اس کے دل پر کیا بیتے گی؟

مارجوری کے دل سے ایک سرد آہ نکلی۔ اور وہ گھبرا کر محل کی طرف مڑی، اور تھوڑی دیر بعد برآمدہ میں پہنچ کر مسز قیطون کے پاس بید کی بنی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

اگست کا مہینہ رفتہ رفتہ گزر گیا اور اب پارلیمنٹ کا اجلاس ملتوی ہوتے ہی سر ہنری بھی ان لوگوں سے آ ملے۔ اس کے چند روز بعد مسز قیطون نے محض اس خیال سے کہ شاید بات چیت

کرنے میں مارجوری کا دل بہلے، چند آدمیوں کو اپنے ہاں مدعو کیا اور اسی طرح وقتاً فوقتاً پارٹیاں ہوتی رہیں۔

ایک روز مسز قیطون نے مارجوری کی پژمردہ حالت دیکھ کر اپنے شوہر سے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ مارجوری کے نازک دل پر کسی قسم کا رنج وملال غالب ہے۔''

سر ہنری۔''ہاں کچھ عرصہ سے میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ نوجوان شہزادہ پرنس امین بے نسیم کے فراق میں گھل رہی ہو۔ اور وہ بھی عجیب عاشق ہے کہ اس سے ایک دن بھی ملنے نہ آیا۔''

مسز قیطون۔''یہ خیال آپ کا صحیح نہیں، میرے نزدیک کوئی اور بات ہے اور دیکھئے تو کہ اس کی شادی کے دن بھی قریب آ رہے ہیں۔''

سر ہنری۔''اس نے آج تک اپنے آئندہ شوہر کی نسبت کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔ یہ عجیب معاملہ ہے، میرے خیال میں وہ اپنی اس شادی سے مطمئن نہیں نظر آتی۔ حالانکہ لڑکیاں ان لوگوں کی تعریف کے پل باندھ دیتی ہیں، جن سے ان کی شادی ہونے والی ہوتی ہے۔''

مسز قیطون۔''لیکن اپنے جہیز کا سامان اور جوڑے وغیرہ تو خرید چکی ہے اور میرے خیال میں بعض بعض چیزیں اس میں ایسی ہیں کہ اب تک میری نظر سے تو نہیں گزری تھیں۔ روپیہ پیسہ کا مارجوری نے کوئی خیال نہیں کیا۔ جب تمام سامان کی قیمت کا خیال آتا ہے تو دل حیران رہ جاتا ہے۔''

سر ہنری۔''اس نے شادی کی کوئی تاریخ بھی بتائی؟''

مسز قیطون۔''صرف ایک مرتبہ۔ کوئی مہینہ بھر گزرا جو اس نے بیان کیا تھا کہ اس کی شادی ماہ اکتوبر میں ہونے والی ہے۔''

سر ہنری۔''لیکن اس سے پہلے اس نے فروری میں بتایا تھا۔''

مسز قیطون۔''ہاں۔''

سر ہنری۔''الغرض مارجوری کی تمام باتیں راز ہائے سربستہ ہیں۔ واللہ اس قدر پیاری اور نیک اطوار لڑکی ہے کہ جب میں اس کو افسردہ اور غمگین دیکھتا ہوں تو میرا دل کڑھتا ہے۔''

مسز قیطون۔ اس سے زیادہ عجیب عورت اس کی خادمہ ماریہ ہے۔ یہ عورتیں ہمیشہ باتونی ہوا کرتی ہیں، لیکن وہ اس قدر گم صم رہتی ہے کہ کبھی بات ہی نہیں کرتی، ورنہ کمبخت کچھ تو بتا دیتی کہ اصل ماجرا کیا ہے؟''

سر ہنری۔''بیشک! اور مجھے یہ معلوم کرنے کا بے حد اشتیاق ہے کہ اس کی شادی کس سے ہونے والی ہے اور معاملہ اس قدر پردہ میں کیوں رکھا گیا ہے۔''

مسز قیطون۔''ہاں! نہ معلوم کیوں اس قدر رازداری برتی جاتی ہے؟''

دن کو گزرتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ ماہ اگست کے دن دیکھتے دیکھتے گزر گئے۔ محل میں وقتاً فوقتاً شاندار پارٹیاں ہوتی رہتی تھیں اور مہمانوں کے لئے ٹینس، بلیارڈ وغیرہ کھیلنے کے تمام سامان موجود تھے، کبھی کبھی وہ باہر نکل کر دریا میں مچھلی کا شکار کھیلتے اور کبھی جنگل میں گھس کر گیتر، خرگوش ولومڑی وغیرہ مارلاتے۔ اور مارجوری بھی چاہتی تھی کہ کسی طرح غم والم کا وہ بادل جو اس کے دل پر محیط ہے لوگوں کی صحبت اور سیر وشکار میں دور ہو جائے۔

پارٹی میں دو نوجوان بھی تھے جو مارجوری کے حسن پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ کافر ادا کسی طرح ایمان ہی نہیں لاتی تو وہ بہت حیران ہوئے، بلکہ مارجوری ان کی طرف قطعی نظر نہیں کرتی تھی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے تھے۔

ایک روز اگست کے آخر میں رات کے وقت بلیارڈ کھیلنے کے بعد مارجوری نے دردسر کا بہانہ کیا اور زینہ چڑھ کر اپنے کمرہ میں چلی آئی۔ یہاں ماریہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ مارجوری نے اپنی صورت قد آدم آئینہ میں دیکھی تو تمام رنگ مردہ کی طرح زرد یا سفید نظر آیا۔ اس نے ایک سیاہ شال نکال کر اپنے شانوں پر ڈالی اور اپنے ریشمی سلیپر اتار کر مضبوط چرمی جوتے پہنے، اس کے بعد وہ تھوڑی دیر کھڑکی میں کھڑی ہوئی، چاندنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی وہ ٹکٹکی باندھے چاند کی طرف دیکھتی رہی۔

کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ آدھی رات آنے والی ہے۔ دو تین منٹ وہ اور خاموش کھڑی رہی، اس کے بعد وہ دروازہ کھول کر دبے پاؤں زینہ سے اتری، نیچے پہنچ کر اس نے آہستگی تمام دروازہ کھولا اور چپ چاپ باہر نکل کر سبزہ زار پر پہنچ گئی۔

بعد ازاں وہ درختوں کے سایہ دار باغ سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوئی، اور اس سڑک پر پہنچ گئی جو جنگل کے سرے پر تھی۔ سڑک کے دونوں طرف شاہ بلوط کے تناور درخت کھڑے ہوئے تھے۔ سڑک سے گزر کر وہ جنگل میں گھسی اور تھوڑی دور چل کر ایک چشمہ کے کنارہ پہنچی جو پتھریلی زمین میں اٹھلاتا رقص کرتا اور گھنگرو بجاتا چلا جاتا تھا اور کچھ فاصلہ پر جا کر ڈارٹ نامی ندی میں گر گیا تھا۔ اس چشمہ کے کنارے کنارے بھی ایک چھوٹا سا راستہ جاتا تھا۔ اس راستہ سے چل کر وہ ایک تنگ گھاٹی میں پہنچ گئی۔

اس وقت ہلکی ہوا چل رہی تھی جو درختوں سے گزر کر پتوں میں سنسناہٹ پیدا کرتی تھی۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کو ایک شخص کے پاؤں کی آہٹ نہ سنائی دی جو چپ چاپ چوروں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

لیکن مارجوری اپنے خیال میں محو چلی جا رہی تھی۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے تیز چشمہ کے کنارہ پہنچی، یہاں وہ ایک پھاٹک کے سامنے رکی۔ جو اس راستہ پر لگا ہوا تھا جو کسی مزارع کے مکان کو جا رہا تھا۔

چند منٹ تک وہ یہاں کھڑے ہو کر چاروں طرف غور سے دیکھتی رہی، چاند کی سفید روشنی نے چشمہ کے پانی پر پڑ کر اس کو نقرۂ سیال بنا دیا تھا۔ درختوں کے سبز اور چمکتے پتے چاندنی میں ایسے چمک رہے تھے گویا چاندنی کے پترے جھلملا رہے ہوں۔ الغرض اس وقت مارجوری کے پیش نظر ایک نہایت ہی دلآویز منظر تھا۔

اس نے چاروں طرف کان لگائے، لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔ ہاں کچھ فاصلہ پر درختوں میں ایک الو کے بولنے کی آواز ضرور آتی تھی۔ اس کے بعد ایک خشک شاخ ٹوٹنے کی آواز کان میں آئی اور ایک منٹ بعد وہ اپنے عاشق جان نثار پرنس امین بے نسیم کی آغوش محبت میں تھی۔

امین بے۔ ''ریحانہ! میری جان تم آ گئیں! آخر جان پر کھیل کر آ گئیں؟''

ریحانہ نے اپنا منہ اٹھایا اور اپنے ہونٹ پرنس کے ہونٹوں سے مس کر دیئے۔ عرصہ کے بعد دو دل ملے تھے۔ شہزادہ نے فرط محبت سے مارجوری کو بھینچ رکھا تھا۔ دونوں اس وقت خود کو دنیا میں نہیں بلکہ جیتے جی بہشت میں سمجھ رہے تھے۔

پرنس کا ہاتھ ریحانہ کی نازک کمر میں حمائل تھا، اور وہ دونوں پھاٹک سے لگے کھڑے تھے۔ برابر سے شفاف پانی کا چشمہ ان کے ارمان بھرے دلوں پر قہقہے لگاتا ہوا بہہ رہا تھا۔ اتنے میں ایک الو، ان کے سروں پر سے بولتا ہوا گزرا، جو نہ معلوم اپنی حیوانی بولی میں ان کو کیا فہمائش کر رہا تھا، لیکن وہ اپنی دھن میں محو تھے۔

اس روز شام کو بعد غروب آفتاب پرنس امین بے نسیم نے ایک کار کرایہ پر لی تھی اور اس میں بیٹھ کر وہ قریب کے ایک گاؤں تک پہنچا تھا۔ جہاں اس نے کار چھوڑ دی اور خود تین چار میل پیدل چل کر جنگل ہی سے گزرتا ہوا اس مقام پر پہنچا جہاں ریحانہ نے اس کو اپنے ملنے کا مقام بتایا تھا۔ دونوں میں وقتاً فوقتاً خفیہ طور سے خط و کتابت ہوتی رہتی تھی۔

دونوں ایک دوسرے سے ایام مفارقت کی سختیاں بیان کر رہے تھے۔ آج اس روز کے بعد سے جب وہ دریائے ہون کے کنارہ فرانس میں ملے تھے اس قسم کی ملاقات کا پہلا موقع تھا۔

پرنس امین بے نے ریحانہ کی وفاداری کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ اگر اس نے وقت پر اطلاع نہ دی ہوتی تو آج وہ فرانس کے کسی جیل خانے میں ہوتا یا ناکردہ گناہ کے لئے پھانسی پا گیا ہوتا۔

امین بے۔ ''میری جان! الیشرٹن میں اس لئے آ کر چھپا تھا کہ تم سے قریب ہوں، لیکن تقدیر نے پھر فرار ہونے پر مجبور کیا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ پولیس والوں کو میرا پتہ چل گیا ہے۔''

ریحانہ کسی قدر سٹ پٹائی، وہ اس بات کا کیا جواب دے سکتی تھی۔ کیا یہ کہہ دیتی کہ اسے وہ سب حال پرنس کے قریب روسیا بطرس غالی بے سے معلوم ہوا تھا۔ نہیں وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔

ریحانہ۔ ''خیر! وہ بات مجھے اپنے ایک جان پہچان کے شخص سے معلوم ہو گئی تھی۔''

امین بے۔ ''جان پہچان کے شخص سے! کیا پولیس والوں سے بھی تمہاری شناسائی ہے۔''

ریحانہ۔ ''نہیں پولیس والا تو نہیں تھا وہ محض ایک دوست تھا، اور اس نے مجھے بتا دیا کہ

پولیس والوں کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ پرنس امین بے نسیم اس وقت لیشمرٹن کی پرانی سرائے میں مقیم ہے۔ بس یہ سنتے ہی میں دوڑی اور تم کو بذریعہ ٹیلیفون فوراً آگاہ کردیا۔ اگر ایسا نہ کرتی تو تم فوراً گرفتار ہوجاتے۔"

امین بے۔ "ہوتا کیا؟ خدا شاہد ہے ریحانہ میں قطعی بے گناہ ہوں۔ اور یہ بات تم خود بھی جانتی ہو۔"

ریحانہ۔ "بیشک! یہ صحیح ہے، لیکن پولیس بھی تو کسی کو پکڑتی ہی، اور وہ تم تھے جو گرفتار کئے جاتے۔"

امین بے۔ "میں اپنی کچھ پرواہ نہیں کرتا، خدا جانتا ہے کہ میں کس قدر تکلیفیں اٹھا چکا ہوں اور اب تو۔

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

اور یہ بھی دیکھ لو کہ اس گوشۂ تنہائی میں پڑے پڑے میری زندگی کیسی گزرتی ہے۔ بس مجھے اگر کچھ خیال ہے تو تمہارا ہے۔ یا اپنے والدین کا۔ واللہ! میرے خاندان والے کیا خیال کرتے ہوں گے۔ والد تو کہتے ہوں گے کہ اگر مردود پیدا ہی نہ ہوتا تو اچھا تھا۔"

ریحانہ۔ "گھبراؤ نہیں میرے پیارے مایوس نہ ہو۔ اللہ پر ایمان رکھو۔ کسی دن تمہاری بے گناہی دنیا پر ثابت ہوجائے گی۔ اس وقت سب ماں باپ اور عزیز تم کو چھاتی سے لگالیں گے۔"

امین بے۔ "خیر میری جان! جب تک تمہارے دل میں میری محبت ہے۔ جب تک میں کچھ پروا نہیں کرتا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم کو لے کر مصر یا ترکی کے علاقہ میں نکل جاؤں اور وہاں دونوں عیش کے ساتھ دن گزاریں۔ تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔"

ریحانہ خاموش تھی۔ اس کے لب بند تھے، وہ سوچتی تھی کہ کیا جواب دے۔ جھوٹی امید دلانا دغابازی اور کمینہ پن تھا۔ وہ خود کو کسی بات میں آزاد نہ سمجھتی تھی۔ اس کی باگ ڈور دوسرے کے ہاتھ میں تھی۔

ریحانہ۔ "نہیں پرنس! ہم دونوں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہیں گے۔ لیکن شادی

نہیں کرسکتے۔ یہ ناممکن ہے۔"

ریحانہ کے اس فقرہ نے امین بے کے دل پر بجلی کا کام کیا۔ اور وہ اس کی صورت تکتا رہ گیا۔

امین بے۔ "کیا تم مجھے اب بھی امید نہیں دلاؤ گی۔ باوجود یہ کہ تم کو مجھ سے اس قدر محبت ہے؟"

ریحانہ۔ "نہیں، محبت سے تو مجھے انکار نہیں۔ خدا جانتا ہے کہ سوائے تمہارے میرے دل میں اور کسی کی جگہ نہیں۔ ہر وقت میرے خیال میں تم ہی بسے رہتے ہو، اور میں ہر وقت تمہاری خیر و عافیت کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتی ہوں۔"

امین بے۔ "میری جان! یہی حالت میری ہے۔ دنیا بھر میں سوائے تمہارے اور میں کسی سے محبت نہیں کرتا، میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ دنیا جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے۔ جب تک تم میری ہو، تمام دنیا میری ہے۔"

یہ کہہ کر امین بے نے ریحانہ کو سینہ سے لپٹا لیا۔ اور اس کے چاند سے رخساروں کے گرما گرم دو چار بوسے لئے۔ مارجوری گھبرا گئی۔ وہ کئی ہفتہ سے اس رات کی منتظر تھی۔ وہ اس کے دیکھنے کو ترس رہی تھی۔ لیکن اب جب کہ وہ دونوں ہم آغوش تھے۔ اس کے دل میں بطرس غالی بے کا خیال آکر اس کو تھرا رہا تھا اور وہ بت کی طرح خاموش تھی۔

وہ اپنے عاشق کی محبت بھری گود میں تھی۔ وہ اس کے لبوں کے لذت آفریں لمس کو محسوس کر رہی تھی۔ دونوں سینہ بہ سینہ، لب بہ لب تھے۔

وہ جانتی تھی کہ پرنس امین بے نے خود کو محض اس کی وجہ سے مصیبت میں ڈالا ہے۔ محض اس خیال سے کہ اس کے معشوق کی بات میں فرق نہ آئے، لیکن سب بیکار۔ وہ دوسرے کی تھی۔

کچھ دیر تک وہ چاندنی میں اسی طرح خاموش بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ امین بے نے بات کرنا چاہا لیکن زبان نے یاری نہ دی۔ ملنے سے پہلے اس کے دل میں دفتر تھے۔ لیکن اب ایک لفظ بھی یاد نہ آتا تھا۔ فرطِ محبت سے اس کے دل میں تلاطم جذبات ہو رہا تھا، جس کی

وجہ سے اس کی زبان بند تھی۔

ریحانہ بھی عالم محویت میں بے خود پرنس کے سینہ سے لگی خاموش کھڑی تھی۔ لیکن مایوسیوں نے اس کے دل کو دکھا دیا تھا اور اب خاموش آنسوؤں کا ایک دریا اس کی آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔

امین بے حیران تھا۔ وہ رونے کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ شاید فرط محبت سے ایسا ہوا ہو، کیونکہ بعض اوقات لوگ شدت مسرت سے شادیٔ مرگ ہو جاتے ہیں۔ اس کو توقع تھی کہ وہ دونوں اپنی آئندہ زندگی اور مسرتوں پر گفتگو کریں گے، مگر اس کے برخلاف ریحانہ غمگین نظر آ رہی تھی۔ نہ وہ اس کو آئندہ کے لیے کوئی امید دلاتی تھی۔ اور نہ کوئی وجہ انکار بتاتی تھی۔ ممکن ہے کوئی خاص وجہ ہو۔ جسے وہ ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ اس نے فرط محبت سے ریحانہ کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ پیار کیا اور بولا۔

''میری جان! کیا بات ہے؟ تم اس قدر افسردہ خاطر اور غمگین کیوں نظر آتی ہو؟ کیا میں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ خدا کے لیے سچ بتاؤ۔''

لیکن ریحانہ نے غمگین منہ بناتے ہوئے اپنا سر ہلا کر نفی میں جواب دیا۔ لیکن پھر کچھ دیر کی پس وپیش کے بعد بولی۔

''تم میری مدد! افسوس! تم میری مدد ہرگز نہیں کر سکتے۔ قسمت کا پانسہ پڑ چکا ہے، اور میرے مستقبل پر سنگین مہر لگ چکی ہے۔''

امین بے۔ ''لیکن اس پراسرار مصیبت سے نجات کی کوئی صورت تو ضرور ہونی چاہیے۔''

ریحانہ۔ ''بس ایک صورت ہے۔ اور اسی صورت سے تم پر جو کچھ الزامات عائد ہیں وہ سب رفع ہو جائیں گے۔ اس وقت میرے دل میں سوائے تمہارے اور کسی کا خیال نہیں ہے۔ پرنس میرے پیارے پرنس ایک مرتبہ وہی الفاظ پھر کہہ دو کہ ریحانہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، میں تمہارا عاشق ہوں؟''

امین بے۔ ''ہاں میری جان! میں تم سے محبت کرتا ہوں، میں تمہارا عاشق ہوں تم پر مرتا ہوں۔ مرتا ہوں۔ مرتا ہوں، مرتا ہوں، تم مجھے جان سے زیادہ عزیز ہو۔ اور درحقیقت تم میری

ہو۔ میری.....''

ایک تند آواز۔ ''ہرگز نہیں، وہ ہرگز تمہاری نہیں۔''

یہ اچانک آواز سنتے ہی وہ دونوں چونکے اور حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ریحانہ سنتے ہی آواز کو پہچان گئی تھی۔ وہ جلدی سے پرنس امین کی آغوش سے تڑپ کر علیحدہ ہو گئی۔

امین بے غضبناک ہو کر۔ ''اور جناب من! آپ کون صاحب ہیں؟ اور آپ کو اس دخل درمعقولات کا کیا حق حاصل ہے؟''

یہ کہتا ہوا پرنس امین اس نووارد کی طرف بڑھا جس نے چوروں کی طرح آ کر رنگ میں بھنگ کر دیا تھا۔

شخص کرخت آواز سے۔ ''یہ بات ان بیگم صاحبہ سے پوچھو۔''

امین بے۔ ''کیا ریحانہ! تم اس شخص سے واقف ہو؟''

ریحانہ نووارد شخص کے سامنے دوزانو ہو گئی اور شکستہ آواز میں بولی۔

ریحانہ۔ ''افسوس! ہاں میں ان کو خوب جانتی ہوں۔''

امین بے۔ ''سنیئے جناب! ان لیڈی صاحب سے میری دوستی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے درمیان کوئی شخص مداخلت کرے۔''

شخص۔ ''ممکن ہے یہ آپ کی دوست ہوں۔ لیکن میں آپ کو یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ آپ کی نہیں میری ہیں۔ ان سے پوچھیئے کیا میں قاہرہ کا کروڑپتی بطرس غالی بے نہیں ہوں؟ کیا میں سچ نہیں کہہ رہا ہوں؟''

ریحانہ نے اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا، اور زار و قطار رونے لگی۔ آج اس کا راز فاش ہو چکا تھا۔ اور اب حقیقت پر پردہ ڈالنا بیکار تھا۔ بطرس غالی بے نے اپنی ہوشیاری اور مکاری سے بالآخر اس کے روپوش عاشق کا پتہ لگا ہی لیا تھا۔

پرنس امین بے نسیم کا غیظ وغضب بھڑکا، لیکن بطرس بے نے کچھ پرواہ نہ کی۔ وہ متکبرانہ ہنسا۔ وہ اس وقت ایک فتح مند شخص کی طرح بغلوں میں ہاتھ ڈالے دلیرانہ کھڑا ہوا تھا۔

بطرس۔ ''آج آخر کار میں نے تم دونوں کو پکڑ ہی لیا۔ مجھے بہت دنوں سے شبہ تھا کہ تم اس

مصری شہزادہ پر فریفتہ ہو۔ اور اسی وقت سے میں تم دونوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ چنانچہ آج تم دونوں پکڑے گئے۔ اچھا اب سن لو! قریب ہی ایک پولیس افسر موجود ہے۔ جو میرے ایک اشارہ پر تمہارے اس عاشق یا معشوق کو بجرم قتل مارشمون فوراً گرفتار کرلے گا۔''

امین بے۔ ''مجھے گرفتار کرے گا؟''

بطرس۔ ''ہاں تمہیں! لیکن میں مہربانی سے کام لوں گا۔ سن لو جو بات میں پیش کرتا ہوں۔ میں تمہارے اس عاشق کو صرف ایک شرط پر آزادی دے سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم پرسوں بروز جمعرات فوراً لندن سے قاہرہ کو روانہ ہو جاؤ۔ بس اب تمہاری آزادی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ تم نے اپنا معاہدہ توڑ ڈالا، اور اب تم بلا شرط میرے پاس آ جاؤ گی۔ ممکن ہے تم میرے ساتھ مصر جانا پسند نہ کرو۔ اس لیے جس وقت تم اسکندریہ پہنچو گی تو اسٹیشن پر تم کو رفاقت کے لیے ماریہ اور محمود ملیں گے۔ جن کے ساتھ تم سفر کر سکتی ہو۔''

ریحانہ بدیدۂ اشکبار۔ ''لیکن! لیکن!! ہائے میرے اللہ! میں تو نہیں جا سکتی۔ میں۔ میں......!''

بطرس تحکمانہ لہجہ میں۔ ''نہیں تم کو جانا پڑے گا۔ جھوٹے بہانے فضول ہیں۔ اب تمہاری شنوائی ہرگز نہیں ہو سکتی۔''

ریحانہ روتے ہوئے۔ ''اچھا تو میں یقین کر لوں کہ تم شہزادہ کو آزادی دے دو گے اور اس کے تمام الزامات رفع کرا دو گے؟''

بطرس۔ ''بیشک! میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہارے معشوق پرنس امین بے نسیم کو آزادی دلا دوں گا، اور جس قدر الزامات اس کے خلاف ہیں وہ سب رفع کرا دوں گا۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تم میری ہو میری! اور کسی شخص کی ہرگز نہیں ہو سکتیں۔''

☆......☆......☆

بطرس غالی کے عالیشان محل یا بیت الشمس میں ایک خوبصورت وسیع کمرہ ہے، جو مشرقی و مغربی مختلف قسم کے قیمتی سامان اور نوادرات سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا ہے۔ فرش پر رومی و ایرانی ریشمی قالین بچھے ہوئے ہیں۔ جن کے روئیں میں انسان ٹخنوں ٹخنوں تک دھنسا چلا جاتا

ہے۔ جگہ جگہ مختلف مقامات پر قرینہ سے فرانس کے بنے ہوئے مرمریں بت رکھے ہوئے ہیں۔ چینی، کشمیری، رومی، ریشمی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے ماہرین فنون لطیفہ کے کارنامے تصاویر کی صورت میں جگہ جگہ آویزاں ہیں۔ کمرہ کے سامنے ایک پائیں باغ ہے، جس میں مختلف شکل و صورت کے دلآویز خیابان بنا کر مصری اور یوروپین پھول اگائے گئے ہیں۔ درمیان میں سنگ مرمر کا بنا ہوا ایک فوارہ سیال موتی نچھاور کر رہا ہے۔ خزانۂ آب میں بجائے پانی کے عرق گلاب بھر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے مکینوں کا دماغ معطر ہو رہا ہے۔

کمرہ کے سامنے فوارہ کے قریب ماریہ کھڑی ہوئی تھی جو ابھی دو گھنٹہ ہوئے اپنی مالکہ کے ساتھ اسکندریہ سے آئی تھی۔ اتنے میں ایک آبنوس کا کندہ قوی الجثہ حبشی آیا اور ماریہ سے کہا۔

''آپ کو آقا نے تخلیہ میں طلب فرمایا ہے۔''

ماریہ۔ ''مجھے! اچھا چلو۔''

یہ کہہ کر وہ حبشی کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔ جس نے اس کمرہ کا دروازہ کھول دیا۔ جس میں بطرس غالی بے بیٹھا ہوا تھا۔ ماریہ اس کمرے کو خوب پہچانتی تھی اور اس محل کو بھی جانتی تھی جو مصری قصر خدیو کے مقابلہ کا تھا۔ اسی کمرے میں تقریباً دو سال گزرے بطرس بے نے ماریہ کو طلب کر کے بعض ہدایتیں کی تھیں۔ اب وہ حیران تھی کہ مجھ کو کیوں طلب کیا گیا ہے؟''

لندن سے قاہرہ تک کا سفر کچھ دلچسپ نہیں رہا۔ ریحانہ اور ماریہ نے مسز قیطون اور سر ہنری سے مختلف قسم کے عذرات پیش کر کے رخصت حاصل کی تھی۔ اور بجائے اس کے کہ وہ فرانس ہوتے ہوئے آتے انہوں نے اسکندریہ تک سیدھا جہاز میں سفر اختیار کیا۔ اسکندریہ پہنچ کر ان کو بطرس بے کے محل کا ناظر محمود ملا جو نہایت شاندار خوبصورت وردی پہنے ہوئے تھا۔ اسکندریہ سے وہ بذریعہ ٹرین قاہرہ آئے اور وہاں سے بذریعۂ کار انہوں نے ہیلیو پولیس یا دار الشمس کا سفر کیا، جس کو قدیم زمانہ میں سورج نارائن کا استھان یا شہر عون کہتے تھے۔

جس وقت ماریہ کمرہ میں داخل ہوئی اس نے اپنے سامنے بطرس بے کو بیٹھا پایا۔

بطرس۔ ''ماریہ! بس اب تمہاری خدمات کی مس مار جوری کو ضرورت نہیں۔ تم نے نہایت وفاداری سے کام کیا۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے، تم نے میرے احکام کی لفظ بہ لفظ تعمیل کی۔

اورتم نے ہرطرح اپنی مالکہ کوآرام پہنچایا۔''

ماریہ۔''یہ جناب کی قدردانی ہے،ورنہ میں کیااورمیری خدمات کیا۔''

بطرس۔''میں جانتا ہوں،اوراسی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ تم یہ حقیر سا انعام حسن خدمات کے صلہ میں قبول کرلو۔اس لفافہ کے اندر تمہارے لیے چیک ہے،جوسو پونڈ مصری کا ہے۔جو لندن جاکر بھناؤ گی۔علاوہ ازیں مقدونیہ نامی جہاز کا ایک ٹکٹ جس پر تم پورٹ سعید جاکر سوار ہوجاؤ گی۔بس تم آج ہی رات کو قاہرہ سے چلی جاؤ۔تاکہ جہاز کی روانگی کے وقت پہنچ جاؤ۔''

ماریہ۔''تو میں کم ازکم مس مارجوری سے تو نیاز حاصل کرلوں؟''

بطرس۔'' کچھ ضرورت نہیں۔ورنہ تمہارا ٹکٹ ضبط کرلیا جائے گا۔دوسرے وہ اس وقت لیٹ گئی ہیں،اورانہوں نے مجھے کہلا بھیجا ہے کہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔''

یہ کہتے ہی بطرس بے نے تالی بجائی،جس کے سنتے ہی ایک خونخوار صورت قوی ہیکل زنگی نمودار ہوا،جس سے بطرس بے نے عربی زبان میں کوئی بات کہی اور وہ ماریہ کو لے کر کمرہ سے باہر چلا گیا۔

اس کے بعد بطرس نے کمرہ میں ادھر ادھر گھومنا شروع کیا۔اورخود بخود بکنے لگا۔

''آخر کار آج میرا محل منور ہو ہی گیا۔اوراب اس گھر سے یہ نور کی پتلی مرکر ہی نکلے گی۔ اور جب کبھی باہر بھی جائے گی تو اسمٰعیل اس کے ساتھ ہوگا۔میں نے اس کو آزادی دے کر بڑی غلطی کی تھی۔نہ میں ایسا کرتا نہ وہ عشق بازیوں میں پھنستی۔سب میرا قصور ہے۔مگر میں جانتا تھا کہ وہ اپنی آئندہ مسرتوں اوراپنی آئندہ زندگی کو اس نوجوان شہزادہ کی محبت میں قربان کردے گی اور ایسا ہی ہوا۔واللہ!یہ عورت اس مردود پر کس قدر فریفتہ ہے،لیکن میں بھی بغیر انتقام لئے چین سے نہ رہوں گا۔''

اس کے بعد وہ خوب ہنسا اور پھر خاموش ہوکر ایک پرتکلف آرام دہ کرسی پر دراز ہوکر تالیاں بجائیں۔فوراً ایک حبشی نمودار ہوا۔

بطرس۔''الیزہ کو بلاؤ۔''

حبشی۔''بہت اچھا حضور!''

تھوڑی دیر بعد ایک ادھیڑ قبطی عورت انگریزی لباس پہنے کمرے میں داخل ہوئی۔اور سلام کیا۔

بطرس۔''الیزہ حسینہ اب وہ آہو رم خوردہ پھر قبضہ میں آ گیا ہے،یعنی مارجوری کولیر تشریف لے آئی ہیں۔''

الیزہ۔''جی ہاں،کوئی گھنٹہ بھر ہوا میں نے بھی سنا تھا۔''

بطرس۔''اچھا تو سنو!میرا ارادہ ان سے ایک ہفتہ بعد شادی کرنے کا ہے۔اتنے میں خستگی سفر بھی دور ہوجائے گی۔تم تمام امور سرانجام کردو۔میں نے لوگوں کے نام رقعے بھی ارسال کردیئے ہیں۔ضیافت نہایت پرتکلف ہونی چاہئے۔''

الیزہ۔''ہرحکم کی لفظ بہ لفظ تعمیل کی جائے گی۔''

بطرس۔''اچھا جاؤ۔ سب لوگوں کو خبر کردو اور ابھی سے انتظام میں مصروف ہوجاؤ،اور مارجوری کو بھی میرے پاس بھیج دو۔''

الیزہ چلی گئی،اور بطرس بدستور وہیں بیٹھا ہوا کسی بات پر دل میں غور کرنے لگا۔تھوڑی دیر بعد دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک دیوزاد حبشی کی ہمراہی میں ریحانہ کمرے میں داخل ہوئی۔اس وقت وہ پیرس کا بنا ہوا نہایت پرتکلف لباس پہنے ہوئے تھی۔اگرچہ اس کا چہرہ اترا ہوا،اور رنگ پھیکا تھا۔

ریحانہ۔''تم نے مجھے طلب کیا ہے!کہئے کیا مطلب ہے؟تم نے ماریہ کو ناحق رخصت کردیا،اور مجھ سے ملنے بھی نہ دیا۔یہ عجیب حرکت ہے۔ابھی سے یہ حال ہے تو آگے خدا خیر کرے۔''

بطرس۔''اب اس کی کیا ضرورت رہ گئی تھی۔گھر میں سیکڑوں خادمائیں اصیلیں موجود ہیں۔خیر!میں نے آپ کو ایک بات کہنے کے لیے بلایا ہے،اور وہ یہ ہے کہ معاملہ صاف ہوجانا چاہئے۔مجھ کو ترستے ہوئے بہت عرصہ گزر گیا ہے،اب میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ آج سے ایک ہفتہ بعد ہم دونوں کی شادی ہوجائے۔میں نے جملہ انتظامات کے لیے احکام جاری کردیئے ہیں۔''

ریحانہ۔''ایک ہفتہ!تو آپ نے یہ مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ میں آپ کی بیوی بن جاؤں۔''

بطرس۔''یقیناً!آپ کوتو سب باتیں معلوم ہیں۔کس طرح آپ کے والد انگلستان سے ناراض ہوکر مصر میں آئے اور مصری ہو گئے تھے۔''

ریحانہ۔''ہاں میں جانتی ہوں۔انگلستان والے کہتے ہیں کہ ان کے مزاج میں سنک تھی۔ کیونکہ انہوں نے مصر کو فائدہ پہنچانے کی خاطر اپنی تمام دولت آبپاشی کی اسکیموں میں لگادی۔''

بطرس۔''جی ہاں!یہ وہ اسکیمیں تھیں جن سے انہوں نے 35لاکھ پونڈ کمائے۔''

ریحانہ۔''اور تم جو معتمد خاص اور منیجر تھے کتنے کمائے ہوں گے۔اب رہی یہ بات کہ میرے والد سنکی مزاج تھے یا کیا۔اس کا فیصلہ کرنا میرا کام نہیں۔میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ مقام اسیوط میں دریائے نیل کے کنارہ ایک عالیشان سفید محل تھا، جس میں، میں پیدا ہوئی تھی۔اور جب پانچ برس کی تھی تو میری والدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔''

بطرس۔''اور پھر تمہارے والد نے جن کے رگ وریشہ میں مصری زندگی سرایت کرگئی تھی، اسلام قبول کرلیا۔اور ایک عرب حسین لڑکی سے شادی کرلی۔اور جب تم بارہ برس کی تھیں تو تمہاری یہ سوتیلی والدہ بھی انتقال کرگئی تھیں۔اس کے بعد انہوں نے پورے مراسم کے ساتھ تمہاری منگنی مجھ سے کردی۔اور یہ وہ رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔کیونکہ قانون کا حکم رکھتا ہے۔ میں اب سے چھ ماہ پیشتر تم سے شادی کرچکا ہوتا، لیکن میں تمہاری خوشنودگی مزاج کا خواہاں رہا۔اور تم کو ہر طرح کی آزادی دی۔بس اب مجھ سے انتظار نہیں ہوسکتا۔''

ریحانہ۔''افسوس!میرے والد نے تمہارے ظاہر پر خیال کیا، باطن پر غور نہ کیا۔ورنہ وہ اپنی بیٹی کو دیدہ ودانستہ اس طرح کنوئیں میں نہ جھونکتے۔وہ تم کو اپنی نصف دولت بھی دے گئے اور اپنی بیٹی بھی۔''

بطرس۔''اور جب تم سے شادی ہوجائے گی تب مجھے تمہارے حصہ میں سے بھی دس لاکھ پونڈ ملے گا۔''

ریحانہ۔''لیکن تم تو پہلے ہی سے امیر ہو، تمہیں روپیہ پیسہ کی کیا ضرورت ہے۔''

بطرس۔''نہیں مجھے ضرورت ہے۔''

ریحانہ۔''اچھا تو میں تمہیں اپنی تمام دولت دیئے دیتی ہوں۔تم مجھے آزادی دے دو۔''

بطرس۔''تمہاری آزادی۔اس واسطے آزادی دے دوں کہ تم اس مردود مصری شہزادہ کے ساتھ مزے اڑاؤ اور میں دیکھ دیکھ کر جلوں۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔تمہیں مجھ سے شادی کرنی پڑے گی۔تمہیں میری بیوی بننا پڑے گا اور یہی تمہارے والد کا منشاء تھا۔''

ریحانہ۔''میرے والد نے جو کچھ کیا بغیر سوچے سمجھے کیا۔''

بطرس۔''جس طرح بھی کیا بہر حال کیا۔ان کا مقصد یہی تھا کہ تم مجھ سے شادی کرو، اور یہ تم کو کرنا پڑے گا۔میں نے تمہیں آزادی دی اور تم نے مجھ سے دغا کی۔بس اس کی سزا یہ ہے کہ آج سے ایک ہفتہ بعد ہمارا تمہارا عقد ہوجائے گا۔میں صرف تمہارے والد کے وصیت نامہ کی تعمیل کررہا ہوں۔جو لکھا ہوا، رجسٹری شدہ موجود ہے، اور جو تم بھی پڑھ چکی ہو۔''

ریحانہ۔''لیکن جب وہ بستر مرگ پر دراز تھے اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور وہ مجھے یہ ہدایت کر کے مرے کہ''میں تم سے بچتی رہوں۔''

☆......☆......☆

بطرس۔''میں خوب جانتا ہوں کہ تم مجھ سے سخت نفرت کرتی ہو۔لیکن اس سے میرے ارادہ میں فرق نہیں آسکتا۔''

ریحانہ۔''تو اب تم نے مجھے اس فلک بوس قید خانہ میں بند رکھنے کا ارادہ کرلیا ہے۔''

بطرس۔''قیدی نہیں تم کو اپنی بیوی بنانے کا ارادہ کیا ہے۔تم کس کی بیوی ہوگی۔اس کی جو مصر میں سب سے زیادہ متمول اور سب سے زیادہ طاقت ور شخص ہے۔اس شخص کی جس سے انگلستان میں انگلش نواز زادیاں بات کرنا اپنی عزت سمجھتی ہیں۔اور جن میں سے ہر ایک مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہے اور اپنا فخر سمجھتی ہے۔''

ریحانہ۔''ہاں ایسے شخص کے ساتھ شادی کرنا ضرور فخر سمجھے گی جس نے میرے والد کی نصف دولت لوٹ لی۔اور بقیہ نصف بھی لوٹ لینے کو تیار ہے۔''

بطرس بے کے دل پر ریحانہ کے یہ الفاظ تیر ونشتر بن کر لگے وہ غصہ کے مارے ہونٹ چبانے لگا۔

بطرس۔ ''مصری مردوں کے کان عورتوں کی زبان سے اس قسم کے گستاخانہ الفاظ سننے کے عادی نہیں۔یاد رہے میں تمہارا آقا تمہارا مالک ہوں۔''

ریحانہ۔ ''لیکن تم مجھے اپنے محل میں قید نہیں رکھ سکتے۔قانون ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

بطرس۔''بطرس بے کے سامنے قانون کوئی چیز نہیں۔وہ مصر میں جو چاہے کر سکتا ہے۔اور کسی کی مجال نہیں جو اس سے آنکھ ملا سکے۔''

آہ!وہ جانتی تھی کہ جو کچھ اس خونخوار قبطی کی زبان سے نکل رہا ہے وہ سب صحیح ہے اور واقعی اب اس کو اس عظیم الشان محل میں قید رہنا پڑے گا۔ریحانہ بطرس کی طرف سے بحقارت منہ پھیر کر کھڑکی کی طرف گئی اور وہاں مناظر قدرت کی سیر کرنے لگی۔

ریحانہ کے دل میں فوراً پرنس امین بے نسیم کا خیال آیا۔یہ وہ شخص تھا جس کی محبت میں اس نے اپنی تمام آئندہ زندگی اور اس کی مسرتیں قربان کر دی تھیں۔لیکن اب اس کو مایوسی ہو گئی، کہ اس کی ملاقات اپنے محبوب شہزادہ سے کبھی نہ ہو گی۔بطرس بے یہ بھی نہ کرے گا کہ اس کی تمام دولت لے کر اس کو آزاد کر دے۔علاوہ ازیں یہ قبطی نہایت ظالم اور کینہ پرور شخص تھا۔وہ ریحانہ کو مجبور کر کے اس سے انتقام لینے کا خواہشمند تھا۔وہ بت کی طرح ساکت و صامت کھڑی ہوئی مغرب کی طرف میدان کو دیکھ رہی تھی۔

بطرس نے جو اس محبوبۂ دلنواز کو اس حالت میں دیکھا تو وہ بے قرار ہو کر دبے پاؤں اس کی طرف آیا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر گود میں اٹھا لیا اور اپنے لب اس کے نازک لبوں سے مس کر دیئے۔

ریحانہ تڑپی، کاٹ کھایا، اس کے ہاتھ ناخنوں سے زخمی کر دیئے۔لیکن اس نے نہ چھوڑا۔

بطرس۔''یہ سب کوششیں فضول ہیں۔اب آپ ہرگز نہیں بچ سکتیں۔اب میں سخت بے قرار ہو رہا ہوں، میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

اسی اثناء میں ریحانہ نے جدوجہد کر کے خود کو آزاد کر لیا۔اور اب وہ اس کے سامنے ایک غضبناک شیرنی کی طرح کھڑی ہو کر ہزار ہا بے نقط سنانے لگی۔

بطرس بے ان سخت گالیوں کی تاب نہ لا سکا، اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا، وہ گھونسہ تان کر جھپٹا اور ریحانہ کی کنپٹی پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔

وہ دھان پان سی اس سلوک کی تاب کب لا سکتی تھی۔اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔اور وہ تیورا کر فرش پر گر پڑی۔

عین اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا، اور ایک حبشی خادم داخل ہوا۔اور اس کے پیچھے ایک ہٹا کٹا، تندرست و توانا انگریز داخل ہوا۔یہ شخص وہی مسٹر کلیمنٹ تھا جو ایشبرٹن پرانی سرائے میں پرنس امین بے نسیم کے متعلق جاسوسی کر کے بطرس بے کو خبریں پہنچایا کرتا تھا۔

بطرس برافروختہ ہو کر۔''جاؤ جاؤ، نکل جاؤ، تم کو میری اجازت کے بغیر اس طرح میرے کمرہ میں آنے کا کوئی حق حاصل نہیں، جاؤ میں تم سے پھر کسی وقت ملوں گا۔

کلیمنٹ۔''جس کام کے لئے میں آیا ہوں اس میں ہرگز تاخیر نہیں ہو سکتی، مجھے سخت ضروری کام ہے۔''

بطرس۔''اچھا تو یہاں مت بیان کرو۔ میں چند لمحہ بعد تمہارے پاس آتا ہوں۔''

کلیمنٹ۔''نہیں مجھے یہیں، ابھی اور ان لیڈی صاحبہ کے سامنے بیان کرنا ہو گا۔مس کولیر میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اور وہ بات تم سے اور اس مصری شہزادہ سے متعلق ہے، جس کی میں اس شخص کے حکم سے نگرانی کیا کرتا تھا۔''

ریحانہ۔''پرنس امین بے نسیم! کیا تم اس پر جاسوس تعینات تھے۔''

کلیمنٹ۔''ہاں اس شخص کے حکم سے۔''

بطرس۔''وہ مردود امین بے مارشمون کا قاتل ہے۔لیکن خیر! اب میں اس کی پرواہ نہیں کرتا، پولیس کو اس کے مقام کا خود بخود پتہ لگ جائے گا۔اور وہ دھر لیا جائے گا۔''

ریحانہ۔''تم پرنس کو گرفتار کرا دو گے۔''

بطرس۔''میں اب سے دو گھنٹے پیشتر پلائمتھ کی پولیس کو اطلاع دے چکا ہوں کہ وہ شہزادہ قاتل کہاں چھپا ہوا ہے۔اور انہوں نے اب تک اسے گرفتار بھی کر لیا ہو گا۔''

یہ سن کر ریحانہ کے سینہ میں ایک گھونسہ لگا اور وہ دل تھام کر بیٹھ گئی۔آہ اس کی اس قدر

زبردست قربانی بھی بیکار گئی۔

کلیمنٹ۔ ”نہیں! غالباً آپ مجھے کچھ اور بھی عرض کرنے کی اجازت دیں گی۔ میں اور مارشمون دونوں دو ڈھائی سال سے اس شخص کے ایجنٹ بنے ہوئے آپ کی نگرانی کر رہے تھے......“

بطرس۔ ”بس! بس! رہنے دو، اور جاؤ۔“

کلیمنٹ۔ ”نہیں ہرگز نہیں، بس خاموش رہو، یاد رہے میں نے ابھی تمہیں اس لیڈی کو زدوکوب کرتے دیکھا ہے۔“

بطرس۔ ”وہ میری نامزد ہے، میری اس سے شادی ہونے والی ہے۔“

کلیمنٹ۔ ”یہ تمہاری نامزد! تم اور ان سے شادی!“

بطرس۔ ”ہاں!! ہاں!!“

کلیمنٹ۔ ”بہر حال مس کولیر میں آپ سے دو چار واقعات ضرور عرض کروں گا۔ آپ کو معلوم ہو گیا کہ مسٹر مارشمون کس طرح آپ کی نگرانی کے لئے تعینات کیا گیا تھا۔ اور پھر اس سے آپ کی دوستی ہو گئی، اور پھر وہ نیقیہ میں کس افسوسناک طریقہ سے مارا گیا۔“

بطرس۔ ”ہاں! امین بے نسیم نے رشک وحسد سے جل کر اسے قتل کیا۔ خیر اب وہ آج ہی شام کو گرفتار ہو جائے گا۔“

کلیمنٹ ہنس کر۔ ”لیکن خوش قسمتی سے فرانسیسی پولیس کو جملہ واقعات کی خبر ہو گئی ہے، آج دو مصری ملاحوں نے بھی میرے سامنے قاہرہ میں محکمہ پولیس کے افسر اعلیٰ کے سامنے ایک خوبصورت مظلوم لڑکی کی پراسرار موت کے متعلق بیانات دیئے ہیں، جو تمہاری بیوی تھی۔ اور جس کو تم نے اپنے بجرہ پر سے دریائے نیل میں گرا کر غرق کر دیا تھا۔“

بطرس۔ ”کیسے بیانات؟“

کلیمنٹ۔ ”رفتہ رفتہ خود بخود معلوم ہو جائے گا۔“

ایک آواز۔ ”الگ ہٹ جاؤ۔“

[illegible] ہوا اور قاہرہ کی پولیس کا انگریز افسر اعلیٰ، ایک مصری انسپکٹر پولیس، چار مصری

کانسٹیبل جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے حسان ابن الملک الاقصر کا ترجمان اور پرنس امین بے نسیم بھی تھے۔“

تھوڑی دیر تک تو ریحانہ کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ وہ سمجھی کہ میں خواب دیکھ رہی ہوں، لیکن جب تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے سامنے اپنے محبوب پرنس کو دیکھا تو وہ حیران و ششدر رہ گئی۔

بطرس تحکمانہ لہجہ میں۔ ”ہیں!! اس دخل در معقولات کے کیا معنی ہیں؟ میرا محل اور پولیس؟“

پولیس افسر۔ ”بطرس غالی بے! تم خود کو ایک انگریز مسمی مارشمون کے قتل کرنے کے جرم میں زیر حراست سمجھو۔ فرانس کی پولیس نے کافی ثبوت بہم پہنچا کر تم کو ماخوذ کیا ہے۔ اور وہ تم کو سرکاری طور پر فرانس طلب کرتے ہیں۔“

یہ الفاظ سنتے ہی بطرس بے کا رنگ زرد ہو گیا۔ منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ آہ! یہ وہ مغرور شخص تھا، جو ابھی نصف گھنٹہ قبل یہ کہتا تھا کہ قانون اس کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے۔ اور کسی کی کیا مجال جو اس کے سامنے آنکھ اٹھا سکے۔ آج یہی شخص مظلوموں جیسی صورت بنائے بے بس پولیس کے سامنے کھڑا ہے۔

پرنس امین۔ ”مجھے بھی تو کچھ عرض کر لینے دو۔ جس رات کو یہ شخص ہم کو بمقام مچل کومبے میں نظر آیا تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں نے اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے، خیر تمہارے چلے جانے کے بعد خیال آیا کہ میں نے اس شخص کو انگریزی لباس میں بمقام نیقیہ اس ہوٹل میں دیکھا ہے جہاں میں نے اور مارشمون دونوں نے چائے پی تھی۔ مچل کومبے میں جب اس شخص نے ہم کو جبراً جدا کیا تو اس سے اگلے روز میری ملاقات مسٹر کلیمنٹ سے ہوئی۔ جن کو میں پہلے سے جانتا تھا۔ لیکن یہ نہ جانتا تھا کہ وہ بطرس بے کے ایجنٹ ہیں۔ بہر حال میں نے ان کو اپنا دوست سمجھ کر ان سے تمام اپنا حال بیان کر دیا۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ شخص بطرس مس مارجوری کو جبراً اپنے عقد میں لانا چاہتا ہے تو اس کی انگریزی شرافت کو جوش آیا۔ اور اس کو یہ بھی کامل یقین ہو گیا کہ مجھ پر قتل کا الزام قطعی غلط ہے۔ یہ صاحب فوراً نیقیہ تشریف لے

گئے اور جب وہاں پہنچ کر نہایت جانفشانی سے تحقیقات کی تو بعض عجیب باتیں معلوم ہوئیں۔''

کلیمنٹ۔ ''جی ہاں، جب میں نے تحقیقات کرنا شروع کی، تو مجھے معلوم ہوا کہ جس مکان میں مسٹر مارشمون قتل ہوئے اس کی بالائی منزل میں ایک اور شخص بھی رہتا تھا۔ جس کے فوٹو کی شناخت کر کے معلوم ہوا کہ وہ حضرت یہی ذات شریف بطرس تھے۔ علاوہ ازیں جس کمرہ میں قتل واقع ہوا تھا۔ وہاں باریک شیشہ کے ٹکڑے پائے گئے تھے۔ جن کو ماہر کیمیکل نے بعد غور و خوض انکشاف کیا کہ یہ ٹکڑے اس قمقمہ کے ہیں جس میں ایک مہلک گیس ''امیل نائٹریٹ'' تھی۔ اس گیس کا خاصہ یہ ہے کہ قمقمہ سے نکلتے ہی بذریعہ سانس اندر پہنچتی اور انسان کو فوراً بیہوش کر دیتی ہے۔ اور اگر بمقدار کثیر اندر پہنچ جائے تو موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ مزید تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وقوعۂ قتل سے پہلے کسی شخص نے پیرس کے ایک کیمیکل کمپنی سے اس مہلک گیس کے چند قمقمے خریدے تھے۔ میں نے بطرس بے کا فوٹو جو میرے پاس تھا۔ پولیس کی معرفت دکاندار کو دکھایا تو اس نے دیکھتے ہی شناخت کر لیا کہ ہاں اسی شخص نے یہ قمقمے خریدے تھے۔ جب پولیس پر یہ حقیقت آشکار ہوئی تو اس نے پرنس امین بے نسیم کے وارنٹ فوراً منسوخ کر دیئے اور ان کے بجائے بطرس غالی بے کے نام وارنٹ جاری کر دیئے۔ آہ! مجھے معلوم نہ تھا کہ میں ایک خونخوار قاتل کی ملازمت کر رہا ہوں۔ اس ظالم نے خود مارشمون کو قتل کیا اور الزام قتل پرنس امین بے کے سر تھوپ دیا۔ اس طرح ایک پنتھ دو کاج کرنا چاہا۔ میں اور پرنس امین بے دونوں ساتھ آئے ہیں۔''

ریحانہ۔ ''اور آئے بھی تو کیا وقت پر آئے کہ میری جان بچ گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اصل مجرم گرفتار ہوا، اور پروردگار نے میرے پیارے پرنس کی جان بچائی۔

پولیس۔ ''علاوہ ازیں ان حضرت پر ایک اور بھی الزام لگایا گیا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنی بیوی کو دریائے نیل میں بجرہ سے گرا کر ڈبو دیا۔ اور اس طرح یہ قتل عمد کے مرتکب ہوئے۔

بطرس۔ ''جھوٹ!! قطعی جھوٹ!! خدا ان مردودوں کو غارت کرے۔''

اس وقت بطرس بے جس کے تمام ارمان پورے ہونے ہی کو تھے، اپنی بے بسی پر جامہ سے باہر ہو گیا اور اس نے سیکڑوں گالیاں سنانی شروع کیں۔ اس کے بعد دفعتاً اس نے اپنا ہاتھ

سینہ کے پاس سے نکالا جہاں وہ دیر سے رکھے ہوئے تھا، اور اس مقام کے قریب پہنچ کر جہاں ریحانہ اور پرنس امین بے نسیم دونوں طالب و مطلوب کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے باریک شیشہ کی کوئی چیز توڑی اور سخت آواز میں کہا۔

''لو تم بھی انعام لیتے جاؤ۔''

قمقمہ کے ٹوٹتے ہی ایک قسم کی بو اور گیس پیدا ہوئی۔ پرنس امین بے ریحانہ کو گود میں اٹھا کر فوراً دروازہ سے باہر نکل گیا۔ حسان بھی اس کے پیچھے تھا۔ ادھر پولیس والے دوڑ کر کھڑکیوں میں کھڑے ہو گئے۔ لیکن جب انہوں نے منہ موڑ کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بطرس غالی بے جس کے اندر وہ مہلک گیس بمقدار کثیر پہنچ گئی تھی لڑکھڑایا اور فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

جب کافی ہوا صاف ہو گئی اور خطرہ ٹل ہو گیا تو لوگ پھر وہاں پہنچے لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ جو مصر کا سب سے متمول اور بااثر شخص تھا وہ موت کی گہری نیند سو رہا ہے اور جو مہلک گیس اس نے ریحانہ اور پرنس امین کو قتل کرنے کے لیے چھوڑی تھی اس سے خود ہی ہلاک ہو گیا۔

بطرس بے کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ جس کی ہلاکت کا واقعہ اخباروں میں نہ چھپتا، مصر یورپ اور انگلستان کے اخباروں میں اس واقعہ کا عرصہ تک چرچہ رہا۔ حکومت مصر نے اس کو اپنی بیوی کا قاتل قرار دے کر اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی، اور چونکہ اس نے امین بے نسیم کو بالزام قتل ماخوذ کرانا چاہا تھا جو مقصود تھا، وہ ضبط شدہ جائیداد پرنس مذکور کو دے دی۔

پرنس امین بے نسیم اور ریحانہ کی سچی محبت کا حال اب عالم آشکار ہو چکا تھا۔ تمام خاندان نے اس جوڑ کو پسند کیا۔ خدیو مصر نے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا، پھر چند دن بعد دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہو گئی۔ جس میں سرہنری قیطون بن حام اور ان کی بیوی کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اب یہ دونوں میاں بیوی عیش کی زندگی بسر کرنے لگے۔

...... **ختم شد** ......